منزل منزل موت کے سائے



مظہر الحق علوی

ایک وحشی ملک کی وحشیانہ کہانی

منزل منزل موت کے سائے

(THE WRATH OF GOD)

مصنف - جیمس گراہم

مترجم منظر الحق علوی

مقام میکسیکو
زمانہ سنہ ۱۹۲۲ء

پہلا باب

ہفتے کے زیادہ تر دنوں میں چیف آف پولیس کسی نہ کسی کو پکڑ کر دوپہر کے وقت گولی مار دینے کا انتظام بہر حال کر لیتا تھا تاکہ بقیہ آبادی عبرت اور ہیبت حاصل کر سکے۔ اسی ایک بات سے آپ یہ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ ان دنوں میکسیکو میں کیا صورت حال تھی اور کس قسم کے واقعات ہو رہے تھے۔

بندوقوں کی پہلی باڑھ کی تڑتڑاہٹ کی آواز میں نے عین اس وقت سنی جب میں ریلوے اسٹیشن سے نکل کر ٹیلے کی ڈھلان نصف کے قریب چڑھ چکا تھا۔ اور میرا ہاتھ بے اختیار میرے کوٹ کے گریبان میں گھس کر پستول کی طرف بڑھ گیا۔ میرا یہ بے اختیاری عمل اس بات کا ثبوت تھا کہ میں بے حد چوکنا تھا یہاں تک آتے ہوئے میں زیادہ تر سائے میں ہی رہا تھا یا ایک حد تک اس کی کامیاب کوشش کی تھی۔ لیکن جب میں پلازا سونیکا میں نکل آیا تو چلچلاتی دھوپ میں اور گرمی نے مجھے دبوچ لیا۔ اور میرا گلا اس بے دردی سے دبایا کہ میرے جسم کے ایک ایک مسام سے پسینہ پھوٹ نکلا۔

گنہگاروں کو، یا پتہ نہیں بے گناہوں کو نمونۂ عبرت بنانے کے لئے موت کی سزا پولیس بارکوں کے میدان میں دی جا رہی تھی جس کا پھاٹک چوپٹ کھلا

تھا یا کھول دیا گیا تھا تاکہ ہر وہ شخص جس کو اس قسم کے مناظر سے دلچسپی ہو، اس منظر کو بے روک ٹوک اور صاف طور سے اور پوری طرح سے دیکھ سکے۔

اس وقت کے تماشائی دو درجن ریڈ انڈینوں اور ماسٹیزو تھے۔ دوپہر کی جھلسا دینے والی دھوپ اور جس تیزی سے گولی مارنے کا عمل دہرایا جاتا تھا اس کے پیش نظر یہ آڈینس بھی حوصلہ افزا تھا۔

تماشائیوں کی اس بھیڑ یا یوں کہئے کہ گروہ کے عقب میں ایک کار پارک کی ہوئی تھی۔ یہ ایک بڑی سی مرسیڈیس، روڈسٹر کار تھی جس کی کینوس کی چھت کھلی ہوئی تھی اور پوری کار پر میکسیکو کے کچے اور خاک آلود راستوں کی دھول کی سفید تہہ چڑھی ہوئی تھی۔ اس زمانے کے میکسیکو اور پھر پوبلیٹو جیسے چھوٹے سے قصبے میں یہ ایک بدیسی چیز تھی۔ اس سے بھی زیادہ تعجب خیز اس کا وہ ڈرائیور تھا جو اس وقت کار سے باہر نکل رہا تھا جب میں وہاں پہنچا ہوں کیونکہ ایک پادری تھا لیکن ان تمام پادریوں سے قطعی مختلف تھا جو میں نے اپنے وطن آئرلینڈ میں دیکھے تھے۔ یہ پادری تو پورا سانڈ تھا۔ لمبا تڑنگا جس نے بڑے چھجے کی کرچے جیسی ہیٹ اور رنگ اڑا چغہ پہن رکھا تھا۔

اس نے تماشائیوں کی طرف کوئی دھیان نہ دیا گویا وہ لوگ وہاں تھے ہی نہیں حالانکہ اکثر تماشائی ایک پادری کو وہاں دیکھ کر حیرت زدہ سے رہ گئے تھے۔ پادری نے جیب میں ہاتھ ڈال کر ایک چرمی کیس برآمد کیا اور اس میں سے ایک سگار ریلو[1] نکال کر دیا سلائی تلاش کرنے لگا اس سے پہلے کہ وہ کامیاب ہوتا میں اپنی جیب سے دیا سلائی نکال کر اور جلا کر اس کے سگار ریلو کے سامنے کر چکا تھا۔

[1] ٹھگنا اور کم لمبا چرٹ۔ مترجم

میرے اس عمل نے اسے میری طرف متوجہ کر دیا۔ وہ میری طرف بیٹھ پا دنکا کی طرح گھوم گیا اور میری طرف دیکھنے لگا۔ عقاب جیسی نظر تھی اس کی۔

اور اب پہلی دفعہ میں نے اس کی صورت شکل دیکھی۔

الجھی ہوئی کھچڑی داڑھی، کانچ کی گولیوں کی سی نیلی آنکھیں اور بائیں آنکھ کے عین اوپر زخم کا ایک گہرا اور لمبا نشان۔ صاف ظاہر تھا کہ یہ نشان گولی کے زخم کا تھا۔ یقیناً یہ پادری خوش نصیبوں میں سے ایک تھا جو خونی انقلاب میں مارے جانے سے بچ گئے تھے۔

اس نے شکریہ کا لفظ تک کہے بغیر، تیلی میرے ہاتھ سے لے لی اور ہم دونوں ایک دوسرے کے قریب خاموش کھڑے تھے۔

ہم دیکھ ہی رہے تھے کہ پولیس کے آدمی تین ریڈ انڈینوں کو جیل میں سے نکال کر گھسیٹتے ہوئے بارکوں کے صحن میں لائے اور دیوار کے قریب اور اس کی طرف ان کی پشت کر کے کھڑا کر دیا۔ صحن میں جھلاشیں پڑی ہوئی تھیں اور دیوار گولیوں سے داغدار تھی جیسے اسے چیچک نکل آئی ہو۔ وہ تینوں بے حس و حرکت کھڑے ہوئے تھے اور لیکسار جنبٹ ان کی پشت پر ان کے ہاتھ باندھ رہا تھا۔

"یہ تماشہ یہاں اکثر ہوتا ہے؟" پادری نے پوچھا۔

یہ سوال اس نے ہسپانوی زبان میں پوچھا تھا لیکن اس کا تلفظ یہ راز فاش کئے دے رہا تھا کہ وہ سب کچھ ہو سکتا ہے لیکن میکسکن تو قطعی نہیں ہے۔

میں نے انگریزی میں جواب دیا۔

"چیف آف پولیس کا کہنا ہے کہ جیل کو دوسرے قیدیوں کے لئے خالی کرنے اور قیدیوں کی مقررہ تعداد قائم رکھنے کا یہی ایک طریقہ ہے۔"

پادری نے میری طرف قدرے چونک کر دیکھا۔ اس کے ابرو پہ بل پڑ گئے

"آئرش ہو؟"

"میں لیفٹیننٹ ہوں، فادر؟"

"بہت دور آئے ہوئے ہو وطن سے"

"اگر میرا اندازہ غلط نہیں ہے تو یہ شخص نیو انگلینڈ یا اس کے آس پاس کے علاقے کا امریکی ہے" میں نے سوچا۔

"میرا خیال تھا کہ انقلاب ختم ہو گیا" اس نے کہا اور صحن کی طرف دیکھا جہاں تین ریڈ انڈینوں کو گولی مار دینے کی تیاری کی جا رہی تھی اور جہاں پہ لاشیں پہلے سے پڑی ہوئی تھی۔

"گندا جاہلانہ ملک ہے۔" پادری نے ماں کی ایک گالی ابتدا میں اور بہن کی ایسی گالی جملے کے آخر میں دے کر کہا۔

پادری کے منہ سے گالیاں میں نے پہلی دفعہ سنی تھیں۔ ناقابل یقین سی بات تھی لیکن صورت حال کے پیش نظر گالی کسی بھی انسان کے منہ سے بےخیالی میں نکل سکتی تھی۔

"بے اطمینانی اور شکایت تو ہمیشہ ہمارے جلو میں چلتی ہے فادر" میں نے کہا "آپ میکسیکو ہی کو لے لیجیے۔ یہاں اب بھی ایسے لوگ ہیں جو پادریوں کو خوش آمدید کہتے ہیں۔"

"ہمارا ہر عمل خدا کے اختیار میں اور اس کے حکم سے ہے" اس نے تلخی سے کہا۔ "ہم سب خدا کے اختیار میں ہیں۔"

پادری کا یہ اعلان بحث طلب تھا اور اسی ایک نکتے کو لے کر میں اس سے الجھ جانے والا تھا کہ مرنے کے لیے تیار کھڑے ہوئے مجرموں سے ایک کی تیز

چیخ دوپہر کی تپتی ہوئی فضا میں گونج گئی۔ میں نے سر اٹھا کر صحن میں دیکھا سارجنٹ پیچھے والے کے ہاتھ باندھنے لگا تھا اور وہ، یعنی مجرم، ہماری طرف اشارہ کر رہا تھا۔

صحن میں تھوڑی سی گڑبڑ سی مچ گئی، حیرت اور بے چینی کی لہر سی دوڑ گئی اور پھر ایک نوجوان افسر گویا بے دلی سے ٹہلتا ہوا صحن عبور کر کے پھاٹک تک آیا اور پادری کو اشارہ سے بلایا۔

پادری مجھے "معاف کرنا" کہے بغیر آگے بڑھ گیا۔

"یقین کرو یا نہ کرو فادر! لیکن ان سوروں میں سے ایک اعتراف گناہ کرنا چاہتا ہے" میں نے افسر کو پادری سے کہتے سنا۔

پادری نے کوئی جواب دیا البتہ اپنے چغے کی جیب میں سے دعا کی کتاب نکالی، منھ میں دبا ہوا سگار تھوک دیا اور پھاٹک میں سے گزر کر صحن میں داخل ہو گیا۔

اس کے دیوار تک پہونچنے سے پہلے ہی تینوں مجرم گھٹنوں کے بل جھک چکے تھے۔

میں مزید کچھ دیکھنے کے لئے وہاں نہ ٹھہرا کیونکہ میں نے پہلے بھی لوگوں کو مرتے دیکھا تھا۔ کم سے کم وہاں سے ہٹ کر اور چوک عبور کر کے ہوٹل بلانکو کی طرف جاتے ہوئے، میں نے اپنے آپ سے یہی کہا۔ ہوٹل بلانکو اتہائی سرے پر واقع تھا۔ یہ ایک بلند اور متناسب سی عمارت تھی۔ زمانۂ جنگ میں حکومت کی فوجوں کے لئے اس عمارت نے قلعہ کی خدمات انجام دی تھیں چنانچہ اس کا سامنے کا رخ بندوق کی گولیوں کے نشانات سے چھلنی ہو رہا تھا صحن میں ایک فوارہ صحن کے سرخ ٹائلوں پر چھڑکاؤ کر رہا تھا اور چھت کے

نیچے کا ٹھنڈا اندھیرا اپنی طرف بلا رہا تھا۔ جالیوں والے دروازے کے قریب ہوٹل کا مالک نرسلوں کی ایک آرام دہ کرسی پہ ڈھیر تھا اور کھجور کے پنکھے سے اپنے چہرے پہ ہوا ڈال رہا تھا۔ اس کا نام جانوس تھا اور وہ ہنگری کا باشندہ تھا۔ کم سے کم میرا تو خیال یہی تھا حالانکہ وہ انگریزی بڑی روانی سے اور بڑی شستہ بولتا تھا۔ اس میں سب سے زیادہ نمایاں چیز اس کا مٹاپا تھا۔ اس کا وزن سترہ اٹھارہ اسٹون سے کسی طرح کم نہ ہوگا اور اس کی توند لٹکتی ہوئی تھی۔ وہ ہر دم پسینے میں نہایا رہتا تھا۔

"آ۔۔۔ ہا۔۔۔ مسٹر کورغ" اس نے کہا "کیا قیامت کی گرمی ہے کہ طبیعت گھبرا رہی ہے۔ آپ برف لگی بیئر نوش فرمائیں گے میرے ساتھ؟"

ہلکی بیئر کی چند بوتلیں اس کے قریب پانی بھرے ڈول میں پڑی ٹھنڈی ہو رہی تھیں۔ میں نے ایک بوتل اٹھا کر "شکریہ" سے اس کا کارک اڑا دیا۔ عین اسی وقت بارکوں کے صحن کی طرف سے، جو چوک کے اس پار تھا بندوقوں کی تڑتڑاہٹ کی آواز آئی۔ میں جانوس کے قریب کے بنگلے پر بیٹھ گیا۔ پولس کی بارکوں کے صحن میں تماشہ ختم ہو چکا تھا اور تماشائی بکھرنے لگے تھے۔

"سانحہ بڑا دلچسپ معاملہ ہے" جانوس نے بظاہر بے تعلقی اور بے پروائی سے کہا۔

"ہاں۔ بہت زیادہ" میں نے میکانکی طور پہ کہہ دیا کیونکہ میری نظریں پادری کی تلاش میں پھاٹک پر جمی ہوئی تھیں۔

وہ پولس افسر کے ساتھ پھاٹک پر نمودار ہوا۔ پولس افسر اسے پہونچانے مرسیڈیز کار تک گیا وہاں کچھ دیر کھڑے باتیں کرتے رہے پھر پولس افسر نے اسے سیلوٹ کیا اور پھر پادری کار میں بیٹھ گیا اور کار اپنے پیچھے دھول کا

بادل چھوڑ کر چلی گئی۔

"عجیب بلکہ حیرت انگیز بات ہے یہ تو" جونا اس نے کہا۔

میں نے سوالیہ نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔

"نہ صرف پادری بلکہ کار والا پادری" وہ بولا "ہے نا عجیب بات"

"شاید" میں بیر کی بوتل خالی کر کے اٹھ کھڑا ہوا۔

"شاید تمھارے لئے یہ بات عجیب نہیں ہے مسٹر کونخ۔ لو۔ دوسری بوتل"
اس نے ڈول میں سے پانی ٹپکتی بوتل نکال کر میری طرف بڑھا دی۔

"تم نے اپنے وطن آئرلینڈ میں ایسی بہت سی سواریاں دیکھی ہوں گی۔ لیکن یہاں یہ کاریں وغیرہ ایک نئی اور انوکھی چیز ہیں۔ میرے خیال میں تم بھی یہ مشین چلانا جانتے ہو گے۔ کیوں؟"

جس کا مطلب تھا کہ وہ کوئی مطلب کی بات کہنے والا تھا۔

"ڈرائیونگ کوئی مشکل کام نہیں ہے" میں نے جواب دیا۔

"ایک ہوشیار اور قابل آدمی کے لئے شاید مشکل نہ ہو۔ لیکن یہاں کے کسانوں کے لئے ــــ" اس نے اپنے پہاڑی خیالات جھٹکائے "ان سالوں کے لئے تو ہر وہ کام مشکل ہے جو ذرا سا بھی پیچیدہ ہو۔ ان سالوں نے آسان کام کے علاوہ کچھ اور سیکھا ہی نہیں۔ میرے پاس بھی ایک ٹرک ہے۔ پورے یونشیو میں بس یہی ایک ٹرک ہے۔ اور تم جانتو کونخ، میرے بزنس کے لئے یہ ایک بے حد ضروری اور کارآمد چیز ہے۔ اس کے لئے میں نے ایک ڈرائیور، جو میکینک بھی تھا، خاص نامیکو سے بلایا تھا۔ لیکن وہ سالا سیاست میں دلچسپی لینے لگا اور پھر اس میں وہ مادر جلو گلے گلے تک دھنس گیا۔

"اور اس ملک میں سیاست میں پھنسنا واقعی بے حد خطرناک کام ہے"

میں نے کہا۔

اس نے موٹے چہرے پر سے پسینے کی تازہ تہہ پونچھ لی۔

"وہ اس گروہ میں تھا جسے آج صبح پولس نے گرفتار کیا۔ یعنی آج کے پہلے گروہ میں۔ بیچارا تاریک راہوں میں مارا گیا۔ بڑی گندی چیز ہے یہ سیاست مسٹر کوخ اور بڑی بدقسمتی ہے یہ"

اور یہ اشارہ خود اس کی اپنی بدقسمتی کی طرف تھا۔

میں نے کہا" اسی کا نام زندگی ہے مسٹر جوناس۔ اسے سیاست سے کوئی تعلق نہ رکھنا چاہیئے تھا"

میری یہ بے تعلقی اور بے حسی آپ کو عجیب معلوم ہو رہی ہو گی۔ لیکن میں کیا کرتا جو عرصہ ہوا کہ میرے زیادہ تر احساسات جل کر راکھ بن چکے تھے۔ خصوصاً ایسی جگہ اور ایسی صورت حال ہو تو میری کوئی حس بیدار ہو ہی نہ سکتی تھی۔ اور پھر اس معاملے سے میرا دور کا بھی واسطہ نہ تھا۔ اس کے علاوہ میں اس گفتگو سے بھی اکتانے لگا تھا جو بظاہر سراسر بے مقصد اور غیر حقیقی سی تھی۔ گرمی نے مجھے پریشان اور تھکن نے مجھے چور کر رکھا تھا اور اس وقت میں نہانے اور ریل کی روانگی سے پہلے چند گھنٹوں کی نیند کی طلب میں مرا جا رہا تھا۔

میں کھڑا ہو گیا تو جوناس نے جلد سے کہا:۔

"بات یہ ہے مسٹر کوخ کہ میں کچھ سامان جلد از جلد ہوئیلا پہنچانا چاہتا ہوں۔ اور میں سمجھتا ہوں کہ تم مقام ہوئیلا سے واقف ہو گے"

چنانچہ اب پتہ چلا کہ یہ موٹا سور مجھ سے کیا چاہتا تھا لیکن کوئی وجہ نہ تھی کہ میں اس کے لئے لقمۂ تر بن جاتا۔

"نہیں۔ نہیں جانتا" میں نے جواب دیا۔

"یہاں سے دو سو میل دور، شمال کی طرف اور امریکی سرحد کے قریب ہے کچا راستہ ہے لیکن ایسے خشک موسم میں اتنا بخوا گزار نہیں ہوتا یہ راستہ۔"

یہ انتہا تھی۔ میرا مطلب ہے معاملہ آگے بڑھنے لگا تھا۔

"اطلاعاً عرض ہے کہ میں ٹامپیکو جانے والی ڈھائی بجے کی ٹرین پکڑ رہا ہوں" میں نے کہا۔

"لیکن تم کل رات کو واپس آسکتے اور پرسوں کی ٹرین سے روانہ ہو سکتے ہو"

"لیکن کل شام کی ہوانا جانے والی اسٹیمر چھوٹ جائے گی اس کا کیا" میں نے کہا "اور تم تو جانتے ہی ہو کہ بوٹ کے ٹکٹ کے دام واپس نہیں ملتے۔"

"کتنا کرایہ دیا ہے تم نے؟ بیالیس امریکن ڈالر؟" اس نے پھر اپنے شانے اچکائے "میں سارے تمہیں پانچسو امریکن ڈالر دوں گا اور آخر میں تم خود کہو گے کہ بڑی آسان کمائی تھی یہ تو"

آسان کمائی ہو یا نہ ہو لیکن یہ حقیقت ہے کہ میں جنداس کی بات سن کر نمایاں طور سے چونک پڑا کیونکہ ٹکٹ حاصل کرنے کے بعد میرے پاس بیس یا تیس ڈالر سے زیادہ نہ رہ گئے تھے۔

"اندرون ملک میں تھوڑا سا مال سامان پہنچانے کا یہ معاوضہ بڑا تگڑا ہے" میں نے اپنے دل کی دھڑکنوں اور آواز پر قابو رکھتے ہوئے کہا۔

چنانچہ اب اس نے میرے ساتھ چھپے بلی کا کھیل نہ کھیلنے کا فیصلہ کر لیا۔ اس کا زبردست اور چمکتا ہوا چہرہ اور بھی پھیل گیا معلوم ہوا کہ وہ مسکرا رہا تھا

"مسٹر کوخ! میں تم سے کچھ چھپانا نہیں چاہتا" وہ بولا "چنانچہ صاف صاف بتائے دیتا ہوں کہ ......"

"شکریہ"

...... کہ میرے ٹرک میں جو کریٹ ہے ان میں بے حد عمدہ اسکاچ وہسکی ہے یہ وہ مال ہے جس کی درآمد اور برآمد بھی میکسکو میں کم ہوتی ہے مطلب یہ کہ یہ مال یہاں اچھی قیمت پر بکتا نہیں۔ لیکن سرحد کے قریب اور اس پار وہ ہے جسے عرفِ عام میں شراب بندی کہتے ہیں۔ چنانچہ وہاں اس مال کا سونا ہوگا۔"

"اور اگر پکڑے گئے وہسکی اسمگل کرتے ہوئے تو پانچ سال قیدِ بامشقت کی سزا نقد ہے۔" میں نے اسے یاد دلایا۔

"یہ خطرہ تو کوئی اور مول لے گا مسٹر کوغ"

"کوئی اور؟"

"ہاں۔ یعنی وہ شخص جس کے سپرد تم ہرموٹیلا میں یہ مال کر دو گے۔ آگے وہ جانے اور اس کی قسمت یا اس کی بدقسمتی چنانچہ تمھیں، میرے دوست، نہ تو کوئی خطرہ لاحق ہے اور نہ ہی تم خلاف قانون کوئی کام کر رہے ہو۔ کم سے کم اس وقت تک نہیں جب تک کہ تم میکسکو میں ہو۔ کیونکہ تم جانو یہاں الکحل کی تجارت خلاف قانون نہیں ہے۔"

یہ بے شک سچ تھا چنانچہ یہ سودا بے حد للچا دینے والا تھا۔ جیسا کہ جانوس نے کہا تھا "آسان کمائی تھی۔ چنانچہ کسی کے منہ میں بھی پانی آسکتا تھا اور میرا تو یہ ہے کہ روپے کا مسئلہ میرے لئے بڑا اور پیچیدہ مسئلہ تھا اگر مجھے اسٹیمر ٹکٹ کے دام واپس نہ بھی ملے تب بھی سودا منافع بخش تھا۔ جانوس نے سمجھا کہ مچھلی کانٹے میں پھنس گئی ہے یا پھنسنے والی ہے چنانچہ اس نے اور چارہ ڈالنے کی غرض سے کہا:۔

"مسٹر کوغ! ایک بات اور کہوں؟ پانچسو ڈالر اور اسٹیمر کا دوسرا ٹکٹ

تیری طرف سے۔ بولو۔ اب سودا مناسب ہے۔ نہیں؟ اب اطمینان ہوا کہ نہیں؟"

وہ خوش مزاج بننے لگا تھا لیکن یہ اسکی فطرت نہ تھی چنانچہ یہ بات، یعنی یہ اس کی خوش مزاجی، اس کی طبیعت سے اور اس کے وجود سے میل نہ کھاتی تھی لیکن اس کی اداس، نیلی اور خالص انگریزی آنکھوں کی وہ چمک تھی اور نظر کی وہ جاذبیت تھی جس نے مجھے ایک آخری فیصلہ کرنے پر مجبور کر دیا۔ اس کی نظر سانپ کی نظر تھی۔ حالانکہ میں یقین سے نہیں کہہ سکتا کہ یہ آدمی مجھے پسند تھا۔ شاید حقیقت اس کے برعکس تھی۔

"جی نہیں۔ شکریہ" میں نے کہا "معاوضہ بہت زیادہ ہے"

اور اس کے بشرے سے مسکراہٹ یوں غائب ہو گئی جیسے کسی نے رومال سے پونچھ لی ہو اور اس کی نیلی آنکھیں بجھ سی گئیں۔

"مسٹر کونخ! میں تمھیں سمجھنے سے قاصر ہوں۔ میں تمھاری مالی حالت سے واقف ہوں چنانچہ تم نے جو کچھ کہا اس کا مطلب میری سمجھ میں تو آیا نہیں۔"

"اور سمجھ میں آئے گا بھی نہیں" میں نے کہا "کیونکہ میں روپے کی بات نہیں کر رہا مسٹر جانوس۔"

"پھر؟"

"میں میکسکو کی بات کر رہا ہوں۔ میں اس ملک سے بھر پایا۔ پچھلے مہینے تک یہاں کی گرمی مجھے جھلساتی رہی، یہاں کی خاک میں پھانکتا رہا اور یہاں کی مکھیوں اور گندگی نے مجھے پریشان کر دیا اور پھر کوئی دن ایسا نہیں جاتا جب پولس کے آدمی کسی نہ کسی کو گولی نہ مارتے ہوں۔ جی نہیں صاحب! یہ انتہا ہے۔ مسٹر جونا س! تم کوئی دوسرا آدمی تلاش کر لو"

"تم سمجھے نہیں مسٹر کونرخ" اس نے بڑی احتیاط سے کہا۔

"کیا نہیں سمجھا؟"

"یہی کہ میرے پاس کوئی دوسرا آدمی ہے نہیں۔"

"یہ تمہارا مسئلہ ہے، میرا نہیں اور اس کا دل تمہیں ہی تلاش کرنا ہے۔"

اس کا پنکھا جھلتا ہوا ہاتھ ادھ بیچ میں ہی رک گیا اور جوناس کی نظریں مجھ پر گڑ گئیں، حالانکہ میں جانتا تھا کہ وہ میری طرف نہیں دیکھ رہا تھا۔ اس کے چہرے سے پسینے کا آبشار گر رہا تھا اور اس کی نظریں مجھ سے پرے کسی نظر نہ آنے والے مرکز پر جمی ہوئی تھیں۔

پنکھا ایک بار پھر ہلنے لگا۔ آہستہ آہستہ۔ گوشت و پوست کے اس پہاڑ نے جنبش کی، اس نے بڑا سا ریشمی رومال نکال کر اپنا بڑا سا چہرہ پونچھا۔

اور پھر یکایک وہی خلاف فطرت مسکراہٹ اس کے بشرے پر تھی وہ پھر خوش مزاج بن رہا تھا۔

"تو ٹھیک ہے مسٹر کونرخ! جیسی تمہاری مرضی۔ اب میں سوائے اس کے اور کیا کر سکتا ہوں کہ تم سے مصافحہ کر کے تمہیں خدا حافظ کہہ دوں۔"

اور اس نے اپنا ہاتھ میری طرف بڑھا دیا اور اخلاق کے تقاضے سے مجبور ہو کر میں نے اس سے مصافحہ کیا اور اب پتہ چلا کہ جوناس کا مصافحہ بھی خلاف فطرت تھا۔ آپ جانتے ایسے لوگوں ہیں، جو دن بھر کچھ نہ کرتے ہوں بس بیٹھے بیٹھے پسینہ بہاتے رہتے ہوں۔ پھسپھسا پن ہوتا ہے، جسمانی طاقت ان کی صفر کے برابر ہوتی ہے۔ ان کی گرفت کمزور اور ڈھیلی ہوتی ہے لیکن جوناس نے مجھ سے مصافحہ کیا تو اس کی پکڑ استوار اور مضبوط تھی اور آپ

جانئے یہ خلاف فطرت بات تھی۔ کم سے کم میری توقع کے خلاف تھی چنانچہ میں اس سے رخصت ہوا تو دل میں حیران تھا اور اس بات پر تعجب کر رہا تھا کہ جو اس نے زیادہ زور کیوں نہ دیا اور اتنی آسانی سے کیسے مجھے رخصت کر دیا تھا حالانکہ وہ خود اعتراف کر چکا تھا کہ اس کا کام کرنے کے لئے اس کے پاس میرے علاوہ اور کوئی آدمی نہ تھا۔

ہوٹل بلانکو انقلاب سے پہلے بڑا شاندار رہا ہوگا لیکن اب اس کی حالت خستہ تھی سنگ مرمر کے زینے میں دراڑیں پڑ گئی تھیں اور دیواروں پر سے پلاسٹر کے بڑے بڑے چھلکے اتر گئے تھے۔ لیکن اب یہ عمارت، معلوم ہوتا تھا، اپنی عمر پوری کر کے کھنڈر میں تبدیل ہوتی جا رہی تھی۔ میرے کمرے کا دروازہ قفل سے بے نیاز تھا چنانچہ وہ چوبیسوں گھنٹے کھلا رہتا تھا اور کمرے کا ماحول بھاڑ کی طرح گرم تھا کیونکہ اس میں لگا ہوا بجلی کا پنکھا پچھلے پانچ برسوں سے گھومنا بھول چکا تھا۔ وجہ اس کی یہ تھی کہ انقلابیوں نے ڈائنامائٹ لگا کر پاور پلانٹ اڑا دیا تھا۔

میں بڑی کوششوں کے بعد کھڑکیوں کے شٹر کھولنے میں کامیاب ہو گیا۔ اس کام کے لئے مجھے کتنا زور لگانا پڑا ہوگا۔ اس کا اندازہ آپ اس بات سے لگا سکتے ہیں کہ اس عمل کے دوران دو تین تختے ٹوٹ گئے شٹر کے کھلتے ہی گرم ہوا کمرے میں دھنس آئی۔ گرم سہی بہرحال ہوا تو تھی۔

میں پسینے سے تر بتر تھا اور میرے دائیں شانے سے، کوٹ کے اندر، چرمی خول میں لٹکتا ہوا پستول تکلیف دہ انداز سے میرے پہلو کی پسلیوں

کورگھور رہا تھا۔ میں نے اپنی جاکٹ اتاری، پستول کے خول کا فیتہ کھول کر پستول الگ کیا تو جیسے شانے پر سے ایک بوجھ سا ہٹ گیا۔ میں نے اطمینان کا لمبا سانس لیا۔ پستول میں نے بستر پہ رکھ دیا۔

کبھی یہ کمرہ خاص الخاص رہا ہوگا کیونکہ اب بھی اس کا اپنا غسل خانہ تھا جو انتہائی دروازے کے دوسری طرف تھا۔ لیکن اب وہ ایسا ہی عام کمرہ ہو کر رہ گیا تھا جیسے کے عموماً سستے کمرے ہوا کرتے ہیں جو لاوارث سے ہوتے ہیں کہ ان کی دیکھ بھال کوئی نہیں کرتا۔ اور یہ کمرہ تو واقعی ایسا تھا کہ معلوم ہوتا تھا جیسے ایک عرصے سے اس میں کسی نے قیام کیا ہی نہ ہو۔ خدا جانے کیوں مجھے اس پھوار کی طلب ستانے لگی جس کو کیری کی بارشیں کہتے ہیں۔ میرا جی چاہا کہ ہلکی ہلکی پھوار پڑ رہی ہو، سرد اور فرحت بخش، اور میں اس میں آسمان کی طرف منہ اٹھائے اور آنکھیں کھلی رکھ کر کھڑا رہوں اور بارش میرے چہرے کو بھگوئے اور میرے منہ میں گھس کر حلق تک ایک سرد کیفیت بنا کر چلی جائے لیکن یہ طلب احمقانہ تھی۔

پورے کمرے کی طرح غسل خانہ بھی اپنی گزری ہوئی شان پر ماتم کر رہا تھا۔ فرش پر اور دیوار پر دو فٹ کی اونچائی تک لائلپوری ٹائل جڑے ہوئے تھے۔ ہر ٹائل پر خوبصورت بیل بوٹے بنے ہوئے تھے جو ایک دوسرے کو انگور کے خوشے دے رہے تھے۔ لیکن ٹب میں کئی جگہ دراڑیں پڑ گئی اور اتنا بڑا تھا کہ آدمی اس میں باقاعدہ تیر سکتا تھا۔ حالانکہ تانبے اور پیتل کے بیتر کسی زمانے میں چرا لئے گئے تھے لیکن اب بھی ہینڈل گھمانے پر ٹونٹی کے منقش منہ میں سے ہلکے بھورے رنگ کا پانی کھل کھلا

بہنے لگتا تھا۔

میں خواب گاہ میں واپس آیا اور اپنا لباس اتار کر اپنا پرانا گاؤن پہنا اور پستول مع چرمی خول کے اپنے ساتھ لے کر ایک بار پھر غسل خانے میں آگیا۔ آپ پوچھیں گے، پستول ساتھ لانے کی کیا ضرورت تھی۔ اس کا سیدھا سا اور صحیح جواب یہ ہے کہ پرانی عادت بڑی مشکل سے چھوٹتی ہے۔

اس عرصے میں پانی کا رنگ اتنا زیادہ بھورا ملگجا نہیں ہو گیا تھا کہ مجھے ٹب کا پیندا نظر نہ آتا تھا تاہم میں ذرا سا بھی "چھپاکا" کئے بغیر آہستہ سے ٹب میں دراز ہو گیا اور دراڑیں پڑی چھت کی طرف دیکھنے لگا۔

کمال ہے کہ چیزیں کس قدر آسانی سے وہ بن جاتی ہیں جو ہم انہیں بنانا چاہتے۔ چھت پر کی دراڑیں بھی میرے لئے ایک مکمل ترین نقشہ بن گئیں اور پھر اس میں ریل کی پٹڑیوں کی علامتیں بنتی چلی گئیں۔ وہ میری منزلیں تیار ہو رہی تھیں۔ میکسیکو وہاں سے مانٹیری اور وہاں سے ٹاچیکو۔ پھر سطح مرتفع یوکاٹان کے شمال میں خلیج عبور کر کے بحری راستہ کیوبا اور ہوانا تک۔

اور کیا کروں گا میں وہاں پہنچنے کے بعد۔ ایک پتہ تھا میرے پاس اور کچھ نہ تھا۔ ایک ایسے شخص کا پتہ جو مجھے کوئی کام نہ دلا سکتا تھا اور نہ بھی دلا سکتا تھا۔ یقین سے کچھ کہنا مشکل ہی نہیں ناممکن تھا۔ اس کے بعد کیا؟ اس سوال کا کوئی جواب نہ تھا چنانچہ مجھے ہر ایسی صورت حال کو، بھلی یا بری صورت حال کو، قبول کرنا تھا جو بعد کا ہر دن میرے لئے پیدا کر دینے والا تھا۔

دفعتہ خوابگاہ میں سے دبی دبی کھڑبڑ کی آواز سنائی دی۔ ایک ہی جھٹکے کے ساتھ میں ٹب سے باہر تھا اور اس عمل کے دوران اپنا پستول خول سے گھسیٹ کر ہاتھ میں لے چکا تھا۔ دروازے کے قریب میں دیوار سے چپک کر کھڑا ہو گیا کہ اگر کوئی خوابگاہ میں سے گولیاں چلاتا اندر آئے تو اپنے آپکو بچا سکوں۔

میں نے ایک ہاتھ سے اور قدرے مشکل سے اپنا گون پہن لیا اور کان لگا کر سننے لگا خوابگاہ میں سے اب کوئی آواز سنائی نہ دی۔ چنانچہ میں نے وہی کیا جو ایسے موقع پر کیا جاتا ہے یعنی دھڑ سے دروازہ کھول دیا اور ایک گھٹنا ٹیک کر بیٹھ گیا۔

ایک شخص بستر کے قریب کھڑا میری جاکٹ کی تلاشی لے رہا تھا۔ صاف ظاہر تھا کہ یہ کوئی آوارہ آدمی تھا — دوغلی نسل کا ماستیزو جس نے پھٹی ہوئی پتلون، پھٹی ہوئی قمیص اور تنکوں کی بڑے چھجے کی ہیٹ پہن رکھی تھی جیسی کہ میکسیکن پہنتے ہیں اور جسے "سامبریرو" کہتے ہیں وہ جاکٹ کی اندرونی جیب میں سے بڑا بٹوا نکال چکا تھا میرا کل ذہنی اثاثہ اسی میں تھا۔ میری ساری کائنات یہی بٹوا تھا۔

"آج نہیں میرے دوست" میں نے کہا "بٹوا بستر پر رکھ دو فوراً"

ابتدا میں تو ایسا معلوم ہوا کہ وہ میرے اس حکم کی تعمیل کرے گا کیونکہ اس کے شانے جھول سے گئے۔ اس نے کہا،

"سینیور! میری بیوی، میرے بچے۔ رحم کرو میرے حال پر"

اس کے یوں گڑگڑانے نے میرے دل پر کوئی اثر نہ کیا۔ کیونکہ اس کی ظاہری حالت بتا رہی تھی کہ وہ جو کچھ کہہ رہا تھا غلط تھا۔ اس کی نہ تو بیوی تھی اور نہ بچے۔ چنانچہ وہ مجھے دھوکا دینے کی کوشش کر رہا تھا۔

اور میرا یہ خیال غلط نہ تھا کیونکہ اس نے جب ایک دم سے گھوم کر میری جاکٹ میرے منہ پر پھینکی ہے تو میں گڑبڑا گیا اور وہ بدمعاش چھلاوے کی طرح بھاگ گیا۔

جب میں بھاگ کر دروازے پر پہونچا ہوں تو وہ سر زینے کے قریب پہنچ چکا تھا۔ کوئی اور وقت ہوتا تو میں یقیناً اسے بھاگ جانے دیتا لیکن اب بھی اس کے ہاتھ میں میرا بٹوا تھا۔ چنانچہ اب میرے لیئے اور کوئی راستہ نہ تھا۔

میں نے اس کی دائیں ٹانگ میں گولی مار دی۔

وہ اُف تک کئے بغیر لڑکھڑا کر زینے پر گرا اور نظروں سے اوجھل ہوگیا۔ دو دفعہ آہنی جنگلے سے ٹکرایا اور اتنے زور سے کہ میں نے صاف طور سے اس کی آواز سُنی۔ جب میں بھاگ کر زینے کے ماتھے پر پہونچا تو وہ زینے کے دوسرے پلیٹ فارم پر اوندھے منہ پڑا ہوا تھا۔

اس نے سر گھما کر میری طرف دیکھا۔ غصّے کی شدت سے اس کا چہرہ بگڑ گیا تھا اور پھر یہ دیکھ کر میری حیرت کی انتہا نہ رہی کہ وہ بقیہ سیڑھیاں سانپ کی طرح رینگ کر اترنے لگا۔ سنگ مرمر کی سیڑھیوں پر اس کی ٹانگ سے بہتے ہوئے خون کی لکیر بنتی چلی جا رہی تھی۔

عین اس وقت کئی باتیں ایک ساتھ ہوئیں جو ناس سائے میں سے بنی ہاتھی دانت کی کالی چھڑی ٹیکتا نکل آیا اور اس کے پیچھے باورچی خانے میں سے دو تین ملازم نکل آئے۔

"خدا کی قسم جناب" جو ناس نے کہا "یہ سالا کیا ہنگامہ ہے؟"

"میرا بٹوا" میں نے کہا "اس نے میرا بٹوا چرایا ہے۔"

چند بقیہ سیڑھیاں رینگ کر ہال میں پہنچ گیا اور اب وہ جوناس کے قدموں میں پڑا ہانپ رہا تھا۔ جوناس اس پر جھک گیا اور نیم تاریکی میں اسے ٹٹولنے لگا۔ جب وہ سیدھا کھڑا ہوا تھا تو اس کے بشرے سے سنجیدگی اور ملامت ظاہر تھی۔

"بٹوا جناب ؟" اس نے کہا۔ "اس کے پاس کوئی بٹوا نہیں ہے۔"

اور یہ وقت تھا جب حقیقت میں میرا دل ڈوبنے لگا کیونکہ مجھے دھندلا سا احساس ہوا کہ یہ سارا معاملہ ایسا نہیں ہے جیسا کہ میں نے سمجھ رکھا تھا بلکہ اس کی تہہ میں کوئی اور ہی مقصد کارفرما تھا۔

پولس فوراً بھاگتی ہوئی آگئی۔ حسب معمول پولس کا ایک ایک آدمی اوہ بھی بنا ہوا تھا اور وہ لوگ ہر جاندار کو، جو نظر آجائے، گولیوں سے چھلنی بنا دینے کے لئے تیار تھے۔ وہ لوگ دھڑ دھڑاتے ہوئے اندر گھس آئے۔ سارجنٹ نے بڑے اخلاق کا ثبوت دیتے ہوئے حیرت انگیز صبر و سکون سے میرا بیان سنا۔

چور، جس کی کسی کو پروا نہ تھی اور جس کی طرف کوئی متوجہ نہ تھا اپنی زخمی ٹانگ دونوں ہاتھوں سے دبائے ہوئے تھا اور اس کی انگلیوں میں سے جیتا جیتا خون فرش پر ٹپک رہا تھا۔ اور وہ "گیر نگوز" (انگریز اور بدیسی) کی آئندہ اس پشتوں تک کو کوس رہا اور بد دعائیں دے رہا تھا۔

بڑا معصوم تھا یہ چور جسے سینور جوناس نے اپنے یہاں جنرل پورٹر کے طور پر ملازم رکھ لیا تھا۔ سارجنٹ نے رشا چور کی پسلیوں میں دو تین ٹھوکریں جڑ دیں اور۔ پھر آدمیوں کو اس کی تلاشی لینے کو چھوڑ کر میرے

ساتھ میرے کمرے میں آگیا کہ میں کپڑے پہن لوں۔

"آپ فکر نہ کریں سینور" سارجنٹ نے کہا۔ وہ گدھے کا نطفہ مشہور چور ہے۔ سینور جزناس نے اپنی وسیع القلبی کا ثبوت دیتے ہوئے اسے اپنے یہاں ملازم رکھ لیا کہ مادر بہ خطا ایمانداری سے کما کھائے۔ لیکن کیا دنیا ہے رے۔ یہ صلہ دیا ہے اس نے سینور جزناس کے احسانوں کا۔ بہر حال ہم آپ کا بٹوہ نکلوالیں اور آپ پر گولی چلانے کا مقدمہ بھی نہ ہوگا۔ آپ مطمئن رہیے۔"

لیکن جب ہم نیچے ہال میں پہنچے اور سارجنٹ کے آدمیوں نے بتایا کہ چور کے پاس سے بٹوا برآمد نہیں ہوا ہے تو مجھے ذرا بھی تعجب نہ ہوا کیونکہ یہ میں نے پہلے ہی سے یقین کر لیا تھا کہ بٹوا تو اب نہ ملے گا لیکن سارجنٹ ایک دم سے بے حد سنجیدہ بن گیا۔

"معاف کرنا سینور۔ آپ خود ہوشیار اور سمجھدار ہیں" وہ بولا "چنانچہ سمجھ سکتے ہیں کہ اب یہ معاملہ سنگین بن گیا ہے۔ آپ میری پوزیشن سمجھ سکتے ہیں بٹوا چراتے ہوئے ایک آدمی کو گولی مارنا ایک بات ہے اور......"

"صرف گولی مارنا دوسری بات ہے" میں نے لقمہ دیا۔

"بالکل سینور! مجھے افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ آپ کو میرے ساتھ ہیڈ کوارٹر پر چلنا پڑے گا۔ وہ

"چیف" (چیف) آپ سے چند سوالات پوچھنا چاہیں گے۔ مجھے افسوس ہے لیکن......"

اس کا جو ہاتھ میرا بازو پکڑے ہوئے تھا اس کی گرفت اب ڈھیلی اور دوستانہ نہ رہی تھی۔ اور جب وہ مجھے لے کر آگے بڑھا ہے تو جزناس نے اپنے ڈبل رہائی

جیسے گالوں میں مدّ و جزر پیدا کر کے بے حد جذباتی آواز میں کہا۔
"خدا کی قسم جناب میں تمھاری مدد کروں گا۔ بھروسہ رکھو مجھ پر"۔

قصبہ کے کنارے پر اور بہت دور کوہ سائر اس کی چوٹیاں نیلی دھند میں تیر رہی تھیں۔ سلسلہ کوہ شمال کی طرف بڑھ کر سرحد تک چلا گیا تھا۔

جب میں نے ایڑیوں کے بل کھڑے ہو کر اور جیل خانے کی کوٹھری کی چھوٹی سی کھڑکی کی سلاخوں کے پیچھے سے جھانک کر دیکھا تو مجھے بس یہی کچھ دکھائی دیا۔ یعنی نیلی دھند میں تیرتی ہوئی سائر اس کی چوٹیاں۔

میں اس جگہ تھا جسے عرف عام میں "عوام کا کمرہ" کہتے ہیں۔ یہ کمرہ کوئی چالیس مربع فٹ تھا جس کی دیواریں کھردرے اور ناتراشیدہ پتھروں سے اٹھائی گئی تھیں چنانچہ یہ کسی تاریخی بلکہ آثار قدیمہ کا سا کمرہ معلوم ہوتا تھا۔

اس کمرے میں ہم تیس آدمی بند تھے چنانچہ یہ کمرہ گویا کھچا کھچ بھرا ہوا تھا۔ اس کی فضا پیشاب، فضلے اور پسینے کی بو سے بوجھل تھی اور ان تمام بدبوؤں کا تناسب ایسا نپا تلا تھا کہ معلوم ہوتا تھا کسی ماہر نے انھیں حل کیا ہو۔

اس ماحول اور اس فضا میں ایک گھنٹہ بھی گزارنا نہ تھا تھی۔ ایک انڈین "ما۔ آ" کہہ کر اٹھا اور ایک کونے میں رکھے ہوئے بڑے سے پیالے کے قریب، جو پہلے ہی سے چھلک رہا تھا، کھڑے ہو کر اطمینان اور بے پروائی سے پیشاب کرنے لگا۔ "تر تر تر" کی آواز کمرے میں گونج گئی اور میں نے جلدی سے ایک طرف کھسک کر اپنی جیب سے آرٹشاسی سگریٹ کا پیکٹ نکال کر ایک سگریٹ جلائی۔

زیادہ تر قیدی ریڈ انڈین ہی تھے ۔ گیہواں رنگت، چپٹے اور غیر جذباتی چہروں والے، سیدھے سادے لوگ جو ملازمت یا کام کی تلاش میں اندرون ملک اور اس کے دوسری طرف سے یہاں آتے تھے اور اب اپنے آپ کو جیل میں اس گناہ کی پاداشں پا رہے تھے جو انھوں نے نہ کیا تھا ۔ غالبًا انھیں پکڑنے والوں کو بھی پتہ نہ تھا کہ ان بچاروں کا قصور کیا ہے ۔

یہ لوگ حیرت اور دلچسپی سے مجھے دیکھ رہے تھے کیونکہ یہاں تنہا میں یورپین تھا اور یہ ان کے لئے اور کسی کے لئے بھی بڑی حیرت انگیز بات تھی ۔ ایک ریڈانڈین اس بنچ پر سے اٹھا جس پر وہ بیٹھا ہوا تھا، اپنا سامبریرو سر پر سے اتار لیا اور اپنی جگہ مجھے پیش کردی ۔ اس کی اس پیش کش میں وہ دیہاتی خلوص اور احترام تھا جو کاشتکاروں کا خاصہ ہے اور جس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ آپ اس خلوص و احترام کو ٹھکرا نہیں سکتے ۔ چنانچہ پیش کش قبول کر لینے پر اپنے آپ کو مجبور پاتے ہیں ۔

میں بیٹھ گیا اور سارٹ ڈاس کا پیکٹ نکال کر باری باری سے ہر ایک کو پیش کیا ۔ ان لوگوں نے، جو میرے قریب تھے اور جن تک میرا ہاتھ پہنچا کچھ ہچکچاتے اور شرماتے ہوئے ایک ایک سگریٹ لے لی ۔ اور چند لمحوں بعد ہی ہم سب دھواں اڑا رہے تھے اور جلتی ہوئی سگریٹیں ایک ایک دو دو دم کے بعد ایک سے دوسرے منہ میں منتقل ہوتی رہیں ۔

کواڑ کا کھٹکا کھلنے کی آواز آئی، وہ — اور سارجنٹ نمودار ہوا :

"سینور کوخ !" اس نے کہا "براہ کرم اس طرف تشریف لائیے"

"تو یہ لوگ پھر خوش اخلاق بن گئے ہیں ۔ منور کوئی بات ہے" میں نے دل میں کہا ۔

میں کوٹھری سے نکل کر سارجنٹ کے ساتھ سفید اور چمکیلی گزرگاہ میں آگیا اور میرے پیچھے کوٹھری کے دروازے نے بند ہو کر بدبو کے سیلاب کو وہیں روک لیا اور ہم زینہ چڑھ کر صاف ستھری، تازہ ہوا کی خوشگوار دنیا میں آگئے اور پولس بارکوں کے اس ... حصے کی طرف چلے جہاں انتظامی عملہ تھا۔

ایک دفعہ پہلے بھی میں یہاں آچکا تھا۔ کوئی چار مہینے پہلے "کام کا اجازت نامہ" حاصل کرنے کے لئے اور یہ پرمٹ حاصل کرنے کے لئے مجھے خاصی رقم بطور رشوت ادا کرنی پڑی تھی کیونکہ یہاں کا "چیف" بھی دنیا کے ہر پولس افسر کی طرح بے حد ایماندار تھا۔

سارجنٹ مجھے چونا پھرے ہوئے سفید کوریڈور میں ایک بنچ پر بٹھا کر چلا گیا۔ ملٹری کے سپاہیوں جیسے نظر آتے ہوئے دو آدمی "چیف" کے دفتر کے دروازے کے دائیں بائیں "مان لیچر" رائفلیں لئے کھڑے تھے جو اس قسم کی تھیں جیسی کہ جنگ میں جرمنوں نے استعمال کی تھیں۔ ان دونوں نے میری طرف کوئی دھیان نہ دیا چند منٹوں کے بعد دفتر کا دروازہ کھلا اور سارجنٹ نے مجھے اندر آنے کا اشارہ کیا۔

کمرے میں فرنیچر برائے نام تھا۔ ایک میز، کرسیاں اور ایک فائلنگ الماری چند کرسیوں میں سے ایک میں میرا ہوٹل بلانکو کا موٹا دوست پھنسا ہوا تھا اور دوسری میں "چیف" صاحب تشریف رکھے ہوئے تھے۔

میں کمرے میں داخل ہوا تو جوناس جیسا پہاڑ آدمی ایک جھٹکے کے ساتھ اٹھ کھڑا ہوا اور وہیں کھڑا جھومتا رہا، ہاتھی دانت کی کالی چھڑی اس کے ہاتھ میں تھی اور حسب معمول پسینہ اس کے چہرے پر چمک رہا تھا۔ وہ پریشان معلوم ہوتا تھا۔

"یہ تو سالا بڑا ہی عجیب معاملہ ہے مسٹر کوخ۔ لیکن میں آپ کے ساتھ ہوں۔"

وہ پھر کرسی میں سما گیا اور جینفے نے کہا۔

"سینور کوخ! میرا نام جوزا ورٹز ہے۔ میں نوبیٹو کی پولس کا چیف ہوں۔ پہلے تو میں اپنے اس سلوک کے لئے معافی چاہتا ہوں جو آپ کے ساتھ کیا گیا ہے۔ یہ میرے اس سارجنٹ کی ایک افسوسناک اور شرمناک غلطی تھی جس کے لئے انجینئر میں، آپ [illegible] مجھے گا۔"

وہاں موجود سارجنٹ جینفے کی [illegible] پیشگوئی سے ذرا بھی خوفزدہ نہ ہوا۔ جینفے ایک فائل کھول کر اس کے کاغذات کا مطالعہ کرنے لگا۔

یہ جینفے پست قامت اور زیتونی رنگت والا آدمی تھا جس کی عمر پچاس اور ساٹھ کے درمیان رہی ہوگی۔ مونچھیں بڑی نفاست سے ترشی ہوئی تھیں اور اس کے زیادہ تر دانتوں پر سونے کے پتر چڑھے ہوئے تھے۔

اس نے فائل پڑھتے سر اٹھا کر بے حد سنجیدگی سے میری طرف دیکھا۔

"بڑا ہی لفڑا ہے مسٹر کوخ جس نے مجھے الجھن میں ڈال رکھا ہے۔ آپ کا کہنا ہے کہ یہ شخص آپ کا بٹوا چرا لے بھاگا؟"

"جی ہاں"

"تو پھر اس نے اس بٹوے کا کیا کیا سینور؟ ہم نے زینے اور ہوٹل کے ہال کا کونا کونا چھان مارا لیکن آپ کا بٹوا نہ ملا۔ وہ ملازموں کے کمروں میں سے بھی نہ ملا۔"

"کوئی ہوگا اس کا شریک جرم" میں نے رائے دی۔ "اس وقت بہت سے لوگ تھے وہاں۔ کسی کے ہاتھ میں اس نے چپکے سے تھما دیا ہوگا۔"

"خدا کی قسم ٹھیک کہتے ہیں مسٹر کوخ" جوزا نے جلدی سے کہا۔ "اب

معاملہ صاف ہے ۔ میں بھی حیران تھا کہ یہ بٹوا سالا کہاں چلا گیا !"

جینفے نے اپنا سر ہلایا ۔

" ہاں ۔ ایسا ہو سکتا ہے اور میں ذاتی طور پر آپ کی رائے سے متفق ہوں اور یقیناً آپ کا یہ بیان بھی سچ ہے کہ وہ شخص آپ کا بٹوا چرا کر بھاگ رہا تھا کیونکہ وہ الو کا پٹھا ایک نامی چور ہے "

" بڑی مہربانی ہے آپ کی " میں نے سنجیدگی سے کہا ۔

" ضروری چیزیں تھیں بٹوے میں ؟"

" بیس یا تیس ڈالر تھے ، ریل اور اسٹیمر کے ٹکٹ اور میرا پاسپورٹ تھا "

جینفے نے اپنی بھنوئیں اچکائیں ۔

"اوہو ___ تو پھر یہ معاملہ سنگین ہے ___ میری توقع سے زیادہ سنگین " اس نے ایک بار پھر فائل کی طرف دیکھا " آپ کے کاغذات سے پتہ چلتا ہے کہ آپ کا رجسٹریشن برطانوی شہری کے طور پر ہوا ہے ۔ صحیح ہے یہ ؟"

"...جی ہاں ۔ صحیح ہے " میں نے بڑے سکون سے جواب دیا ۔

" عجیب بات ہے ۔ میں آپ کو آئرش سمجھے ہوئے تھا ۔ اس آئرلینڈ کا جو ایک کامیاب انقلاب کے بعد اب آزاد ملک ہے ۔

" اکثر لوگ میرے آئرش ہونے پر اعتراض کر سکتے تھے "

اس کے بشرے سے الجھن کے آثار ظاہر ہوئے پھر اس نے کہا : ۔

" اوہ ! لیکن اب آپ کے یہاں وہ خانہ جنگی چل رہی ہے ۔ ہے نا ؟ وہ آئرش جنھوں نے ساتھ مل کر انگریزوں سے جنگ کی تھی ، اب آپس میں لڑ رہے ہیں ۔ یہاں میکسکو میں بھی یہی گڑ بڑ ہے " وہ پھر فائل پر جھک گیا " تو گویا آپ کو تامپیکو کے برطانوی قونصل سے نیا پاسپورٹ نکلوانے میں کامیاب ہو جائیں گے "

"شاید"

میں نے سر ہلایا:

"لیکن اس میں کئی ہفتے لگ جائیں گے سینور۔ چنانچہ اب سوال یہ ہے کہ اس عرصے میں ہم آپ کا کیا کریں؟ ان دنوں آپ، میرے خیال میں آہم — بیکار ہیں"

"نہیں تو۔ میں نے پچھلے مہینے ہرمو سا مائننگ کمپنی میں کام کیا ہے"۔

"افسوس ہے کہ اس کمپنی نے اپنا نام بند کر دیا ہے۔ چنانچہ اب یہاں میں آپ کے لئے مشکلات کو دیکھ رہا ہوں جو گویا سد راہ ہیں"

"اس، بقول آپ کے، سد راہ کے متعلق میں کچھ نہیں جانتا" میں نے کہا "لیکن مجھے یقین ہے مسٹر جوناس کوئی راستہ تلاش کر لیں گے"۔

"کر سکتا ہوں۔ خدا کی قسم کر سکتا ہوں" جوناس نے اپنی چھڑی فرش پر بجائی "میں نے مسٹر کورنخ کو ایک بے حد نفع بخش پیش کش کی ہے۔ جب تک وہ چاہیں یہ کام کر سکتے ہیں اور جب چاہیں اسے چھوڑ سکتے ہیں"

اور ٹیز نے اطمینان کا لمبا سانس لیا اور مجھے کہنا پڑتا ہے کہ بے حد کامیاب ایکٹنگ تھی یہ۔

"تو پھر کوئی الجھن باقی نہیں رہ جاتی مسٹر کورنخ" وہ بولا "اگر سینیور جوناس خود آپ کی ذمہ داری قبول کر لیں، اگر وہ یہ گارنٹی دیں کہ وہ آپ کو ایک شریفانہ کام دلا دیں گے تو پھر میں آپ کو آزاد کر سکتا ہوں"

"اس میں آپ کو شک ہے جناب؟" میں نے بڑی شائستگی کا ثبوت دیا۔

اور ٹیز مسکرایا، فائل بند کی، اٹھا اور مصافحہ کے لئے ہاتھ بڑھا کر بولا۔

"آپ کی ہر خدمت کے لئے میں حاضر ہوں سینور کورنخ۔

"اور میں بھی۔ شکریہ" میں نے رہنما کہا اور باہر آگیا۔

اپنے پیچھے کمرے میں میں نے سرگوشیاں سنیں جو ایک سیکنڈ تک جاری رہیں اور پھر جوناس "دھپ۔ دھپ" چلتا باہر آگیا۔

"رسیدہ بود بلائے ولے بخیر گزشت مسٹر کورغ" وہ بولا "اور میں اب بھی اپنی پیش کش پر قائم ہوں۔ آپ کی اس وقت کی نازک صورت حال کے باوجود میں اس میں کوئی کمی بیشی نہیں کر رہا۔ لوگوں کی مجبوریوں سے میں نے فائدہ اٹھانا نہیں سیکھا۔ پانچسو ڈالر اور تمہارے لئے اسٹیمر کا ٹکٹ، یہی کہا تھا میں نے اور یہی میں دوں گا"۔

"اندھا بھی دیکھ سکتا ہے کہ تم بے حد شریف انسان ہو" میں نے کہا۔

اس کے پہاڑ جسم میں ہنسی سے زلزلہ آگیا۔

"ہم بے حد عمدہ دوست ثابت ہوں گے" وہ بولا۔

یہ تو خیر اس کا خیال تھا لیکن اس واہیات دنیا میں ہر چیز ممکن ہے۔

دوسرا باب

ہم ہوٹل واپس پہنچے تو جوناس مجھے سیدھا اس کے پچھواڑے اور صحن کے انتہائی سرے پر لے آیا۔ جہاں دو تین اسٹالس کو ڈھا کر گیراج سا بنا یا گیا تھا اور وہاں ٹرک کھڑی ہوئی تھی۔

یہ فورڈ تھی اور اس کی حالت سے پتہ چلتا تھا کہ جنگ میں اور مغربی محاذ پر برے دن دیکھ چکی ہے۔ پچھلے حصے میں کرمچ کا سائبان لگا ہوا تھا اور اس میں چھت تک درمیانی سائز کے صندوق بھرے ہوئے تھے۔ میں نے پہیوں کا معائنہ

کیا تو پتہ چلا کہ ٹائر بالکل نئے تھے۔ یہ بڑی حوصلہ افزا بات تھی۔ بونیٹ کھول کر انجن دیکھا۔ خلاف امید وہ بھی اطمینان بخش حالت میں تھا۔

"سب ٹھیک ٹھاک ہے؟" جوناس نے پوچھا۔

"ٹرک کی حالت دیکھنے کے بعد میں یہ کہنے پر مجبور ہوں کہ آج صبح تمہارے ایک بہترین کاریگر کو گولی ماری گئی ہے۔

"ہاں۔ بڑا افسوس ناک واقعہ ہوا ہے۔ لیکن مسٹر کوخ! زندگی میں اکثر ایسے ہی افسوس ناک اور تکلیف دہ واقعات ہوا کرتے ہیں۔ اسی کا نام سالی زندگی ہے۔

"مجھے کب روانہ ہونا ہے؟"

"اگر تم اسی وقت روانہ ہو گئے تو اندھیرا ہونے تک آدھا راستہ طے کر لوگے ہو ریٹا میں ایک سرائے ہے۔ خستہ حالت میں ہے لیکن غنیمت ہے۔ پرانے زمانے میں جب اسٹیج گاڑیاں چلا کرتی تھیں تو اس وقت یہ سرائے ان کی پہلی منزل ہوا کرتی تھی۔ تم رات اسی سرائے میں گزار کر کل دوپہر سے پہلے ہوسیلا پہنچ سکتے ہو۔ کہو۔ ٹھیک ہے یہ پروگرام"

میں اس کی خوش اخلاقی پر حیران ہوں۔

"بالکل" میں نے کہا لیکن میرے لہجے میں جو طنز تھا اس نے جوناس کو گھڑی بھر کے لئے چکر میں ڈال دیا۔

"بس تو یہ طے رہا" اس نے اطمینان سے سر ہلایا "آؤ اب اندر چلیں۔ وہاں میں تمہیں آخری ہدائتیں دے کر روانہ پری کر دوں گا"

اس کا دفتر برآمدے سے ذرا ہٹ کر عمارت کے اگلے حصے میں تھا۔ ایک چھوٹا سا بے ترتیب کمرہ جس میں ایک پالش کی ہوئی شاہ بلوط کی لکڑی کی میز رکھی ہوئی تھی

میں نے حیرت سے دیکھا کہ الماریوں میں بہت سی کتابیں رکھی ہوئی تھیں۔ میرا ریوالور اور ایفلڈ کا پستول میز پر پڑا ہوا تھا۔

جوناس نے اپنی چھڑی سے دونوں چیزوں کو کھٹکھٹا کر کہا۔

"اس کی تمہیں ضرورت پڑے گی۔"

میں نے سوالیہ نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔

"یقیناً پڑے گی۔ بات یہ ہے ــ یہاں ساری گڑبڑ مچی ہوئی ہے ان دنوں۔ اور راستے کسی حد تک غیر محفوظ ہیں۔"

میں نے اپنی جاکٹ اتار کر ہولسٹر شانے سے لٹکا کر فیتہ کس دیا۔

"مسٹر کورخ!" وہ بولا "تم اس ہتھیار سے غیر معمولی طور پر مانوس معلوم ہوتے ہو۔ تم جیسے تعلیم یافتہ اور شریف خاندان والے آدمی کے لیے یہ بات عجیب ہے۔"

"تمہارا خیال غلط نہیں ہے" میں نے مختصر سا جواب دیا اور جاکٹ پہننے کے بعد پوچھا "اور کچھ؟"

اس نے دراز کھول کر دو لفافے نکالے اور میز پر ہی میری طرف سرکا دیئے۔

"ان میں سے ایک لفافے میں گومیز کے نام خط ہے......"

"گومیز؟"

"گومیز وہ شخص جس کے حوالے تمہیں یہ مال کرنا ہے یعنی ہونیلا میں۔ اور ہاں گومیز کے پاس پٹرول کا کافی ذخیرہ ہے چنانچہ واپسی کے سفر میں تمہیں دقتوں کا سامنا نہ کرنا پڑے گا۔"

"اور اس دوسرے لفافے میں؟"

"اس میں تمہارے اس سفر کا اجازت نامہ ہے جس پر اوڈنیر کے دستخط ہیں"

"یہ ضروری ہے؟"

"ہوسکتا ہے کہ راستے میں پولیس وغیرہ تمہیں روک کر پوچھ تاچھ کرے چنانچہ یہ اجازت نامہ احتیاطاً حاصل کر لیا گیا ہے۔

میں نے دونوں لفافے جاکٹ کی اندرونی جیب میں رکھ کر بوتام لگائے میز پر رکھے ہوئے صندل کی لکڑی کے بنے ہوئے بکس کا ڈھکن اٹھا کر جوناس نے موٹا سا سگار نکال کر دانتوں میں دبا لیا، سلگایا اور پھر بکس میری طرف ڈھکیل دیا

"مسٹر کورنخ! اس سفر کا جام میرے ساتھ پینا پسند کرو گے؟" اس نے پوچھا۔

"اس ملک میں جہاں سے میں آیا ہوں......"

"یعنی تمہارے وطن میں"

"... مثل مشہور ہے کہ شیطان کے ساتھ شراب پیو اور مسکراؤ"۔

وہ بڑے زور سے ہنسا یہاں تک کہ اس کی آنکھوں سے آنسو نکل آئے اور اس کے جسم پر گوشت کے لوتھڑے تھرتھرانے لگے۔

"خدا کی قسم یار تم مجھے بہت پسند ہو" وہ بولا۔ "ہم دونوں کی دوستی سالی ضرور نبھ جائے گی۔

وہ اپنے جسم کا زبردست بوجھ اپنی ستونی ٹانگوں پر سنبھالتا ایک الماری کے قریب پہونچا اور اس میں سے ایک بوتل اور ٹمبلر نکال لئے۔ یہ برانڈی تھی اور میں دیکھ رہا تھا کہ بے حد عمدہ تھی۔

اپنی دونوں کہنیاں میز پر ٹیک کر وہ میری طرف جھک گیا اور چند ثانیوں تک گویا میری روح میں جھانکتا رہا۔

"اگر تم مجھے اجازت دو تو میں کہوں مسٹر کورنخ" اس نے کہا "کہ تم معلوم ہوتا ہے، کسی چیز اور کسی بات کی پرواہ نہیں کرتے بلکہ ہرچہ بادا باد کے مقولے پر عمل کرتے ہو۔ میرا اندازہ غلط تو نہیں ہے؟"

اس کی اس عجیب لیکن "فضیلت مآبانہ" انگریزی نے مجھے بے حد متاثر کیا میرے دل میں خواہ مخواہ رحم کا جذبہ ابھر آیا۔ میں نے کہا:۔

"میرا تجربہ یہ کہہ رہا تھا مسٹر جوناس کہ زندگی میں بہت کم ایسی باتیں ہیں جن کی پرواہ کی جا سکتی ہے"

میں قسم کھا کر کہہ سکتا ہوں کہ آنکھوں سے لمحہ بھر کے لیے تشویش جھانکنے لگی۔۔ حالانکہ میرے خیال میں یہ ناممکن تھا۔ جوناس جیسا آدمی کسی کے لئے بھی متفکر نہیں ہو سکتا تھا بلکہ وہ اس قسم کے جذبے سے جسے "انسیت" کہتے ہیں واقف بھی نہ تھا۔

"مجھے کہنا پڑتا ہے مسٹر کوخ" اس نے بے حد سنجیدگی سے کہا، "کہ تم جیسے نوجوان میں اس قسم کا جذبہ پریشان کن ثابت ہو سکتا ہے"۔

لیکن اب بحث آگے بڑھ گئی تھی اور مجھے شدت سے احساس ہوا کہ ہم غلط موضوع پر باتیں کر رہے تھے۔ میں نے اپنا ٹمبلر خالی کر کے میز پر رکھ دیا۔

"بہتر ہوگا کہ اب میں روانہ ہو جاؤں" میں نے کہا۔

"ٹھیک ہے" لیکن تمہیں زادِ راہ کی تو ضرورت ہوگی ہی"

اور اس نے جیب سے بٹوا نکال کر دس دس پیسے کے سو نوٹ گن دیئے۔

"یہ لو۔ اگر حالات مناسب رہے تو کل شام تک تم یہاں واپس آ جاؤ گے"

اب وہ بے حد محظوظ اور بشاش معلوم ہوتا تھا لیکن اس کی یہ بشاشت اور اس کا یہ اطمینان مجھے بے چین کر دینے کے لئے کافی تھا۔

میں نے نوٹ اپنی جاکٹ کی جیب میں بے پروائی سے ٹھونس لئے اور کہا:۔

"مسٹر جوناس! زندگی اور تجربات نے مجھے دوسری بہت سی باتوں کے ساتھ ایک بات خصوصیت سے سکھائی ہے اور وہ یہ کہ جہاں حالات مناسب نظر آتے ہیں

وہاں کچھ بھی ہو سکتا ہے اور ننانوے فی صدی کچھ ہوتا ہی ہے :
اس کا منہ لٹک گیا اور اس کے بشرے سے انتہائی خوف اور فکر کے آثار ہویدا ہوئے کیونکہ، جیسا کہ مجھے بعد میں معلوم ہوا، جونا اس بے حد توہم پرست آدمی تھا اور یہ کہ اس کی سب سے بڑی کمزوری تھی۔ میں نے ایک قہقہہ لگایا اور گھوم کر اس کے دفتر سے باہر آگیا۔ یہ میری پہلی اور شاید معمولی فتح تھی لیکن بہرحال فتح تھی۔

میری عمر اٹھارہ سال کی تھی جب میں نے انسانوں کو مرتے دیکھا تھا۔ یہ ۱۹۱۶ء کے ایسٹر کا ذکر ہے جب ڈبلن کا قصبہ دھڑا دھڑ جل رہا تھا کیونکہ مٹھی بھر رضاکاروں نے برطانوی فوج سے ٹکرانے کا فیصلہ کیا تھا۔
اور ان باغی رضاکاروں میں کا ایک نوجوان تھا المیسٹ کوخ، یعنی میں خود میڈیکل کالج کا نوجوان: ناتجربہ کار، سرپھرا اور جوشیلا۔ بلاوجہ سر پر کفن باندھ کر میدان میں پھاند پڑنے والا مقصد کو سمجھے بغیر جان دینے کے لیے تیار ہو جانے والا میں مارٹینی کاربین اسٹین گن اپنے ہاتھوں میں مضبوطی سے پکڑے اور بے ڈھنگی، ڈھیلی ڈھالی اور بستر رنگ کی وردی میں جیکب لبسکٹ فیکٹری کے دفتر کی ایک کھڑکی کے پیچھے دبکا ہوا تھا۔ مرنے کے لیے یہ بے حد رومانٹک جگہ تھی۔ اور ہم منتظر تھے کہ ٹامی ہمیں تلاش کر لیں۔ اور انھوں نے بہت جلد ہمیں تلاش کر لیا۔
اس ہنگامے میں سکون کے مختصر سے وقفے کے درمیان ایک دستی بم پرواز کرتا ہوا کھڑکی میں سے اندر آیا اور لڑھکتا ہوا فرش کے عین بیچ تک چلا گیا۔
ہم کل چھے تھے اور ہم سب مر جاتے لیکن کسی خاص وجہ سے، جو ہماری سمجھ میں

نہ آئی، وہ اس وقت تک نہ پھٹا جب تک کہ میں نے اسے اٹھا کر واپس کھڑکی سے باہر اور ان فوجیوں کی طرف نہ پھینک دیا جو عین اس وقت بھرا مار کر فیکٹری کے صحن میں گھس آئے تھے۔

اس وقت زندگی اور موت بہر صورت ایک حادثہ تھی۔ وقت اور اتفاق کے پاس بھی اس وقت ایک حادثے کے علاوہ اور کچھ نہ تھا۔ مر گئے تو ایک ناخوشگوار حادثہ تھا اور بچ گئے تو یہ ایک خوشگوار حادثہ تھا۔ چنانچہ اسی دن سے میری زندگی اور میرے سارے فیصلے اور میرے سارے عمل اس ایک دُھرے پر گھوم رہے ہیں۔ میں سوچتا بھی ہوں تو بس اسی ایک راہ سے کہ جو ہونا ہے سو ہوگا۔ مر گئے تو ناخوشگوار حادثہ اور بچ گئے تو خوشگوار حادثہ۔ چنانچہ جب جوناس نے یہ کہا تھا کہ میں کسی چیز اور کسی بات کی پروا نہیں کرتا تو یہ اس نے صحیح کہا تھا۔

بونیٹو کے بعد ابتدائی چند میلوں تک راستہ کچھ زیادہ خراب نہ تھا کیونکہ کسی زمانے میں اس پر چھوٹے گول پتھر بچھوائے گئے تھے۔ لیکن اس راستے نے زیادہ دور تک میرا ساتھ نہ دیا۔ وہ، جیسی کہ توقع تھی، دھول آلودہ راستے میں تبدیل ہوگیا۔ اب راستہ کی مٹی ایسی مردار اتنی گہری تھی کہ کسی صورت میں بھی ٹرک کی رفتار پچیس میل فی گھنٹہ سے زیادہ کرنا خطرناک ثابت ہو سکتا تھا۔

دور، بہت دور افق کے قریب کوہ سا بَراس سہ پہر کی ناقابل برداشت دھوپ میں کانپ رہا تھا۔ میں ٹرک اسی طرف لیکن ذرا شمال مغرب

کی سمت لئے جا رہا تھا۔ ٹرک کے پہیوں تلے سے مردہ مٹی کا بادل سا اٹھ رہا تھا۔ یہ مٹی ہر چیز پر حتیٰ کہ مجھ پر بھی جمتی جا رہی تھی۔

راستے کے دونوں طرف بھورے رنگ کے ہموار میدان حدِ نظر تک ایک بہت بڑے اور رنگ اڑے پرانے قالین کی طرح، بچھتے چلے گئے تھے۔ ان میدانوں میں جگہ جگہ جھاڑیوں کے پیوند نظر آ رہے تھے اور کیکر اور سکیٹ[1] کے درخت سخت دھوپ میں مرجھائے سے کھڑے تھے۔ میں اس سڑک پر تنہا مسافر تھا جو خدا جانے کہاں، جیسے دنیا کے انتہائی کنارے تک جا رہی تھی اور یہ اس علاقے کو قطع کر رہی تھی جسے آگ برساتے سورج نے بے حد خشک کر دیا تھا اور جو ابتدائے آفرینش سے بے خبر چلا آ رہا تھا۔

لیکن خدا گواہ ہے کہ بعض اوقات وطن کی یاد مجھے بری طرح ستانے لگتی تھی۔ لہریں لیتے ہوئے تالابوں، کروٹیں بدلتے ہوئے سمندر، کوہ کبری، ہری بھری چراگاہوں، لہلہاتی ہوئی گھاس۔ ہم لوگ ان پھولوں کو، خدا کے آنسو کہتے تھے...

سفر کے پہلے گھنٹے میں مجھے ایک بھی جاندار چیز کہیں نظر نہ آئی۔ پھر دور پر ایک سیاہ متحرک داغ نظر آیا جو رفتہ رفتہ بھیڑوں کے ریوڑ میں تبدیل ہو گیا۔ ایک بوڑھا اور دو نوجوان اُس ریوڑ کو چرا رہے تھے۔ ان کا لباس میلا اور جھیر جھیر تھا، ان کے پیروں میں کوئی چیز نہ تھی، یعنی وہ ننگے پاؤں تھے اور ان کی حد سے بڑھی ہوئی مفلسی کا مزید اور ٹھوس ثبوت ان کے تنکوں

[1] شمالی امریکہ کا ایک پھل دار درخت

مترجم

کے وہ ہیٹ تھے جن کا ایک تنکا بھی اپنی جگہ پر قائم نہ تھا۔ وہ راستے کے کنارے کھڑے میری طرف دیکھتے رہے۔ ان کے چہرے کے جذبات سے عاری تھے جیسے کہ ان لوگوں کے ہوتے ہیں جو ہر طرف سے مایوس ہو چکے ہوتے ہیں اور جنہیں زندگی سے کچھ بھی حاصل کرنے کی امید نہیں ہوتی جنہیں یقین ہوتا ہے کہ زندگی انھیں کچھ بھی نہ دے گی۔

ان سے کوئی ایک دو میل آگے جا کر میں نے ٹرک روک لی محض اس لئے کہ میں اپنی جاکٹ اتارنا چاہتا تھا جو پسینے سے اتنی بھیگ گئی تھی کہ اسے باقاعدہ نچوڑا جا سکتا تھا۔ جاکٹ اتار کر میں نے نیم گرم پانی پیا اور اپنے سر اور شانوں پر ڈالا۔ کسی شخص نے بڑی پیش بینی اور عقلمندی کا ثبوت دیتے ہوئے پانی سے بھرا ٹین اس سیٹ کے سامنے، جو مسافر کے لئے ہوتی ہے، باندھ دیا تھا۔

یہاں سے راستہ اتنا خراب ہو گیا تھا کہ مجھے اپنی تمام تر ڈرائیونگ صلاحیتوں کو بروئے کار لے آنا پڑا۔ اب میں بڑی احتیاط سے ڈرائیو کر رہا تھا اور بعض اوقات مجھے ٹرک کی رفتار پندرہ اور دس میل فی گھنٹہ تک کم کر دینی پڑتی تھی۔ رہی دھوپ اور دھول تو اس کے متعلق بس یہ کہہ دینا کافی ہے کہ مجھے یقین نہیں آتا تھا دنیا میں ایسی تیز دھوپ اور ایسی بے پناہ دھول ہو بھی سکتی ہے۔

میں اس منحوس اور لعنتی راستے پر پورے ساڑھے تین گھنٹوں سے سفر کر رہا تھا اور اس عرصے میں مجھے ان تین چرواہوں کے علاوہ کوئی انسان نظر نہ آیا اور میں سوچنے لگا تھا کہ آخری منزل تک مجھے کسی انسان کی صورت نظر نہ آئے گی کہ مجھے پادری مل گیا۔

اس کی بڑی مرسیڈیس راستے سے ذرا ہٹ کر کھڑی تھی۔ وہ راستے
سے اتر کر ناگ پھنی کی جھاڑیوں میں گویا ہل چلاتی ہوئی کچھ دور تک چلی
گئی تھی۔ البتہ خود پادری سڑک کے عین کنارے پر کھڑا ہوا تھا۔ اس کے
چغے اور بڑے چھجے والی ہیٹ پر سفید دھول کی تہہ چڑھی ہوئی تھی۔ اس
نے ہاتھ ہلائے اور میں ٹرک روک کر باہر آیا۔

وہ مجھے پہچان کر مسکرایا۔

"آہا۔ یہ تو ہمارا آئرش دوست ہے" اس نے کہا۔

اس کی مرسیڈیس کا اگلا ٹائر پھٹ گیا تھا اور اس سے پتہ چلتا تھا
کہ اس کی کار ایک دم سے بغاوت کر کے اور راستہ چھوڑ کر ناگ پھنی کی جھاڑیوں
میں کیوں گھس گئی تھی۔ پادری نے بتایا کہ یہاں تک تو خیر ٹھیک تھا لیکن بے قابو
مرسیڈیس کی پچھلی ایکسل ایک بڑے سے پتھر میں پھنس گئی تھی اور وہ یعنی
پادری، ایک گھنٹے کی کمر توڑ کوشش کے بعد بھی ایکسل کو پتھر کی گرفت سے آزاد
کر کے کار کو آگے دھکیلنے میں کامیاب نہ ہوا تھا۔

یہ کوئی مشکل مسئلہ نہ تھا چنانچہ میں نے کہا:۔

"اگر ہم جیک لگا کر کار کو پتھر پر سے انچ دو انچ اوپر اٹھا دیں اور پھر
اسے دھکا دیں تو وہ یقیناً پتھر پر سے ہٹ جائے گی۔

میرے دماغ کی ایسی کی تیسی، پادری نے کہا۔ سالا مجھے یہ خیال
کیوں نہ آیا؟"

اس کی زبان ایسی تھی جیسی کہ ڈبلن میں آوارہ گردی کرتے ہوئے
ملاحوں اور ناخداؤں کی ہوتی ہے چنانچہ وہ ان میں سے ایک ہو سکتا
تھا۔ لیکن میں نے اپنا خیال اپنے ہی تک رکھا اور اگلی نشست کے نیچے

والا سامان کا صندوق کھولا۔ یہ صندوق پانچ پانچ گیلن پٹرول کے ٹینوں سے بھرا ہوا تھا۔ میں جیک نکال کر کام میں لگ گیا۔

"تم کیوں تکلیف کرتے ہو۔ یہ کام تو میں بھی کر سکتا ہوں" وہ بولا۔

لیکن اس نے میری مدد کرنا یا میرا ہاتھ بٹانے کی ذرا بھی کوشش نہ کی۔ اس کے برخلاف اس نے اپنا پسندیدہ، لمبا اور کالا سگار جلایا اور خاموش کھڑا مجھے مشقت کرتے دیکھتا رہا۔ میں پسینے میں شرابور تھا اور شانے سے بندھا اور بغلی کے قریب لٹکتا ہوا پستول کام میں مائل ہو رہا تھا۔ چنانچہ میں نے چرمی فیتہ کھول کر پستول مع خول الگ کیا اور مرسیڈس کی پچھلی سیٹ پر رکھ دیا۔ چند ثانیوں بعد میں نے اتفاقاً نظریں اٹھائیں تو دیکھا کہ پادری اپنے دائیں ہاتھ میں میرا اینفلڈ پستول لئے کھڑا تھا۔

"احتیاط سے فادر" میں نے اسے خبردار کیا۔ "بندوق بازوں کی اصطلاح میں اینفلڈ کو" اشارہ "کہتے ہیں۔ ذرا سے اشارے سے چل جاتا ہے یہ پستول"

"اس قسم کے حادثے سے بچنے کے لئے" اس نے کہا "پہلے چیمبر کو خالی کیوں نہیں رکھتے؟"

بے حد مناسب مشورہ تھا لیکن حیرت اس بات پر تھی کہ یہ بات ایک پادری کہہ رہا تھا جس کو کسی بھی قسم کے ہتھیار سے دور کا بھی واسطہ نہیں ہوتا۔

"بہت عمدہ" میں نے اپنی حیرت چھپا کر کہا "بشرطیکہ تمہارے پاس فضول وقت ہو۔"

"چنانچہ ثابت ہوا کہ تمہارے پاس فضول وقت نہیں ہے؟"

"اکثر دفعہ نہیں ہوتا"

وہ اب بھی جہاں تھا وہیں ایک ہاتھ میں اینفلڈ اور دوسرے میں خالی خول پکڑے کھڑا رہا۔

"تو تم ہنگامہ پسند تھے" اس نے کہا "میرا مطلب ہے انگریزوں کیلئے" یہ وہ اصطلاح اور وہ زبان تھی جو انگریزی اخبارات استعمال کرتے تھے۔ میں نے اثبات میں سر ہلایا۔

"یونہی سمجھ لو"

"وہاں کی یہ خانہ جنگی بڑی غلیظ چیز ہے" اب اس نے سر ہلایا" میں نے اخبارات میں جو کچھ پڑھا ہے اس کی بنا پر کہہ سکتا ہوں کہ اب آئرش لوگ ایک دوسرے کو اتنے وحشیانہ طریقے سے قتل کر رہے ہیں کہ ایسی بربریت کا ثبوت انگریزوں نے بھی نہ دیا تھا۔ ابھی تین چار مہینے پہلے ہی جمہوریت پسند باغیوں نے خود مائیکل کولنس کو گولی مار دی حالانکہ یہی وہ شخص تھا جس نے انگریزوں کا مقابلہ کیا اور انھیں ملک سے نکالا تھا"

"اور پھر" میں نے کہا" آدھی روٹی سب کو دے کر آدھی روٹی خود لے کر بیٹھ گیا تھا"

"بڑے شعلہ مزاج جمہوری معلوم ہوتے ہو" وہ بولا اور پستول اپنے ہاتھ میں تول کر کہنے لگا" میں پستول وغیرہ کے سے ہتھیاروں سے زیادہ واقف نہیں ہوں لیکن تمھارا پستول ہاتھ میں کچھ ٹھیک سے جچتا نہیں"

"یہ تم نے غلط نہیں کہا"

"مطلب؟"

"میں چپ دست ہوں ــــ یعنی بائیں ہاتھ سے پستول چلاتا اور ہر کام کرتا ہوں ــــ چنانچہ اسی مناسبت سے اس کے دستے میں ذرا سی تبدیلی کر دی گئی ہے"

تاکہ میں اسے ٹھیک سے پکڑ سکوں۔

وہ پھر پستول کا معائنہ کرنے لگا۔ اس حقیقت نے اسے کچھ بے چین کر کے الجھن میں ڈال دیا تھا کہ پستول کی نالی پر نشان لینے کی وہ کمی نہ تھی جیسے وہاں ہونا چاہیے۔

میں اپنے کام کی طرف متوجہ ہو گیا۔ جیک کا دستہ بڑی تندہی سے ہلاتا رہا۔ آہستہ آہستہ کار کا ایکسل اوپر اٹھنے لگا اور تب پادری نے پستول خول میں رکھا، خول کار میں ڈال دیا' اپنا چغہ سمیٹ کر گھٹنوں سے اوپر تک چڑھایا اور میرے قریب گھٹنوں کے بل بیٹھ گیا۔

"کچھ امید ہے؟" اس نے پوچھا

"ذرا ہاتھ بٹاؤ میرا ادھر ابھی معلوم ہو جائے گا۔"

چنانچہ ہم دونوں نے مرسیڈس کو شانہ دیا اور ایڑی چوٹی کا زور لگایا تب کہیں جا کر مرسیڈس نے جنبش کی۔ بڑی کوششوں کے بعد یہ ہوا کہ جیک آگے کی طرف جھکا، گرا اور کار ایک جھٹکے کے ساتھ آگے بڑھ گئی اور آگے بڑھتے وقت اس کا پچھلا پہیہ بڑی سامعہ خراش آواز کے ساتھ پتھر سے ٹکرا گیا۔

پادری اپنا توازن گنوا بیٹھا اور دونوں ہاتھوں پر گرا۔ میں اٹھ کر مرسیڈس کے پیچھے بھاگا اور ہینڈ بریک لگا دیا۔ جب میں گھوما ہوں تو پادری اٹھ کر اپنی ڈاڑھی جھٹک کر دھول جھاڑ رہا اور اسکول کے کھلنڈرے لڑکے کی طرح مسکرا رہا تھا۔

"بڑی واہیات سہ پہر گزری ہے بھائی" وہ بولا۔

"یادگار کہو، یادگار" میں نے کہا "یہ سہ پہر کسی فرحت بخش مقام میں اور کسی دلچسپ کام میں بھی گزر سکتی تھی" میں نے دونوں طرف کے چٹیل اور بے آب اگلتے

بید انوں کی طرف دیکھا۔ دنیا بنا چکنے کے بعد خدا نے یہ علاقہ سب کے آخر میں بنایا ہوگا۔"

پادری اپنا سگار سلگا رہا تھا۔ میری یہ بات سن کر اس کا ہاتھ رک گیا۔ اس میں جلتی ہوئی تیلی تھی اور اس کے بشرے سے حد درجہ سنجیدگی عیاں تھی۔

"چلو تم نے خدا کے وجود کا اقرار تو کیا ان آگ اگلتے ویران میدانوں کے سبب ہی سہی۔"

"ایسی جگہ آنے کے بعد خدا کے وجود سے انکار کرنا اگر ناممکن نہیں تو بہت مشکل ضرور ہے فادر" میں نے شانے اچکائے۔ "ایسی واہیات جگہ خدا ہی بنا سکتا ہے کہ یہ انسانوں کے بس کا روگ نہیں اس کے بعد بھی اگر کوئی خدا کے وجود کا اقرار نہ کرے تو پھر خدا کسی اور جگہ پھنسا کر اپنا وجود منوائے گا۔"

"یہ تو تم نے کچھ عہد نامۂ عتیق کی سی بات کہی ہے۔"

"یعنی"

"اس کی قہاری اور جباری کی صفات سے قائل ہوئے ہو، کریمی اور رحیمی کے نہیں۔"

"خدا کے وجود اور صفات کے متعلق میرا اپنا نقطۂ نظر ہے فادر" میں نے بے رخی سے کہا۔

پادری نے سر ہلایا۔

"ہاں بھائی۔ زندگی کے نشیب و فراز پریشان کن ہیں۔ زندگی بڑی کٹھن گزر سکتی ہے اور گزر رہی ہے چنانچہ محض یقین اور اعتقاد کی بنا پر زندہ رہنا بہت مشکل ہے۔ میں چالیس سال سے اسی طرح زندہ رہنے کی کوشش کر رہا ہوں لیکن تم جانو اس کے علاوہ کوئی چارہ بھی تو نہیں۔"

میں جیک اٹھا کر مرسیڈس کے آگے پہونچا اور ایک بار پھر جٹ گیا۔ پادری دو زائد پہیئے لے کر چلا تھا۔ اس قسم کے ویران اور وحشت انگیز ملک میں اس کی یہ پیش بینی بڑی عقلمندانہ تھی۔

پہیا بدلنے میں صرف پانچ منٹ لگے۔ پادری نے اس دفعہ بھی میرا ہاتھ نہ بٹایا اور نہ ہی ہماری بحث کو آگے بڑھانے کی کوشش کی۔ اس کے برخلاف وہ چند قدم آگے بڑھ کر ایک ٹیلے پر چڑھ گیا اور وہاں سے پہاڑوں کی طرف دیکھتا رہا۔

جب میں نے اسے آواز دی تو اس نے سنا نہیں چنانچہ میں ایک پرانے اور تیل آلود کپڑے کے ٹکڑے سے ہاتھ پونچھتا اس کے قریب پہونچا اور جب میں اس کے قریب پہنچا ہوں تو وہ ایک دم سے میری طرف گھوم گیا اور بے حد اکھڑ آواز میں بولا۔

"تم نے ٹھیک کہا تھا میرے دوست۔ ایسے مقام پہ کسی چیز میں بھی یقین کرنا بہت مشکل ہے۔"

لیکن اب اس قسم کی بحث سے مجھے کوئی دلچسپی نہ تھی۔

"میرے خیال میں اب سب ٹھیک ہے۔ میں نے کہا: اچھا کمار سٹرک پر سے آؤ پھر دیکھتے ہیں۔"

مرسیڈس کے سیلف اسٹارٹر تھا۔ چنانچہ [illegible] انجن شور [illegible] کر بیدار ہو گیا۔ میں اچک کر کار کے پائدان پر کھڑا ہو گیا۔ اور [illegible] کو گھما کر ٹرک [illegible] اور ٹرک کے پیچھے اور اس سے کئی گز دور لے آیا۔

میں نے اس میں سے اپنا پستول اور چرمی خول اٹھا کر شانے سے باندھ لیا۔

"دیکھو! فادر" میں نے کہا "ہر کام آسانی سے ہو جاتا ہے بشرطیکہ تمہاری

زندگی ایک ہی ڈھرے پر اور صحیح راستے پر چل رہی ہو۔

میرا اشارہ اس کے پادری پن کی طرف تھا۔ وہ اشارہ سمجھ کر ہنسا اور میری طرف ہاتھ بڑھا کر بولا :۔

"نوجوان! تم مجھے پسند ہو۔ خدا کی قسم پسند ہو۔ مجھے وان ہورن کہتے ہیں فادر آلیوروان ہورن آف التونا، درمونٹ۔"

"اور میرا نام کوخ ہے۔ میں نے کہا" المیسٹ کوخ۔ درمونٹ میں بہت سے کیتھلک پادریوں کو شوٹ کر دیا گیا ہے چنانچہ وہاں بہت کم پادری ہوں گے۔"

بے اختیار اس کا ہاتھ اس کے ماتھے کے زخم کی طرف اٹھ گیا۔

"سچ کہتے ہو۔ لیکن جہاں تک میری معلومات کا تعلق ہے میں کہہ سکتا ہوں کہ میں تنہا پادری تھا جس نے مغربی محاذ پر اپنی خدمات انجام دی تھیں"۔

"بہت دور آئے ہوئے ہو اپنے وطن سے فادر" میں نے وہی جملہ دہرایا جو اس نے خود میرے متعلق کہا تھا۔

"در اصل میں اپنے بشپ کے حکم سے تحقیقات کی غرض سے یہاں آیا ہوں۔ ہمیں معلوم ہوا کہ میکسکو کے عقبی علاقے میں چرچ کی حالت بے حد خستہ ہے چنانچہ میں یہ دیکھنے آیا ہوں کہ اس سلسلے میں ہم کیا کر سکتے ہیں"

"سنو فادر" میں نے کہا "آج صبح میں نے بوٹیو میں جو یہ کہا تھا کہ یہاں اب بھی ایسے لوگ موجود ہیں جو پادریوں کو خوش آمدید کہتے ہیں تو یہ میں نے مذاق نہ کیا تھا۔ میں ایسے مقامات سے واقف ہوں جہاں کے لوگوں نے پادری کو برسوں سے نہیں دیکھا اور نہ ہی دیکھنا چاہتے ہیں۔ یہ پچھلے مہینے کا واقعہ ہے کہ ایک فرانسیسی پادری نے ہرموسا میں وہ گرجا کھولنے کی کوشش کی تھی جو آٹھ سال سے بند پڑا ہوا تھا۔ جانتے ہو اس کا انجام کیا ہوا؟ لوگوں نے اس پادری کو

ہوٹل کے برآمدے میں پھانسی پر لٹکا دیا۔ میں خود اسے اپنی آنکھوں سے پھانسی کی رسی سے لٹکتے دیکھ چکا ہوں۔"

"اور حیرت ہے کہ تم نے کچھ نہ کیا؟"

"میں اپنے ملک میں پادریوں کو دیکھ چکا ہوں"

"کیا مطلب"

"خون کی ندیاں بہی ہیں، جانیں گئی ہیں اور پادری صاحبان کھڑے دیکھتے رہے ہیں" میں نے کہا۔ "دعاؤں کی کتاب ہاتھ میں لے کر بدبداتے ہوئے آگے بڑھنا تو آسان ہے کیونکہ مرنے والا کوئی اور ہوتا ہے جس کے لئے تم بڑے ٹھنڈے دل سے دعا پڑھتے ہو۔ لیکن مشکلات اور مصائب کے سامنے سینہ سپر ہو کر اس مقصد کے لئے جدوجہد کرنا بہت مشکل ہے جس پر تم یقین رکھتے ہو۔"

خدا جانے کیوں مجھے غصہ آگیا تھا اور مجھے اعتراف ہے کہ یہ سراسر غیر منطقی بات تھی اور اس کا مجھے شدت سے احساس بھی تھا حالانکہ غصہ آنے کا نہ یہ موقع تھا اور نہ محل۔ بہرحال میں غصے میں بھرا ہوا آگے بڑھا اور گھوم کر ٹرک کے آگے پہنچا اور کلپکڑ کر اس کا ہینڈل گھمانے لگا۔ انجن گھڑگھڑانے لگا تو ماں ہونن میرے قریب آیا۔

"معلوم ہوتا ہے میں نے تمہیں غصہ دلا دیا ہے" وہ بولا "چنانچہ اس کے لئے میں معافی چاہتا ہوں۔ موقع بے موقع تبلیغ کرنا میری سب سے بڑی کمزوری بلکہ میرا گناہ ہے لیکن آدمی عادت سے مجبور ہوتا ہے۔ خیر تو میں کوہ سائٹر اس کے اس پار اس بستی میں جانے کا متمنی ہوں جس کا نام گوسپاس ہے اور جو مغربی ساحل پر واقع ہے۔ تم کہاں جا رہے ہو؟"

"چوری کی شراب کے صندوق ہوٹیلا میں ایک شخص کے حوالے کرنے جا رہا ہوں" میں نے کہا۔ "اگر تمہیں پٹرول کی ضرورت ہو تو وہاں سے مل جائے گا۔"

"تو تم آج رات کو ہی وہاں پہنچ جاؤ گے؟"

میں نے نفی میں سر ہلایا۔

"کوئی بیس میل آگے ایک چھوٹی سی جگہ ہے، ہور ریتا۔ پرانے زمانے میں اسٹیج کوچ کا اسٹیشن تھا۔"

"چنانچہ ہماری ملاقات شاید وہاں ہو گی۔"

میں مسکرایا اور ٹرک پر چڑھ گیا۔

"اگر ملاقات ہو تو خدا کے لئے مجھ سے مذہب کی بات نہ کرنا۔"

"یہ تقریباً ناممکن ہے۔" اس نے کہا "تاہم کوشش کروں گا۔ اچھا۔ خدا حافظ و ناصر ہو تمہارا۔"

لیکن اس قسم کے جذبات عرصہ ہوا کہ میرے دل سے ہجرت کر گئے تھے۔ میں نے کوئی جواب نہ دیا اور جلدی سے اپنا ٹرک بھگا دیا۔

دفعتہ شام ہو گئی۔ کوہ سایئرا اس کے پیچھے غروب ہوتا ہوا سورج دن بھر کی جھلسا دینے والی گرمی اپنے ساتھ سمیٹ لے گیا۔ کالے کالے پہاڑوں کے پیچھے افق پر شعلوں کے فوارے سے چھوٹ گئے اور پھر یہ شعلے بھی بجھتے چلے گئے اور پہاڑ اور بھی کالے نظر آنے لگے۔ کالے اور مہیب۔

ٹرک کے عقب میں مرسیڈس دور دور تک نظر نہ آ رہی تھی چنانچہ میں نے حیرت سے سوچا کہ پادری اس وقت کیا کر رہا تھا ان ویرانوں میں عجیب آدمی تھا وہ حالانکہ پادری تھا لیکن خدا جانے کیا بات تھی کہ پادریوں کا سا معلوم ہی نہ ہوتا تھا۔

اندھیرا اترنے سے کچھ پہلے ٹرک ایک چھوٹی سی ڈھلان چڑھ کر چوٹی پر پہنچی تو ہوپیٹا کا اسٹیج کوچ اسٹیشن ڈھلان کے دوسری طرف دکھائی دیا۔ اس کی کھڑکیوں میں روشنی آنکھیں جھپک رہی تھی۔ یہ چپٹی چھت کی ایک چھوٹی سی عمارت تھی جو کم سے کم ڈیڑھ سو سال پرانی رہی ہو گی۔ اس کے چاروں طرف دیوار تھی لیکن اس چہار دیواری کا ٹوٹا حصہ ٹوٹ چکا تھا جو سردوس کے رخ تھا۔

جب میری ٹرک ڈھلان اتر رہی تھی تو آسمان سونے کی تتری کی طرح ہو رہا تھا اور اس کے پس منظر میں لیکٹس اسٹیج پر لگائے ہوئے بیٹھے کے سے معلوم ہو رہے تھے۔ ٹرک میں چہار دیواری کے اندر اور صحن میں لے آیا اور اسے گھما کر انجن بند کر دیا۔ انجن کے خاموش ہوتے ہی وہ آوازیں سنائی دیں جو عمارت میں سے آرہی تھیں۔ گانے بجانے اور ہنسنے کی آوازیں۔ سرائے کے باہر بلیوں سے چھے گھوڑے بندھے کھڑے تھے۔

میں ٹرک سے باہر آیا تو عین اسی وقت سرائے کا دروازہ کھلا اور ایک شخص نظر آیا۔ وہ سر سے ننگا تھا، اس نے منقش جاکٹ پہن رکھی تھی، دو کارتوس پیٹیاں لگا رکھی تھیں جو اس کے سینے پر ایک دوسرے کو قطع کر رہی تھیں اور اس کے ہاتھ میں ایک رائفل تھی۔

"وہیں رک جاؤ اور بتاؤ کہ کون ہو تم" اس نے چیخ کر کہا۔ شراب کے نشے میں اسکی ٹانگیں لڑکھڑا رہی تھیں۔

اس سے پہلے کہ اس کے ساتھی سرائے میں سے دوڑ کر آتے اور یہ سمجھ سکتے کہ کیا ہو رہا ہے میں اسے آسانی سے گولی مار سکتا تھا۔ کیونکہ میں ٹرک کی اوٹ میں اور دور تھا۔ لیکن میں نے ایسا نہ کیا کیونکہ میں نے وہ تمغہ دیکھ لیا تھا جو اس نے اپنے سینے پر آویزاں کر رکھا تھا اور جسے صرف "روڈلس" یعنی

قصبہ کے پولس والے لگاتے تھے۔ یہ وہ لوگ تھے جو لوگوں کے گلے کاٹ چکے تھے اور جو دور دراز کی مسافت طے کر چکے تھے۔

"میں ہوئیلا کے گورنر کے پاس تھوڑا سا مال لے جا رہا ہوں" میں نے کہا "جس کا اجازت نامہ میرے پاس ہے اور اس پر بوٹینو کے چیف کیپٹن ہورٹیز کے دستخط ہیں"

"اندر آؤ" اس نے حکم دیا اور پھر اضافہ کیا "تاکہ ہم تمہیں ٹھیک سے دیکھ سکیں"
عمارت میں وہ تنہا لیمپ روشنی پھیلا رہا تھا جو چھت کے ایک درمیانی شہتیر سے لٹک رہا تھا۔ وہاں چار اور لوگ ایک لمبی اور کھردری چوبی میز پر بیٹھے ہوئے تھے۔ جب میں سرائے میں داخل ہوا ہوں تو ان میں سے دو نے اپنے پستول میری طرف اٹھا رکھے تھے کہ ذرا سی گڑبڑ پر مجھے بے جھجک اور فوراً گولی مار دیں۔

ان لوگوں نے بھی اس شخص کی طرح ہی، جو میرے پیچھے آ رہا تھا، منقش جاکٹ اور اس پر سمارتوس کی پٹیاں پہن رکھی تھیں اور ان کی صورت شکل ایسی تھی کہ اگر ان کے سینوں پر لگے ہوئے تمغے ان کے عہدے ظاہر نہ کر رہے ہوتے تو کوئی بھی شخص انھیں راہزن اور ڈاکو یقین کر لیتا۔

ان کی ظاہری وضع قطع حیرت انگیز طور پر مشترک تھی۔ لمبی اور گھنی مونچھیں، بے منڈی اور بڑھی ہوئی داڑھیاں اور بے چین و مشکوک نگاہیں۔ ان میں صرف ایک شخص ایسا تھا جس نے اپنا سا مبریرو نہ پہن رکھا تھا اور وہی ان کا افسر معلوم ہوتا تھا کیونکہ اس نے پوچھا:۔

"یہ کون سے جانور کو پکڑ لائے"

"میں کچھ مال ہوئیلا کے مسٹر گورنر کے پاس لے جا رہا ہوں" میں نے بوٹینو کے چیف کا اجازت نامہ نکال کر اس کی طرف بڑھا دیا۔ "میرے کاغذات ملاحظہ فرمائیے"

اس نے اجازت نامے پر سرسری سی نظر ڈالی اور مجھے واپس دے کر کہا:۔

"مجھے لوئی ڈیلاگو کہتے ہیں سینور! میرے لائق کوئی خدمت؟"

"آپ فرمائیے" میں نے بڑی شائستگی سے جواب دیا۔

"آج رات یہیں ٹھہرنے کا ارادہ ہے؟"

"بشرطیکہ اس کا انتظام ہو جائے"

"یہ کون سا مشکل کام ہے، کیوں نا شو؟" اس نے سر گھما کر چھوٹے سے بار کے پیچھے کھڑے ہوئے سفید بالوں والے بوڑھے کی طرف دیکھا۔ "سینور آج کی رات یہاں گزارنا چاہتے ہیں۔ انتظام ہو جائے گا نا؟"

بوڑھا نمایاں طور پر خوفزدہ تھا۔ اس نے اثبات میں سر ہلا دیا اور ڈیلاگو نے مجھ سے کہا۔

"یہ سالے دیہاتی میری ایک کھنکھار پر موت دیتے ہیں۔ بزدل سور! سینور! آپ میرے ساتھ ایک آدھ جام پینا پسند فرمائیں گے؟"

بے حد خوش اخلاقانہ دعوت تھی۔ اور پھر میری بہتری بھی اسی میں تھی کہ میں انکار نہ کرتا۔ میں نے وہ جام قبول کر لیا جو اس نے میری طرف بڑھا دیا تھا اور اس کی صحت کا جام پی کر میں بار کی طرف بڑھا۔

بوڑھا شاید بے حد خوفزدہ بلکہ صحیح معنوں میں سہما ہوا تھا۔ اس کی آنکھوں میں ایک خاموش لیکن شدید درخواست تھی جسے میں باوجود کوشش کے سمجھ نہ سکا۔ میں جانتا تھا کہ بڑے میاں ایسے خوفزدہ کیوں تھے کیونکہ مجھے احساس ہی نہ تھا اور نہ ہی مجھے خیال آیا کہ ڈیلاگو اکثر اپنے آدمیوں کے ساتھ سرائے میں گھس آتا تھا۔ یہ اس کا معمول تھا۔

ڈیلاگو نے میز پر دھڑام سے ہاتھ مارا اور چیخ کر کہا۔

"کھانا۔۔۔ بوڑھے خچر، حقیر کیڑے، سوزاک زدہ رنڈی کے جنے۔۔۔

ہمارا کھانا کہاں ہے ؟"

"نامعلوم، خوفزدہ ناشتہ بار کے دوسرے سرے کی طرف تقریباً بھاگا۔ وہاں جو دروازہ تھا، وہ کھلا اور ایک نوجوان لڑکی باورچی خانے سے نکل آئی۔ جیسا کہ مجھے بعد میں معلوم ہوا اس لڑکی کی عمر سترہ سال سے ایک آدھ مہینہ ہی اوپر تھی، لیکن اس کی عمر زیادہ معلوم ہوتی تھی جیسی کہ مخلوط نسل کی لڑکیوں کی معلوم ہوتی تھی اس نے عام سا اسکرٹ پہن رکھا تھا جو اس کے ٹخنوں تک آتا تھا جیسا کہ انڈین لڑکیاں پہنا کرتی ہیں، اس کا بلاؤز بھی انڈین طرز کا تھا اور اس کے بال گھنے کالے اور لانبے تھے جو ایک لمبی اور موٹی چوٹی میں گتھے ہوئے تھے۔

وہ پست قامت تھی۔ یہ اتنے یقین سے میں نے اس لئے کہہ دیا کہ خود میرا قد اس کے قد سے کم سے کم تین انچ نکلتا ہوا تھا اور میرا قد مشکل ساڑھے پانچ فٹ ہوگا۔ کالی آنکھیں، رخساروں کی ہڈیاں نمایاں، قدرے چوڑا دہانہ اور زیتونی رنگت جس نے مجھے اپنی ماں کی یاد دلادی۔ خدا انھیں جنت نصیب کرے۔ وہ خوبصورت نہ تھی اس کے باوجود اس کی طرف سے گھوم جانے کے بعد ایک بار پھر اسے دیکھنے کے لئے طبیعت مچلنے لگی۔ اب یہ میں نہیں جانتا کہ ایسا کیوں تھا؟

اس کا بشرہ ہر قسم کے جذبات سے عاری تھا۔ اس نے میز پر کھانے کی کشتی رکھ دی، جانے کے لئے پلٹی اور ڈیلاگو نے اس کی کمر میں ہاتھ ڈال دیا۔

"جانی! اتنی جلدی کیا ہے۔ ایں؟ کھانے سے پہلے بھوک بڑھانے والی چیز کا دور چل جائے تو کیا حرج ہے ؟"

اور اس نے اپنا دوسرا ہاتھ لڑکی کے ڈھیلے بلاؤز کے گریبان پر ڈال دیا، اسے نیچے کھینچا اور یہ دیکھ کر بجھ سا گیا کہ وہ بلاؤز کے نیچے باڈس پہنے ہوئے تھی۔

ڈیلاگو نے ایک قہقہہ لگایا

"واہ! شریف خاتون بن گئی ہے کیوں؟ ابھی لکھ دیتا ہوں تیری شرافت"

اور لڑکی نے دیوانی بلی کی طرح اپنے ناخنوں سے ڈیلاگو کے چہرے کو نوچنے لگی۔ ڈیلاگو کے چہرے سے خون بہنے لگا۔ ایک ایسا زناٹے کا تھپڑ لڑکی کے چہرے پا جیسے کوئی مرد دوسرے مرد کو مارتا ہے۔ پھر اسے گھسیٹ کر اپنے گھٹنوں پر گرا کر اپنا ایک ہاتھ لڑکی کے اسکرٹ میں ڈال دیا۔

اس کے دوست ہنستے ہنستے بے حال ہو گئے اور جب بوڑھے نا خونے دوڑ کر ڈیلاگو کے اس شغل کو روکنے کی کوشش کی تو کسی نے اسے ایسی بے دردی سے پیچھے ڈھکیل دیا کہ وہ کئی قدم تک لڑکھڑاتا چلا گیا۔ چہرے زور سے دیوار سے ٹکرایا اور فرش پر گرا۔

لڑکی اپنے آپ کو چھڑانے کی دیوانہ وار کوشش کر رہی تھی چنانچہ ڈیلاگو کے دو ساتھیوں نے اس کے دونوں ہاتھ پکڑ لیے اور اسے میز پر چت لٹا کر وہاں ٹانگ دیا۔

وہ نہ چیخی اور نہ ہی اس کے بشرے سے خوف کا اظہار ہوا وہ بس خاموشی سے ہاتھ پاؤں چلا رہی تھی اور صاف ظاہر تھا کہ مرتے دم تک اپنے آپ کو بچانے کی، اپنی عصمت بچانے کی جد وجہد کرتی رہے گی وہ جانتی تھی کہ اس کا یہی انجام ہوگا۔ اس کو یقین تھا کہ کوئی اس کی مدد کو نہ آئے گا۔ حتیٰ کہ میں بھی نہیں۔ کیونکہ جب ہم دونوں کی نظریں چار ہوئی ہیں تو میں نے دیکھا کہ وہ میرے آر پار دیکھ رہی تھی جیسے میرا وجود ہی نہ ہو۔

پورے ایکسکو میں بس ایسا ہی ہو رہا تھا۔ ہفتے کا کوئی دن اس قسم کے واقعہ سے خالی نہ تھا۔ لوگ شاید اس کے عادی ہو چکے تھے یا مجبوری تھے انھیں عادی

بنا دیا تھا۔ لیکن میرے لئے اس منظر کو برداشت کرنا ممکن نہ تھا چنانچہ میں نے اپنا پستول کھینچ لیا حالانکہ یہ میرا ذاتی معاملہ نہ تھا' اور ڈیگولا کی میز پر رکھی ہوئی شراب کی بوتل کی ہزاروں، لاکھوں کرچیاں میز اور فرش پر بکھیر دیں۔ میرا نشانہ بہت کم خطا کرتا تھا

دھماکے کی آواز سے خوفزدہ ہو کر چڑیوں کا جھنڈ بھی اتنی سرعت سے نہ بکھرا ہوگا جتنی سرعت سے وہ لوگ بکھر گئے جو میز کے گرد جمع تھے۔ تنہا ڈیگولا وہاں بیٹھا رہ گیا۔ وہ اپنی جگہ سے ہلا تک نہ تھا۔ اس نے گردن گھما کر میری طرف دیکھا، وہ اب بھی لڑکی کو دبوچے ہوئے تھا اور پرسکون لیکن چوکنا نظر آتا تھا۔

"ذرا صبر سے کام لو سینور" اس نے کہا" اس میں تمھارا حصہ بھی ہے جو باری آنے پر تمھیں مل جائے گا۔ پہلے مجھے فارغ ہو لینے دو"۔

"دوسری گولی تمھاری کھوپڑی کی کرچیاں بکھیر دے گی" میں نے اسے متنبہ کیا" اچھا۔ اب تم سب، سنا تم اپنے دونوں ہاتھ اوپر اٹھا کر بار کی طرف چلے جاؤ۔ چلو۔۔ جلدی کرو"

انھوں نے مجبوراً اس حکم کی تعمیل کی۔ وہ اپنے ہاتھ اوپر اٹھا کر الٹے قدموں آہستہ آہستہ بار کی طرف ہٹنے لگے۔ وہ موقع کے منتظر تھے اور یہ میں جانتا تھا۔

البتہ لڑکی کا ردِ عمل بے حد دلچسپ تھا۔ وہ ایک دم سے میز پر سے اٹھ کر میرے قریب آ کھڑی ہوئی اور میری جاکٹ کا کونا یوں پکڑ لیا جس طرح بچہ اپنی ماں کا دامن پکڑ لیتا ہے۔ اس وقت اس کی حالت اس بھٹکے ہوئے بچے کی سی تھی جس نے کھیڑ میں اپنے کسی عزیز کو پہچان لیا ہو۔

اس اثنا میں ڈیگولا اٹھ کر کھڑا ہو گیا تھا لیکن دیکھ رہا تھا کہ وہ بے حد پریشان اور خوفزدہ تھا۔

"بڑے میاں ۔" میں نے کہا " یکے بعد دیگرے ان سب کے ہتھیار اپنے قبضے میں کر لو۔ ڈرو نہیں۔ اگر کسی نے انگلی بھی ہلائی تو میں ڈیلاگو کے پیٹ میں گولی اتار دوں گا۔"

بڑے میاں نے جیسے میری بات سنی ہی نہیں۔ وہ وہاں تھا وہیں کھڑا مست شرابی کی طرح جھومتا رہا۔ اب میں نے لڑکی کی طرف دیکھے بغیر اس سے پوچھا۔

"نام کیا ہے تمھارا؟"

لڑکی نے کوئی جواب نہ دیا البتہ اس کی گرفت میری جاکٹ پر اور بھی مضبوط ہو گئی۔

ڈیلاگو نے ایک قہقہہ لگایا۔

"اس طرف سے کوئی مدد نہ ملے گی میرے دوست" وہ بولا "کئی برسوں سے اس لڑکی ۔ پیٹل فلاورز نے زبان نہیں ہلائی ہے۔"

میں نے لڑکی کا وہ ہاتھ پکڑ لیا جس سے اس نے میری جاکٹ پکڑ رکھی تھی۔ اور پھر کھینچ کر اپنے سامنے لے آیا۔ اور میں نے دیکھا کہ وہ پرسکون مگر چوکنا تھی۔

"میری بات سمجھتی ہو نا؟" میں نے پوچھا۔

اس نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

"اچھا تو ان لوگوں کی بندوقیں حاصل کر لو۔ گھبراؤ نہیں۔ جو بھی تمھیں کچھ کہنے کی بھی کوشش کرے گا میں اسے گولی مار دوں گا۔"

اس کی کالی آنکھوں کی گہرائیوں میں کچھ ہلچل سی مچ گئی اور اس کے چہرے پر بھی حیرت انگیز تغیر ہوا۔ میں سمجھ نہ سکا کہ یہ کیا تھا۔ بہرحال وہ گھوم کر بڑی بے خوفی سے بار کے قریب کھڑے ہوئے "قانون کے رکھوالوں" کی طرف چل دی۔

عین اس وقت مجھے اپنے پیچھے سے مہیز کی کھنکھناہٹ سنائی دی۔ میں اس طرف دیکھنے کے لئے اپنا سر گھما رہا تھا تو مجھے یاد آیا کہ باہر چھ گھوڑے بندھے تھے اور سرائے میں صرف پانچ رواس تھے جس کا مطلب تھا کہ ان کا ایک ساتھی کہیں باہر تھا۔ لیکن عقل مجھے بہت بعد میں آئی تھی۔ یعنی جب وقت گذر چکا تھا۔ کوئی ٹھوس اور سخت چیز کی ضرب میری کنپٹی پر پڑی۔ اور اس سے پہلے کہ میں کچھ سمجھ سکتا میں ہاتھوں اور گھٹنوں کے بل فرش پر پڑا ہوا تھا۔

پستول میرے ہاتھ میں تھا چنانچہ وہ فرش سے ٹکراتے ہی چل گیا کیونکہ میں کہہ چکا ہوں کہ یہ وہ ہتھیار تھا جسے اشاری کہتے ہیں یعنی چھونے سے بھی یہ پستول چل جاتا ہے۔

پتہ نہیں پھر کیا ہوا۔ ایک ہی لمحے میں بہت کچھ ہوگیا۔ بھگدڑ سی مچی۔ شور ہوا، میری پسلیوں میں ایک زبردست ٹھوکر ماری گئی اور میں نے درد کی ناقابل برداشت ٹیس محسوس کی۔ میں بیہوش نہ ہوا تھا لیکن میرا سر ضرور چکرا گیا تھا اور آنکھوں کے سامنے اندھیرا ضرور چھا گیا تھا۔ اور جب یہ اندھیرا چھٹا تو میں نے اپنے آپ کو اس حال میں پایا کہ میرے ہاتھ پشت پر بندھے ہوئے تھے اور میں گھٹنوں کے بل بیٹھا ہوا تھا۔

ڈیلا کو کہیں سے ایک رسّہ لے کر آیا تھا اور پھانسی کا پھندا بنانے میں مصروف تھا۔ اس نے بڑی شفقت سے میرے گال تھپتھپائے اور پھندا میرے گلے میں ڈال دیا اور اس کا دوسرا سرا گھما کر شہتیر پر پھینکا۔ وہ اس پر سے گزر کر دوسری طرف لٹک آیا۔

اس کے دو آدمی خاموشی سے تڑپتی ہوئی لڑکی کو مضبوطی سے پکڑے ہوئے تھے اور وہ بھاگ کر میرے پیچھے چلے گئے اور انہوں نے رسّے کا لٹکتا ہوا

سر اکھڑ لیا اور تیار کھڑے ہو گئے۔ ڈیلاگو مسکرا رہا تھا۔

" ابتدا میں تو ہم تمہیں ذرا سا ہی لٹکائیں گے کہ مر نہ جاؤ۔ پھر تمہاری نظر کے سامنے ہم اس لونڈیا کے مزے لوٹیں گے۔ یقیناً تمہیں یہ تماشہ پسند آئے گا۔ اس کے بعد۔ آہم ۔۔۔ تمہارے لئے کوئی خاص طریقہ سوچا جائے گا۔ تم چونکہ خاص آدمی ہو اس لئے تمہاری موت بھی خاص طریقے سے ہونی چاہئے "

فوراً ہی پھندا میری ٹھوڑی کے نیچے سرک کر حلق کے عین اوپر پھنس گیا میری گردن ایک جھٹکے سے پیچھے کی طرف جھک کر تکلیف دہ حد تک کھنچ گئی اور میں فرش پر سے اتنا اٹھ گیا کہ اب میرے پیروں کی انگلیوں کی پوریں ہی فرش سے چھو رہی تھیں۔

بوڑھا شو دیوار کے قریب ایک کرسی میں بے جانی سے بیٹھا ہوا تھا۔ اس نے ایک ہاتھ اپنے منہ پر رکھ لیا تھا اور اس کی آنکھیں پھٹ کر حلقوں سے نکلنے کے قریب ہو گئی تھیں۔ ستی کا لڑکی بھی اب ہاتھ پاؤں نہ مار رہی تھی چنانچہ اسے پکڑنے والوں نے اپنی گرفت ڈھیلی کر دی تھی۔ وہ سب مجھے دیکھ رہے تھے اور دم سادھے منتظر تھے۔

عین اسی وقت سرائے کا دروازہ کھلا اور ڈاکٹر۔ وان ہوزن سر جھکا کر دروازے میں داخل ہوا۔

" شام بخیر " اس نے کرخت آواز میں کہا

وہ اپنے دائیں ہاتھ میں ایک چرمی بیگ لئے ہوئے تھا اور اپنے پرانے اور خاک آلود جوتے، بڑی چھجے والی ہیٹ، داڑھی دار چوڑے چکلے چہرے کی وجہ سے مضحکہ خیز معلوم ہو رہا تھا۔ حسب معمول ایک سگار اس کے منہ میں دبا ہوا تھا۔

" ہم۔ م۔ م۔ معلوم ایسا ہوتا ہے مسٹر کوغ کہ تم کچھ تھوڑی سی مصیبت میں پھنس گئے ہو" وان ہوزن نے کہا۔

ان لوگوں نے، جو رستے کا دوسرا سرا پکڑے کھڑے تھے، اس سے بیرت کے اپنی گرفت ڈھیلی کر دی تھی چنانچہ اب میں سانس لے سکتا تھا۔

"یوں سمجھ لو فادر کہ میں یونہی بیکار کھڑے کھڑے بیزار ہو رہا تھا چنانچہ زندگی میں ذرا سا نیا پن پیدا کر لیا" میں نے جواب دیا۔

ڈیاگو ایک ہی سیکنڈ میں اپنا پستول نکال چکا تھا۔ اس نے ہاتھ بڑھا کر لڑکی کو گولی کے راستے میں سے ہٹا دیا۔

"کون ہو تم؟" وہ گرجا۔ "ملک کے اس حصے میں ہمیں کسی پادری کے آنے کی اطلاع نہیں ملی اور نہ ہی ہمیں پادری کی ضرورت ہے۔"

"ظاہر ہے کہ نہ ملی ہو گی" وان ہوزن نے بڑے سکون سے کہا۔ "اب اگر اجازت ہو تو میں یہ کہوں کہ اس شخص کو چھوڑ دو۔"

ڈیاگو شیطنت سے مسکرایا۔

"کوشش کر دیکھو۔ لیکن یہ بتا دوں کہ تم مجھے غصہ دلا دو گے۔ مجھے یاد ہے کہ کئی برسوں سے میں نے کسی پادری کو پھانسی نہیں دی چنانچہ اس گرنگو کے ساتھ تمہیں بھی پھانسی دے دینے کی آرزو میرے دل میں کروٹیں بدلنے لگے گی۔"

"اگر ایسا ہو تو بہت برا ہو گا" وان ہوزن نے کہا۔

"تمہارے لئے، میرے لئے نہیں۔ اچھا۔ اب اپنے کاغذات لاؤ۔ اور جلدی کرو۔ ہمارے پاس فضول وقت نہیں ہے۔"

"جو حکم سینیور۔"

وان ہوزن نے اپنا چرمی بیگ میز پر رکھ دیا اور جیب میں سے ایک کنجی برآمد کی۔

"مسٹر کرنغ!" اس نے کہا۔ "خاکساری بڑی عمدہ چیز ہے۔ بہت سی مشکلات خاکساری سے ٹل جاتی ہیں۔ اگر آدمی پیٹ کے بل لیٹ کر اپنے آپ کو ذلیل کرنے لگے تو بعض

اوقات وہ بہت سے گناہوں کا کفارہ ادا کر دیتا ہے۔ تم سمجھے میری بات ؟

میں کچھ نہ سمجھا تھا اور اس وقت تک میری سمجھ میں کچھ آیا بھی نہیں جب تک کہ دان ہوزن نے اپنا چرمی بیگ نہ کھول لیا۔

غالباً آپ بھی کچھ نہ سمجھے ہوں گے۔ ڈیلاگو نے دان ہوزن سے اس کے کاغذات طلب کئے تھے چنانچہ اس نے بڑی خاکساری کا ثبوت دیتے ہوئے اپنا چرمی بیگ کھولا۔ اس میں سے بجلی کی سی تیزی سے تھامپسن مشین گن نکالی اور ڈیلاگو کی کھوپڑی صاف اڑا دی

تیسرا باب

سب کچھ چشم زدن میں ہو گیا۔

ان دونوں نے، جو رسہ کھینچ کر مجھے لٹکانے کے لئے تیار کھڑے تھے، رسہ چھوڑ دیا اور ان کے ہاتھ پستولوں کی طرف لپکے جو ان کے پہلو میں اڑسے ہوئے تھے۔ لیکن اب اس کا وقت گزر چکا تھا۔ میں راستے سے ہٹنے کے لئے ایک دم سے آگے کی طرف یوں گرا کہ میں نے گرتے وقت لڑکی کی ٹانگیں بھی گھٹنوں کے ذرا اوپر سے پکڑ لیں۔ اور اسے بھی اپنے ساتھ فرش پر گرا لیا اور دان ہوزن نے تینوں روڈالس کی خبر لے ڈالی۔ مشین گن کی وزنی گولیاں جب ان کے لگی ہیں تو وہ نہ صرف چکر کھا گئے بلکہ اچھل کر دیوار سے بھی ٹکرائے اور پھر ڈھیر ہو گئے۔

دان ہوزن یقیناً مشین چلانا جانتا تھا بلکہ اس کا ماہر معلوم ہوتا تھا۔ تھامپسن گن پر میگزین کا گول ڈرم لگا ہوا تھا اور وہ برابر گولیاں چلا رہا تھا اور مشین گن کو نہ کمرے میں اٹھا سے باہر نیم دائرے میں گھما رہا تھا۔

بار کے پیچھے دیوار میں لگے ہوئے آئینے کی کرچیاں اڑ گئیں، اور ان دو روڈالس کے

پیچھے، جو اب تک زندہ تھے اور پناہ لینے کے لئے باورچی خانے کی طرف بھاگے جا رہے تھے، سرائے کا فرش ادھڑ گیا۔

ان دونوں میں سے جو آگے تھا وہ باورچی خانے میں گھس گیا اور وہ بھی محض اس لئے کہ اس کے ساتھی نے اس کے لئے ڈھال کی خدمات انجام دیں۔ پیچھے والے کی پشت کو مشین گن کی گولیوں نے چھلنی کر دیا۔ اور وہ لڑکھڑا کر سر کے بل باورچی خانے میں اس حالت میں گرا کہ اس کی جاکٹ کی دھجیاں اڑ گئی تھیں اور ان میں آگ لگ گئی تھی۔

سرائے کا عقبی دروازہ دھڑ سے کھلنے کی آواز آئی۔ یہ ڈیگولا کا وہ تنہا ساتھی تھا جو اپنی جان بچا کر لے جانے میں کامیاب ہو گیا تھا۔

ڈان ہوزن مشین گن لے کر اس کے پیچھے بھاگا۔

لڑکی میرے قریب سے ہٹ کر اور ذرا سی لڑکھڑا کر اٹھی اور بیٹھ گئی۔

میں بھی بڑی کوششوں کے بعد کیونکہ میرے ہاتھ پشت پر بندھے ہوئے تھے اٹھ کر بیٹھنے میں کامیاب ہو گیا۔

"کہیں چوٹ تو نہیں آئی؟" میں نے لڑکی سے پوچھا۔

اس نے سر ہلایا، ڈیگولا کی لاش کو لڑھکا کر چت کیا، اس کے چغے میں سے چاقو کھینچا اور میرے بندھن کاٹ دیئے۔ میں نے اپنے گلے میں سے پھندا نکالا تو معلوم ہوا کہ گردن پر کی ایک طرف کی کھال کو کھردرے رسّے نے پھاڑ دیا تھا۔ میں وہاں جلن محسوس کر رہا تھا۔

لڑکی اس زخم کا معائنہ کرنے لگی۔ اس کے بشرے سے اب بھی کسی قسم کے جذبات کا اظہار نہ ہو رہا تھا۔ پھر وہ اٹھی اور بھاگتی ہوئی باورچی خانے میں گھس گئی۔

سرائے کے باہر دفعتاً ایک گھبرا ہوا سرپٹ بھاگتا ہوا ایک نعرہ سنائی دیا اور اس

کے فوراً بعد مشین گن کی تڑ تڑاہٹ سنائی دی۔

میں اٹھ کر کھڑا ہو گیا اور میں نے چاروں طرف دیکھا۔ فرش پر خون ہی خون تھا اور فضا بارود اور جلتے ہوئے گوشت کی بو سے بوجھل تھی جیسے سرائے کا یکرو جہنم میں قصاب کی دکان ہو۔ ٹاشو بار کے پیچھے تھا اور ٹمبلر میں ٹاکولا شراب انڈیل رہا تھا۔ اس کے ہاتھ بری طرح سے کانپ رہے تھے۔

میں نے ہاتھ بڑھا کر بوتل اور گلاس اٹھا کر اپنے لئے بھر لیا پہلے کبھی میں نے ایسی تیز شراب نہ پی تھی۔ شراب کیا تھی خالص الکحل تھا۔ تاہم یہ میرے اعصاب کو سکون بخشنے میں کامیاب ہو گئی۔

"بہت اچھی نہیں ہے" میں نے کہا۔

ٹاشو کا چہرہ اترا ہوا تھا اور اس سے مایوسی ٹپک رہی تھی۔

"پولیس کو بتانا کو روائس کو بھی مار دینا کوئی اچھی بات نہیں ہے" اس نے کہا۔ "اور یہاں سے ہوٹیلا تک وفاقی گھوڑ سوار سپاہی بکھرے ہوئے ہیں۔ یہ بہت برا ہوا ہے۔ پچھلے ایک عرصہ سے اس علاقے میں بڑے مظالم اور خون خرابے ہو رہے ہیں"

لڑکی باورچی خانے سے باہر آئی تو اس کے ہاتھ میں مٹی کا مرتبان تھا اور اس میں کسی قسم کا مرہم تھا۔ وہ جب یہ مرہم میری گردن میں مل رہی تو اس کے ماتھے پر فکر کی سلوٹیں تھیں۔ اس کی انگلیوں کا لمس محسوس ہوا پھر اس نے اپنے پیٹی کوٹ سے ایک دھجی پھاڑ کر میری گردن پر لپیٹ دی۔

میں نے اس کے گال تھپتھپائے۔

"اب ٹھیک ہے۔ شکریہ" میں نے کہا۔

اب وہ پہلی دفعہ مسکرائی، عجیب نظروں سے ٹاشو کی طرف دیکھا اور اٹھ کر

باورچی خانے میں چلی گئی۔

"تمہاری بیٹی ہے؟" میں نے ٹاشو سے پوچھا۔

اس نے نفی میں سر ہلایا۔

"سینور! اس کا نام بلبونا ہے۔ دکٹوریہ بلبونا۔ اس کے باپ کی یہاں سے قریب ہی جائداد اور مکان تھا اور میں اسی کے وہاں کام کرتا تھا۔ پانچ سال پہلے جنگ کے دوران اسے جلادیا گیا۔ بلبونا کا باپ اور ماں بھی اسی آگ میں جل مرے بلبونا نے یہ سب کچھ اپنی آنکھوں سے دیکھا۔ اس وقت اس کی عمر بارہ سال کی تھی۔ بچی تھی بچاری۔ چنانچہ اسے کچھ ہو گیا۔ بے حد عجیب کچھ ہو گیا۔"

"کیا مطلب ہے؟"

"یہاں ۔۔۔ اس کے دماغ میں سینور" ٹاشو نے اپنے ماتھے پر شہادت کی انگلی بجائی۔" اس دن سے لے کر آج تک وہ کچھ بول نہیں سکی۔ زبان ہی بند ہو گئی اس کی۔"

برآمدے میں سے پیروں کی چاپ سنائی دی اور دوسرے ہی لمحے ژوان جوزت اندر آگیا، سگار اب بھی اس کے دانتوں میں دبا ہوا تھا اور شین گن اس کی بغل میں۔

"کیا ہوا؟" میں نے پوچھا۔

"ہوا یہ کہ وہ سالا بھاگ گیا۔"

یہ ایسا تھا جیسے کہ چند دفعتہ اتر گیا تھا اور اس کے نیچے سے ایک مختلف، سراسر مختلف انسان ظاہر ہوا تھا۔ اس میں عجیب تبدیلی آگئی تھی۔ اس کے چلنے کا انداز بدل گیا تھا، آواز بدل گئی تھی، لہجہ بدل گیا تھا اور بشرے سے کرختگی اور خشونت عیاں تھی۔ یہ ایک دوسری ہی زبردست، غصہ ور اور خوفناک شخصیت تھی جسے کسی مقصد کے

تحت پادریوں کے چوغہ میں چھپا لیا گیا تھا۔

اس نے دھڑام سے مشین گن میز پر رکھ دی اور ماشو کی طرف چٹکی بجا کر کہا۔

"بوتل دو مجھے۔ جلدی کرو کیسی بھی شراب ہو گی چلے گی۔ جو کچھ ہو گیا اس پر غور کرنا ہے"۔

میرا پستول ڈیلاگو کے پٹکے میں اڑسا ہوا تھا۔ چنانچہ میں نے وہ اپنے قبضے میں کر لیا، اس کا چیمبر چیک۔ اور پھر سراسر میکانکی طور پر اسے خول میں رکھ لیا۔ میں نے ڈیلاگو کی لاش کو اپنے پیر سے لڑھکا کر کہا۔

"فادر! تم نے مغربی میدان پر بہت کچھ سیکھا ہے۔ کیوں؟"

"بیٹے!" اس نے اپنا زبردست پنجہ میرے شانے پر رکھ کر بے حد سنجیدگی سے کہا "میں ایک اعتراف کرنا چاہتا ہوں۔ یہ لوگ کہ ہر دو چیز بالکل ہی ایسی نہیں ہوتی جیسی کہ اسے آنکھ دیکھتی ہے"۔

"ممکن بعض اوقات ایسی ہی ہوتی ہے"۔

وہ ہنسا۔ اپنی وہی کرخت اور مخصوص ہنسی۔

"خیر بھائی۔ مناسب وقت پر میں تمہیں بتا دوں گا جو بتانا ہے" وہ بولا۔ "اس وقت تو ایک دوسرا ہی مسئلہ درپیش ہے اور بڑا الجھا ہوا ہے یہ۔ وہ سالا، جو بھاگ گیا ہے، اپنے دوستوں کے پاس کب تک پہنچ جائے گا؟"

"ماشو کا کہنا ہے کہ یہاں سے لے کر ہوشیلا تک وفاقی گھوڑ سوار بکھرے ہوئے ہیں اور ایک عرصے سے اس علاقے میں بڑی گڑبڑ مچی ہوئی ہے۔ آ۔ ہاں۔ تو تم نے جو یہ کہا تھا راستے میں کہ تم کوہ سائرا کے اس پار جانے کے متمنی ہو تو اسی گڑبڑ کی طرف اشارہ تھا تمہارا؟"

"ہاں۔ گوہاس ہے اس بستی کا نام۔ میرے ایک دوست نے بتایا ہے کہ

وہاں شرق الہند کے جزائر کی طرف سے ناریل بھر کر تجارتی جہاز آتے رہتے ہیں اور میرے خیال میں اس لعنتی ملک سے نکلنے کا آسان طریقہ یہی ہے۔"

"اور تم فادر یہاں سے اسی طرح نکلنا چاہتے ہو؟ یعنی چوری چھپے؟"

"یونہی کہہ لو۔ میں نقشہ لے کر آتا ہوں"

اور وہ اٹھ کر باہر چلا گیا جہاں اس نے مرسیڈیس پارک کی تھی۔ اس عرصہ میں وہ لڑکی، جس کا نام بلبزا دکسٹورہ بتا تھا ایک کشتی میں گرما گرم کافی کی کیتلی اور چند کپ رکھے ہا باورچی خانے سے نکل آئی۔ جب اس نے کپ بھرے اور کافی دینے لگی تو سب سے پہلا کپ اس نے مجھے دیا۔ خدا جانے کیوں اس کی اس حرکت نے مجھے کچھ بے چین سا کر دیا۔

وہ بار کے سرے پر کھڑی اپنی کالی آنکھوں سے اور بڑی سنجیدگی سے میری طرف دیکھ رہی تھی۔ اس کی سنجیدگی کا یہ عالم تھا کہ جب میں اس کی طرف دیکھ کر مسکرایا تو اس وقت بھی سنجیدہ ہی بنی رہی۔ وہ ایک وفادار کتیا کی طرح اپنے آقا کے حکم منتظر کھڑی رہی۔

وان ہوزن جنوبی امریکہ کا ایک جہازی نقشہ لئے آیا اور پھر اس نے یہ نقشہ بار کے کاؤنٹر پر بچھا دیا۔

"جنوب، شمال اور مشرق کی طرف جانے کا تو کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا" اس نے کہا" کیونکہ چند گھنٹوں میں ہی یہاں والے چاروں طرف تار کے ذریعہ خبر بھیج دیں گے اور یہ خبر ہم سے پہلے ہی ہر طرف پہنچ جائے گی"

"چنانچہ اب صرف پہاڑوں کا راستہ باقی رہ جاتا ہے" میں نے نقشے پر پھیلا جانے والے راستے پر اپنی شہادت کی انگلی دوڑائی" یہی محفوظ اور بہترین راستہ نظر آتا ہے۔ پہاڑوں سے گذرتا ہوا یہ راستہ ہومیلا سے کوئی چالیس میل اوپر

پھٹ کر ساحل کی طرف چلا جاتا ہے ۔ یہ شاخ بھی یقیناً محفوظ ہوگی "

" ہم اتنی دور تک نہیں جا سکتے ۔ کم سے کم مشکلات میں پھنسے بغیر نہیں جا سکتے "

" ہم ؟ یعنی تم مجھے بھی اپنے ساتھ شریک کر رہے ہو ؟ "

" اور کوئی چارہ رہ گیا ہے تمھارے لئے ؟ اگر ان لوگوں نے تمھیں پکڑ لیا تو بہر حال تمہیں پھانسی پر لٹکا دیں گے ۔ اس کے علاوہ ایک سے دو بھلے ہوتے ہیں "

دوسرے لفظوں میں یوں کہا جا سکتا ہے کہ دان ہوزن کو میری ضرورت تھی ۔ اس کی اس تجویز کی وجہ میری سمجھ میں ایک لمحے بعد اس وقت آئی جب اس نے عزم سے نقشے پہ ہاتھ مار کر کہا :

" خدا کی قسم کیا نظارا ہے ۔ مجھے کیا پڑی تھی کسی کے پھٹے میں پاؤں اڑانے کی ؟ یہ خیال مجھے بہت پہلے آیا تھا ۔ لیکن میں نے کچھ کہا نہیں ۔ اور یہ ٹاشو تھا جس نے اب زبان کھولی ۔ وہ نقشے پر جھک گیا اور اپنی کمزور اور نزدیک بیں نظر اس پہ دوڑا کر بولا ۔

" ایک دوسرا بھی راستہ ہے پہاڑوں میں سے گزرنے کا اور وہ ہے درۂ لوناوا کا بہت خراب اور دشوار گذار راستہ ہے اور بہت کم مسافر اسے استعمال کرتے ہیں لیکن انقلاب کے زمانے میں امریکی سپاہی ساحل سے ٹرکوں میں ہتھیار بھر کر اسی راستے سے لائے تھے ۔ اور جہاں تک میری معلومات کا تعلق ہے میں کہہ سکتا ہوں کہ اس کے بعد سے اس راستے کو استعمال نہیں کیا گیا :

" ٹاشو کا مشورہ بظاہر مناسب معلوم ہوتا ہے " دان ہوزن نے کہا " اور اگر ٹاشو جو کچھ کہہ رہا ہے ۔ وہ سچ ہے تو پھر وہ سالے ہمیں اس راستے پر تلاش نہ کریں گے "

" لیکن پیٹرول کا کیا ہوگا ؟ "

" ٹنکی میں تقریباً پچاس گیلن پٹرول بھرا ہوا تھا اور زائد پٹرول الگ سے ہے

اس کے علاوہ آلات کے بکس میں پانچ پانچ گیلن کے ٹینوں میں مزید پچاس گیلن پٹرول بھرا ہوا ہے اور میں سمجھتا ہوں کہ ساحل تک پہنچنے کے لئے پٹرول کا اتنا ذخیرہ کافی سے زیادہ ہے:

میں نے ایک بار پھر نقشے میں دیکھا کوئی پندرہ میل کا فاصلہ ہمیں ہوٹیلا جانے والے راستے پر ہی طے کرنا تھا۔ اس کے علاوہ کوئی چارہ نہ تھا۔ اس کے بعد ہمیں مڑکر پہاڑیوں میں گھسنا تھا اور اس راستے جانا تھا جو ایک پرانا، ناہموار اور پتھروں کا راستہ تھا۔

"وان ہوزن! ہم ہیڈ لائٹ جلائیں یا بند رکھیں" میں نے کہا "بہر حال یہاں ہم رات کے اندھیرے میں ایک نہ ایک مصیبت میں پھنس جائیں گے۔"

"تو پھر تمہارا کیا مشورہ ہے کہ ہم کیا کریں؟ یہاں چوتڑوں پر صبح تک بیٹھے رہیں کہ صبح سپاہی آکر ہمیں پکڑ لیں یہ ذرا عقل سے کام لو کونرخ۔ یہ کیا بچوں کی سی باتیں کر رہے ہو۔ بے شک ہمارا انجام یہ ہو سکتا ہے کہ سواری سمیت کسی کھڈ میں جا پڑیں یا اپنی کار کسی گہری گھاٹی کے کنارے تک لے جائیں لیکن اس کے علاوہ اور کوئی راستہ ہے؟ چنانچہ چلو اسی وقت روانہ ہو جاتے ہیں۔"

اس نے نقشہ لپیٹ کر بغل میں دبایا، ٹاکولا کی بوتل اٹھائی اور باہر نکل گیا۔

"وان ہوزن سچ کہتا ہے" میں نے ٹاشو سے کہا "یہاں ٹھہرنا حماقت ہے"

میں جانے کے لئے پلٹا تو بلبوناد کٹوریہ نے میرا بازو پکڑ لیا۔ اس کی آنکھوں نے کچھ کہنے کی کوشش کی" اس کا منہ کھلنے اور بند ہونے لگا۔ اس کے بشرے سے کچھ ظاہر تھا۔

"کیا بات ہے وکٹوریہ؟" میں نے پوچھا۔

"سینور! میرے خیال میں یہ بھی آپ کے ساتھ جانا چاہتی ہے۔" ٹاشو نے کہا۔

میں وکٹوریہ کی طرف گھوما تو اس نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ میں نے اس کے دونوں شانے پکڑ کر اسے جھنجھوڑ دیا۔

"یہ سراسر حماقت ہے وکٹوریہ! کیا کروں گا میں تمہارا؟ کہاں جاؤ گی تم؟ میں تو اپنی جان بچانے کے لئے بھاگ رہا ہوں۔ صحیح معنوں میں بھاگ رہا ہوں۔"

اس نے میرے دونوں ہاتھ بے تابی سے پکڑ لئے۔ اس کی آنکھیں گڑگڑا رہی تھیں میں نے نفی میں سر ہلا کر کہا۔

"نہیں۔ یہ نہیں ہو سکتا۔"

اور کسی چیز نے اس کا ساتھ چھوڑ دیا۔ میں یقین سے کہہ نہیں سکتا کہ کیا چیز تھی وہ۔ شاید اُمید تھی یا شاید کوئی ایسی چیز جو اس کے لئے امید سے بھی زیادہ اہم تھی۔ کوئی حیاتی جوہر، جو ہم سب میں ہوتا ہے اس نے میرے ہاتھ چھوڑ دیئے وہ گھوم گئی۔ اس کے شانے ایک دم سے جھک گئے تھے۔

"سینیور!" ٹاشو نے کہا۔

"کیا ہے؟"

"ایک طرح سے یہ لڑکی بھی بھاگ ہی رہی ہے ابھی اس کی عمر ہی کیا ہے؟ لیکن اس عمر میں بھی وہ بہت سی اداس باتیں، بُری باتیں دیکھ چکی اور مصائب سے گزر چکی ہے۔ بلبونا خاندان کا نام تھا اس علاقے میں اور اس کا باپ بڑا امیر تھا۔ لیکن اس نے ایک بہت بڑا گناہ کیا جو شریف خاندانوں نے کبھی نہ کیا تھا۔ اس نے ایک ریڈ انڈین عورت سے شادی کی وہ یاکوئی قبیلے سے تھی۔ اس قبیلے سے جو پہاڑوں کے اُس پار دریائے ینڈ کے علاقے میں بسا ہوا ہے چنانچہ اس کے، یعنی وکٹوریہ کے باپ کے خاندان نے اپنے اس فرزند کو کبھی معاف نہ کیا۔"

"تو اس لڑکی کا کوئی نہیں ہے؟"

"یہاں کوئی نہیں ہے لیکن پہاڑوں کے اُس پار، جہاں اس کی ماں پیدا ہوئی تھی، معاملہ مختلف ہوگا۔

"بہت اچھا" میں سمندر اس سے ہوں" یا نقدہ کے لکھنے کے سامنے سر جھکاتے ہوئے کہا" میں تمھیں صرف دس منٹ دیتا ہوں۔ اپنی چیزیں لے آؤ۔"

وکٹوریہ نے سر گھما کر اپنے شانوں پر سے ایک دفعہ میری طرف دیکھا اور باورچی خانے میں گھس گئی۔

"سینور!" ٹاشو نے کہا" بعض دفعہ بادلوں میں سے جھانک کر دیکھ لیتا ہے۔

"میرا تجربہ تو کچھ اور ہے ٹاشو" میں نے کہا" اچھا۔ اب یہ بتاؤ کہ تمھارا کیا؟ فاتی تمھارے ساتھ کیا سلوک کریں گے؟"

"میری حیثیت تو ایک معصوم تماشائی کی سی ہے جس کو خواہ مخواہ مالی نقصان برداشت کرنا پڑا ہے۔" اس نے کہا" اس کے علاوہ مجھ جیسا بوڑھا آدمی جا بھی کہاں سکتا ہے؟"

باہر سے مرسیڈس کے ہارن کی بے تابانہ آواز سنائی دی اور اس کے ایک ہی لمحے بعد وکٹوریہ باورچی خانے کے دروازے میں نمودار ہوئی۔ اس کے ہاتھ میں چھوٹی سی گٹھری تھی اور اونی شال اس کے شانوں پر پڑی ہوئی تھی۔

"سینور! خیال رکھنا اس کا" جب میں وکٹوریہ کو دروازے کی طرف لئے جا رہا تھا تو ٹاشو نے پکار کر کہا" آج سے وہ تمھاری حفاظت میں ہے۔"

یہ بڑا ہی پریشان کن خیال بلکہ صورت حال تھی کہ اپنے علاوہ ایک دوسرے انسان کی ذمہ داری مجھ پر بھی آپڑی تھی۔ لیکن اب کچھ نہ ہو سکتا تھا۔ آگے بڑھایا ہوا قدم پیچھے ہٹانا ممکن نہ تھا۔

مرسیڈس کے قریب پہنچ کر میں نے وکٹوریہ کے ہاتھ سے گٹھڑی لے کر کار کی پچھلی سیٹ پر پھینک دی۔

"یہ کیا الغڑا ہے؟" دازن ہوزن غرایا۔

"لڑکی ہمارے ساتھ جا رہی ہے" میں نے اسے مطلع کیا۔

"میری لاش پر سے گزر کر جا سکتی ہے"

"اس کا بھی انتظام ہو جائے گا" میں نے تلخی سے کہا۔

میں نہیں جانتا کہ دوسرے ہی لمحہ کیا ہو جائے گا چنانچہ میرے ہاتھ نے جاکٹ کے گریبان میں داخل ہو کر پستول کا دستہ پکڑ لیا تھا۔

لیکن حیرت ہے کہ دان ہوزن ایک دم سے نرم پڑ گیا۔

"خیر — بٹھا دو سالی کو پچھلی سیٹ پر اور اب چلو یہاں سے میں کسی بھی وقت تمہاری کھوپڑی توڑ سکتا ہوں۔ چنانچہ فی الحال اس کی کوئی جلدی نہیں ہے"۔

میں نے وکٹوریہ کو پچھلی سیٹ پر بٹھا دیا، میں خود دان ہوزن کے قریب اگلی سیٹ پر بیٹھ گیا۔ اور ہم روانہ ہو گئے۔

وہ پندرہ میل کا سفر جو ہوشیلا کی سڑک پر کیا گیا دشوار گزار نہ تھا چنانچہ یہ فاصلہ ہم نے کوئی تیس منٹ میں طے کر لیا۔ سڑک کی حالت اور اندھیرے کے مد نظر یہ واقعی دان ہوزن نے ڈرائیونگ میں حیرت انگیز مہارت کا ثبوت دیا تھا۔

لیکن پندرہ میل طے کرنے اور موٹر مڑتے ہی دقتیں آغوش کھولے سامنے کھڑی تھیں۔ ان کی ابتدا اس سے ہوئی کہ راستہ تلاش کرنے میں ہی آدھا گھنٹہ

لگ گیا۔ اب آپ سمجھ سکتے ہیں کہ کتنا دھندلا اور خراب ہوگا وہ ۔ اور جب ہم اس راستے پر چلے ہیں تو مجھے احساس ہوا کہ ہم مشکلات میں تھے ۔

کچھ نظر ہی نہ آتا تھا حالانکہ کار کی ہیڈ لائٹس پوری شدت سے روشن تھیں ۔ معلوم ایسا ہوتا تھا کہ ہم خاردار جھاڑیوں اور کیکٹس کی دھندلی بھول بھلیاں میں گھس پڑے تھے ۔ بھوتیا علاقہ معلوم ہوتا تھا یہ ۔ اندھیرا اور مہیب ہماری کار کچھ دیر تک اس بھوتیا علاقے میں اس طرح آگے بڑھتی رہی کہ ایک گھنٹے میں بمشکل پانچ دس میل طے کرتی تھی ۔ دو دفعہ یہ وان ہارن کی مہارت اور موقع شناسی تھی جس نے کار کو گہرے اور خشک نالوں میں گرنے سے بچا لیا۔ آخر کار اس نے کار روک لی، انجن اور لائٹس بند کیں اور مجھ سے کہا۔

"تو تمہارا خیال صحیح اور میرا غلط تھا۔ میں تو یہ بھی نہیں جانتا کہ ہم راستے پر بھی ہیں کہ نہیں۔ چنانچہ اب ہم صبح ہی آگے روانہ ہوں گے ۔

میں نے گھوم کر وکٹوریہ کی طرف دیکھا ۔

"کیا حال ہے ؟" میں نے پوچھا۔

اس نے آگے جھک کر اپنے ہاتھ سے میرا ہاتھ دبا دیا۔

"اب میں پوچھ سکتا ہوں کہ تم نے اسے ساتھ کیوں لیا ؟" وان ہارن نے پوچھا۔ "اس کے بغیر تمہاری زندگی ادھوری رہ جاتی یا تم اس کے بغیر رہ نہیں سکتے؟"

"اگر میں اسے چھوڑ آتا تو منافق اس کی ماتحتوں کے قطار بنا کر کھڑے ہو جاتے اپنی باری کے انتظار میں ۔"

"اگر اس کے ساتھ یہ واقعہ وہاں نہیں ہوتا تو کسی اور جگہ ہوگا" وان ہارن نے کہا۔ "چنانچہ اسے ساتھ لانے سے کیا نتیجہ نکلا ؟"

"اس کی ماں کے جان پہچان والے پاس کا قبیلہ پہاڑ کے دوسری طرف رہتا

وہ لوگ اسے پناہ دیں گے اور اس کی زندگی بن جائے گی۔ یاکوئی لوگوں میں بڑا زبردست بھائی چارہ اور قرابت داری کا پاس ہے۔ چنانچہ وہ اسے نکال نہ دیں گے اپنے یہاں سے؟

اس وقت وہ سگار سلگا رہا تھا۔ میری بات سُن کر وہ ایک دم سے میری طرف گھوم گیا اور حیرت سے میری صورت تکنے لگا۔ ہتھیلیوں کے فانوس میں پکڑی ہوئی تیلی اب بھی جل رہی تھی۔

"کیا کہا تم نے؟ یہ لڑکی یاکوئی ہے؟"

"اس کی ماں یاکوئی تھی اور باپ ایک شریف، امیر اور جاگیردار خاندان سے تھا؟"

"بیٹے! اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ یہ لڑکی بہرحال یاکوئی ہے اس کا گوشت و پوست اور خون حتیٰ کہ ہڈیاں تک یاکوئی ہیں۔ اور غالباً تم نہیں جانتے تھے کہ یاکوئی لوگ بڑے خطرناک ہوتے ہیں اپاچی لوگوں سے بھی زیادہ خطرناک۔ بستر میں اگر پہلی ہی رات کو تم نے اسے خوش نہ کیا تو وہ چاقو سے تمہیں ہمیشہ کے لیئے نامرد کر دے گی۔"

"یہ میرا معاملہ ہے چنانچہ تمہیں فکر کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔"

"چونکہ ہم دونوں ساتھ ہیں اس لئے لامحالہ یہ میرا بھی معاملہ بن جاتا ہے۔ دوسری طرف پہنچتے ہی، بہتر ہوگا کہ تم اس سے نجات حاصل کر لو۔"

"یہ ہم وہاں پہنچ کر دیکھیں گے۔"

"یقیناً دیکھیں گے" اور پھر اس الجھانے والے طریقے سے، جو بعد میں معلوم ہوا کہ اس کی خصوصیت تھی، وہ ان ہوزن لڑکی کو بھول کر بے حد نرم آواز میں کہا۔ میں نے کہا یار سردی یقیناً ہو گی چنانچہ اب اگر یہ سالی لڑکی پچھلی سیٹ

کی گدّی اٹھانے کی زحمت کرے تو اسے کمبل مل جائیں گے۔"

اور پھر وہ جیسے بیزاری سے لڑکی کی طرف گھوم گیا اور وہی بات ہسپانوی زبان میں لڑکی سے کہی جو مجھ سے کہہ چکا تھا۔ اس آدمی کو سمجھنے سے میں قاصر تھا جو ایک لمحہ میں غصّہ ہو کر سخت گیر بن جاتا اور دوسرے لمحہ نرم پڑ کر رحم دلی کا ثبوت دیتا تھا۔

وکٹوریہ نے کھڑے ہو کر گدّی اٹھائی اور ایک وزنی کمبل نکال کر میری طرف بڑھا دیا۔

"نہیں۔ تمہارے لئے ہے" میں نے کہا۔

ڈان ہوزن نے منہ پھاڑ کر ایک قہقہہ لگایا۔

"یکوزخ" وہ بولا" میری یہ بات یاد رکھنا کہ یہ لونڈیا جونک کی طرح تمہیں چمٹ جائے گی" اس نے کمبل کا ایک سرا پکڑ کر اسے کھولا اور ہم دونوں کے یعنی میرے اور خود اپنے، گھٹنوں پر ڈال دیا۔

"پچھلی سیٹ پہ وہ آرام سے اور سردی سے محفوظ رہے گی" وہ بولا" تم فکر نہ کرو۔ وہ کمبل اور بھی ہیں۔ اس کے علاوہ اگر تم خود ایک ہی کمبل میں اس کے ساتھ دبکنا چاہو تو مجھے کوئی اعتراض نہ ہوگا۔"

میں نے سوچا کہ وہ قصداً مجھے اکسا رہا تھا، مجھے چارہ ڈال رہا تھا لیکن میں نے کھنچے یا یوں کہئے کہ پھنسنے سے انکار کر دیا اور وکٹوریہ سے کہا :۔

"اچھی طرح سے اپنے آپ کو کمبل میں لپیٹ کر سو جاؤ۔ ہم پو پھٹتے ہی آگے روانہ ہوں گے۔"

ڈان ہوزن نے ڈیش بورڈ کی لائٹ جلائی، وہ بوتل نکالی جسے وہ ٹماشو کی سرائے سے چلتے وقت اٹھا لایا تھا اور اس کا کاک کھول لیا۔

اس نے ایک لمبا گھونٹ لینے کے بعد ایک لمبا سانس لیا اور کہا:۔

"خدا ہی بہتر جانتا ہے کہ یہ واہیات شراب کلیجے پر کیا اثر کرتی ہے۔ لیکن آج کی رات گزارنے اور اپنے آپ کو گرم رکھنے کے لئے یہ بھی غنیمت ہے۔ کوخ! مناسب ہوگا کہ تم بھی تھوڑی سی پی لو۔"

میں نے ایک گھونٹ لیا تو حلق سے معدے تک آگ لگ گئی۔

"خوب۔ شوب۔" میں نے کھانس کر کہا۔ "میں تو سمجھتا ہوں کہ خود شیطان نے اپنے تہہ خانے میں یہ واہیات شراب کشید کی ہے۔ بُرا ہے بالکل۔"

"میں تمہارے اس خیال سے متفق ہوں۔ توبہ۔ کیا لعنتی ملک ہے یہاں کا تو یہ ہے کہ اس کے متعلق جو بھی کہو گے میں اس کی صداقت کا اعتراف کر لوں گا۔" وہ ذرا سا کانپ گیا۔ "کاش کہ ایک بار مجھے میرا وقت، میرا زمانہ واپس مل جائے۔"

"کوئی خاص فرق پڑ جائے گا اس سے؟"

بوتل کا منہ اس کے دانتوں پر بج اٹھا، پھر "غٹ غٹ" سنائی دی، اس کے بعد اس نے لمبا سانس لے کر کہا:۔

"نہیں۔ لیکن یہ ایک لمبی اور اندھیری رات ہے جسے ہم خدا جانے کہاں گزار رہے ہیں اور کل کی صبح ہمارے لئے کیا لے کر طلوع ہوگی اور کوخ! ہم دونوں ہی اپنے وطن سے دور، بہت دور ہیں۔ چنانچہ ایک دفعہ حقیقت کی یاد آگئی تھی۔"

"اور حقیقت کیا ہے فادر؟"

"بڑا پرانا سوال۔" وہ ہنسا "کوخ! تم یقین کرو گے کہ میں نے چار سال، پورے چار سال پادریوں کی ایک مدرسگاہ میں گزارے ہیں؟ تم یقین کرو گے کہ میں نے رہبانیت کی تعلیم باقاعدہ حاصل کی ہے؟

شاید نہیں۔ لیکن یہ حقیقت ہے"

"اور مجھے کہنا پڑتا ہے کہ آج صبح جب ان انڈینوں کو گولی ماری جارہی تھی تو تم نے اپنے پادری ہونے کی بے حد کامیاب ایکٹنگ کی تھی۔ خود مجھے بھی تمہارے پادری ہونے کا یقین آگیا تھا۔"

میں نے اس کی دکھتی رگ پر ہاتھ رکھ دیا تھا یا جیسے اس کا وہ زخم چھولیا تھا جو اسے سخت تکلیف دے رہا تھا۔ وہ ایک دم سے میری طرف گھوم گیا۔

"وہ لوگ مر رہے تھے کورخ۔ ان کی زندگی کے صرف چند لمحے باقی رہ گئے تھے چنانچہ اس خیال نے ان کی موت آسان کر دی کہ ایک پادری نے ان کے لئے آخری دعا پڑھی تھی۔ اب یہ اور بات ہے کہ وہ کہاں گئے۔ جنت میں یا جہنم میں بہرحال اس دنیا سے تو بڑے سکون کے ساتھ اور مطمئن رخصت ہوئے۔"

"تو تمہارے خیال میں وہ اس دنیا سے بہتر اور خوشگوار دنیا میں گئے ہیں؟"

صورت حال کے پیش نظر یہ بے موقع اور احمقانہ سوال تھا چنانچہ اس کا جواب وہی ملا جو اس کے قابل تھا:۔

"کورخ! میرے سامنے عقلمند بننے کی کوشش نہ کرو۔"

"بہت اچھا۔ میں معافی چاہتا ہوں۔"

اس نے بوتل منہ سے لگا کر ایک اور بڑا گھونٹ لیا اور پھر بوتل میری طرف بڑھا دی۔

"جب تم نے یہ چغہ نہ پہنا تھا تو اس وقت تم کیا کرتے تھے"؟ میں نے پوچھا

"بینک کی قسم کا کاروبار کیا کرتا تھا" اس نے ایک قہقہہ لگایا۔ لیکن وہ نشے میں نہ تھا حالانکہ وہ کافی مقدار میں پی چکا تھا "ہاں یار۔ مجھے پسند تھا وہ کام۔ ایک دفعہ میں ارکانساس کے ایک چھوٹے سے قصبے میں پہنچ گیا تھا۔

وہاں باوردی ہتھیار کے لئے پرمٹ لینا ضروری ہوتا ہے اور پرمٹ حاصل کرنے کے لئے ہتھیار اپنے پاس رکھنے کی وجہ بتانی پڑتی ہے۔

"کیا وجہ بتائی تھی تم نے؟"

"میں نے ان خرد ماغوں سے کہا تھا کہ اکثر و بیشتر میں بہت سا روپیہ اپنے ساتھ لے کر سفر کرتا ہوں۔ لیکن میں نے انھیں یہ نہ بتایا کہ یہ روپیہ دوسروں کا ہوتا ہے۔ ہے نا مزیدار لطیفہ؟"

"تو تم چور ہو؟"

"چور! ـــ یہ تو تم نے بڑا ذلیل نام دیا ہے کوئن۔ دراصل میں بینک لوٹا کرتا تھا اور یقین کرو یار یہ بے حد مشکل کام ہے۔ آدمی کو بے حد ماہر اور ہوشیار ہونا چاہئے اس کے لئے۔"

"تو پھر یہ تم اسی لئے پادری بنے میکسکو میں بھاگتے پھر رہے ہو؟" میں نے پوچھا۔

"بالکل" اس نے سر ہلایا" ابھی دو دن پہلے ٹیکساس کے براؤنسویلا قصبے میں میں نے نیشنل بینک لوٹا تھا۔ یقین کرو یہ کام میں نے تن تنہا کیا تھا۔ عجیب اور مضحکہ خیز بات ہے یہ لیکن کمال ہے کہ ننوں اور پادریوں پر لوگ ضرورت سے زیادہ اعتبار کرتے ہیں چنانچہ اپنے اسی لباس میں بنک کھلنے کے وقت سے آدھے گھنٹے پہلے وہاں جا کر دروازے پر دستک دی تو پہرے دار نے بے جھجک دروازہ کھول دیا۔"

"اور تم کتنی لاشیں وہاں چھوڑ کر آئے ہو؟"

"لاشیں!" اس نے حیرت سے میری طرف دیکھا" میں کہہ چکا ہوں کہ یہ بے حد صاف ستھرا کام تھا۔ میں وہاں ایک خاص تجوری اور چار پہرے داروں کو اس عالم

میں چھوڑ کر آیا ہوں کہ ان کے ہاتھ بندھے ہوئے تھے اور وہ فرش پر اوندھے منہ پڑے تھے اور اس نے جھک کر اندھیرے میں میری صورت دیکھنے کی کوشش کی۔ "بہرحال سوال یہ ہے کو زخ کہ خود تم نے کتنے آدمی مارے ہیں؟"

اور اس کا یہ سوال مناسب تھا اور اگر میں نے اس کا صحیح جواب دیدیا ہوتا تو وہ سناٹے میں آجاتا۔

"خاصی تعداد میں جو میرے لئے بارِ خاطر بنے ہوئے ہیں۔"

"یہ کام ہی ایسا ہی بارِ خاطر بن جاتا ہے حتیٰ کہ اس وقت بھی جب تم کسی بہانے کا یا مقصد کا سہارا لے کر جان لیتے ہو جیسا کہ سیاست میں ہوتا ہے کو زخ! ہم دونوں کے مزاج میں کچھ زیادہ تضاد نہیں ہے۔ پوچھو کیوں؟ بات یہ ہے کہ ہم دونوں کی روح میں خون خراب ہے۔ بے حد سیدھی سی بات ہے اور یہ ایسی خوفناک اور لرزہ خیز بات تھی کہ آج تک کسی نے مجھ سے نہ کہی تھی کیونکہ اس براہ راست اور ایک حد تک سچی بات سے وہ حقیقت سامنے آجاتی ہے جس کو میں بھول لینے کی کوشش کر رہا تھا۔

"کیا کہا تھا تم نے اس علاقے کو؟" دان ہوزن نے کہا۔ "خدا نے یہ علاقہ ساری دنیا کے بنا چکنے کے بعد بنایا ہوگا۔ تو یہ ہے اس کا لب لباب۔ میری ماں ہوتی تو کہتی کہ میرا انجام وہی ہوگا جو ہونا چاہئے تھا یعنی جس کا میں مستحق تھا وہ اور میرا باپ بھی ڈچ تھا۔ اس نے التونا میں چھوٹی سی دکان کھول لی تھی پرنٹنگ کی۔ چنانچہ ہم دار سونے آگئے تھے۔ میری ماں مذہب کی سخت پابند تھی۔ اس کی زندگی ہی اس کا مذہب تھا۔ تم جانو کو زخ ڈچ لوگ مذہبی دیوانے اور مانند سے متعلق رہتے ہیں۔ ایک لونڈیا کی خاطر میں رہبانیت کی تعلیم وغیرہ پر لات مار کر کیتھولک درس گاہ سے بھاگ نکلا تو ماں نے مجھے بڑی زبردست بددعا

دی کہ مجھ پر اس دنیا میں خدا کا قہر نازل ہوگا اور روز قیامت کا حساب کہیں گیا نہیں ہے۔"

"اور وہ لونڈیا ؟" میں نے پوچھا۔

"وہ سالی چھ مہینے بعد ہی مجھے چھوڑ کر بھاگ گئی خیر تو میں کہنا یہ چاہتا تھا کہ صورت حال کے پیش نظر معلوم ایسا ہوتا ہے کہ میری ماں کی بددعا کا پہلا حصہ پورا ہونے والا ہے۔ یعنی جلد ہی مجھ پر قہر خداوندی نازل ہوگا۔ رہا روز قیامت کا حساب تو اس کی خبر خدا جانے۔"

وہ اسی طرح کچھ دیر بڑبڑاتا رہا۔ وہ نشے میں دھت نہ تھا لیکن شرابی کی طرح ہی بڑبڑا رہا تھا۔ اور آخر کار بارش ہونے لگی۔ بڑی بڑی بوندوں والی سرد بارش کہ جہاں یہ بوندیں گرتی تھیں وہاں ایک عجیب طرح کی تکلیف محسوس ہوتی تھی۔ ہم نے ایک دم کار سے باہر آکر چھت لگا دی اور وہ بھی عین وقت پر کیونکہ بارش کا زور فوراً ہی بڑھ گیا۔

اب بارش موسلادھار تھی۔

"میرے خدا! یہی ایک چیز باقی رہ گئی تھی" وان ہوزن نے کہا۔

اور میں سوچ رہا تھا کہ میں کیا کروں۔ بارش برسانے پر خدا کا شکر کروں یا اس کی وجہ سے صورت حال کے بد سے بدتر ہو جانے کے خیال سے اپنا سر پیٹ لوں۔ یہ تو بہر حال حقیقت تھی کہ ہمیں جس راستے پر سفر کرنا تھا وہ صبح تک نصف سے زیادہ دھنستی دلدل میں تبدیل ہو جائے گی اور سارے کے سارے پہاڑی نالے اور شگاف زور و شور سے بہہ رہے ہوں گے اور ناقابل عبور بن جائیں گے۔

لیکن اب اس مسئلے پر کچھ سوچنا یا بحث کرنا فضول تھا کیونکہ حالات بدل نہ سکتے تھے۔ چنانچہ میں نے اس خیال کو جھٹک کر کمبل اپنے گھٹنوں پر ٹھیک سے لپیٹا

اور اپنا کالر اوپر اٹھا دیا۔ سردی بڑھنے لگی تھی۔

"بہرحال سوال یہ ہے کوغ کہ خود تم نے کتنے آدمی مارے ہیں" دماغ میں گونجتے ہوئے اس سوال کو لے کر سونا آپ جانئے کار بے دارد۔

بے رنگ اور اجاڑ صبح طلوع ہوئی۔ بارش اب تک تھمی نہ تھی۔ رات کو ہم نے جہاں کار روک لی تھی، وہ اب معلوم ہوا کہ خشک چشمے کا پاٹ تھا۔ اب اس میں شور کے ساتھ مٹیالا پانی بہہ رہا تھا۔ پہاڑ ہماری توقع کے خلاف بہت قریب دکھائی دے رہا تھا۔ ہم نے نقشہ نکالا اور آخرکار یہ معلوم کرنے میں کامیاب ہو گئے کہ ہم کہاں تھے۔

اس راستے تک جس کی تلاش تھی، پہونچنے کے لئے ابھی ہمیں دس بارہ میل کا سفر کھلے علاقے میں طے کرنا تھا۔ اس کے بعد ہی ہم اس راستے پر پہنچنے والے تھے جو درہ نونا دا سے گزر کر اسپیلر جاتا تھا۔ اس درے کے نقشے میں صاف طور سے نشاندہی کی گئی تھی جو دو پہاڑوں کے درمیان تھا ان میں سے ایک پہاڑ تو جیسے شکر کا ڈلا معلوم ہوتا تھا اور دوسرے کی چوٹیاں دندانے دار تھیں اور تین چوٹیاں تھیں اس کی۔ بارش کے باوجود یہ تینوں چوٹیاں ہم دور پر دیکھ سکتے تھے۔

مرسیڈس کا انجن بے حد عمدہ اور زور دار تھا۔ چنانچہ دان ہوزن نے جیسے ہی سیلف اسٹارٹر دبایا کہ وہ فوراً ہی غرا کر بیدار ہو گیا۔

وہ آہستہ آہستہ اور بڑی احتیاط مرسیڈس کو آگے بڑھانے لگا۔ یہ احتیاط اس لئے ضروری تھی کہ جس راستے سے ہم چلے تھے اور چلنے والے تھے اس

کا نشان بارش نے دھو دیا تھا ۔

سردی میں کوئی کمی واقع نہ ہوئی تھی ۔ وکٹوریہ نے رات کو دو کمبل اوڑھ لئے تھے اور اس وقت بھی وہ دونوں ہی کمبلوں میں لپٹی کھڑکی سے باہر دیکھ رہی تھی ۔ میں نے اس کی خیریت پوچھی تو میری طرف دیکھ کر وہ مسکرائی ۔ سچ مچ مسکرائی ۔ اور یہ آپ جانتے بڑی حوصلہ افزا بات تھی ۔

" یہ کیا بات ہے کہ تم اتنی عمدہ اور صحیح ہسپانوی بول لیتے ہو ؟" دان ہوزان نے حیرت کا اظہار کئے بغیر پوچھا ۔

" میری ماں سو یلے میں پیدا ہوئی تھی "!

" اچھا ۔ چھا ! اور تمھارے بڑے میاں کو بڑے کانٹے ڈالنے پڑے ہوں گے ۔ میں نے ہسپانوی زبان جوزیز میں سیکھی تھی اور وہ بھی ایک سال میں"

" وہاں کیا کر رہے تھے تم ؟"

" ایک چھوٹے سے جوئے خانے کا منیجر تھا لیکن کچھ عرصے کے لئے مجھے عہدے سے چھپ کے رہنا پڑا ۔

" کیوں ؟"

" اس لئے کہ میں اپنے آپ کو چھپانا چاہتا تھا ۔

" پولس سے ؟"

اس نے سر ہلایا

" کیوں ؟"

" بھائی میں لیوان ورتھ کی جیل توڑ کر بھاگا تھا "

" اور جیل میں کیوں پہنچ گئے تھے ؟ میرا مطلب ہے ..... "

" ایک ایسے شخص کو گولی ماردی تھی جس نے مجھے گولی مارنے کی کوشش کی تھی ۔

لیکن اس سائے کے دوست عدالت میں تھے اور میرے نہ تھے چنانچہ سب مجھے اندر کر دیا گیا:

اس میں ایک بار پھر حیرت انگیز تبدیلی ہوئی تھی۔ اس کی آواز میں کرختگی تھی اور لہجہ میں چٹان کا سا یقین اور استحکام تھا جیسے وہ کچھ ثابت کرنے کی کوشش کر رہا ہو اب یہ میں نہیں جانتا کہ وہ جو کچھ ثابت کرنا چاہتا تھا وہ میرے لئے تھا یا خود اپنے آپ کے لئے۔

بیکار رہا پس کچھ کیا کر بھائی کے مقولے پر عمل کر کے میں اسی مسئلے پر غور کر رہا تھا کہ چند منٹوں بعد ہی کار ایک چھوٹی سی چٹان چڑھ کر چوٹی پر پہونچی اور اور اس کے دو منٹ بعد ہی نیچے ہمیں وہ نظر آئے جنھیں نظر نہ آنا چاہئے تھا۔

یعنی ڈکاتی گھڑ سوار۔

وہ لوگ گھوڑوں پر زین کسے اور دائرہ بنائے یوں تیار کھڑے تھے جیسے حکم کے منتظر ہوں۔ یہ بڑی حیران کن بات تھی کہ انھوں نے ہمیں آتے نہ سنا تھا۔ لیکن اس کی وجہ فوراً ہی سمجھ میں آگئی اول تو کار کی رفتار بہت کم تھی چنانچہ انجن کی آواز دبی ہوئی تھی۔ پھر بارش کی آواز نے اسے اور بھی دبا دیا تھا۔

ہم پر نظر پڑی تو ان لوگوں کے منھ سے حیرت کی چیخیں نکل گئیں۔ وان ہوزرلی نے ایک دم سے اسٹیرنگ گھما کر ایکسیلیٹر پر پاؤں کا پورا دباؤ ڈال دیا۔

چند دھماکے فضا میں گونج گئے۔

کار تیزی سے ڈھلان اتری، اتری کیا پھسلی، جھپاک سے پانی کے ایک فٹ گہرے کھڈ میں گری، اچھلی، کھڈ سے ابھر آئی اور ہمیں اس آخری میدان میں پہنچا دیا جو آگے بڑھ کر پہاڑوں میں تبدیل ہو گیا تھا۔

اور اب تعاقب نہایت شدت سے شروع ہو چکا تھا۔ اور نتیجے کے متعلق کچھ

پکڑا نہیں جا سکتا تھا۔ کیونکہ دفاتی، حسب معمول، نہایت تیز رفتار اور عمدہ گھوڑوں پر سوار تھے اور انہیں بے تحاشہ بھگائے چلے آ رہے تھے اور دان ہوزن کوشش کے باوجود راستے کی رکاوٹوں سے کار کو بچا نہ سکتا تھا چنانچہ وقتاً فوقتاً وہ کار کی رفتار کم کرنے پر مجبور ہو جاتا تھا۔

ہم تعاقب کرنے والوں سے کوئی دو سو گز آگے تھے کہ دان ہوزن کے منہ سے ایک تھر تھرا دینے والی گالی نکلی۔ اور اس نے بریک لگا دیا۔ ہمارا راستہ ایک بھرے ہوئے اور زور و شور سے بہتے ہوئے نالے نے روک دیا تھا۔

جب ہم نالہ عبور کر کے دوسری طرف پہنچے ہیں تو ہمارے تعاقب کرنے والوں کے درمیان پچاس گز سے بھی کم فاصلہ رہ گیا تھا۔

اور اب مرسیڈس تقریباً عمودی ڈھلان چڑھ رہی اور اس پہاڑ کے پہلو میں رینگ رہی تھی جو شکر کے ڈلے کی طرح تھا۔ کار کے پہیے نرم اور ڈھیلی کنکریلی مٹی میں گھوم گھوم جاتے تھے اور ایک دفعہ اوپر پہنچ جائیں تو راستہ مل جائے گا دان ہوزن نے چیخ کر کہا' اور پھر وہ سالے ہمیں پکڑ نہ سکیں گے مشین گن تمہارے قدموں کے قریب ہے۔ سالوں ـــ کو ذرا مایوس اور ناامید کر دو۔"

میں نے "نامی گرامی' چرمی بیگ اٹھا کر کھولا۔ مشین گن بنک کے نئے اور کڑکڑاتے نوٹوں کی گڈیوں پر جیسے مزے سے لیٹی ہوئی تھی۔ بنک نوٹوں کا انکشاف بے حد دلچسپ تھا۔ لیکن اس وقت اس سے بھی زیادہ ضروری کام درپیش تھا میں نے کھڑکی میں سے جھک کر تعاقب کرنے والوں کی طرف اس طرح مشین گن چلائی کہ ساری گولیاں ان کے سروں پر سے نکل گئیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان لوگوں نے گھوڑوں کی لگامیں کھینچ لیں۔ لیکن جب میں نے گولیوں کی دوسری بوچھار کرنی چاہی

تو مشین گن کا میگزین ڈرم جام ہو گیا۔ اس لعنتی ہتھیار کی یہ خامی عام تھی۔

دنا قیوں نے اپنے گھوڑے ڈھلان پر چڑھا لئے لیکن اس عرصے میں ہم ٹیلے کے شانے پر پہنچ چکے تھے اور ہمارے عین نیچے اور کوئی پچاس گز دور راستہ صاف نظر آ رہا تھا۔ راستہ خلاف توقع اچھی حالت میں تھا اور جب ہماری مرسیڈس نے اس راستے کو پکڑ کر چڑھنا شروع کیا تو میں نے یہ سوچ کر اطمینان کا سانس لیا کہ اب کوئی ہمارا کچھ نہ بگاڑ سکتا تھا۔

وان ہوزن نے سر گھما کر میری طرف دیکھا اس کے ہونٹوں پر وحشیانہ مسکراہٹ تھی اس نے گیئر بدلا کیونکہ راستہ درے سے پہلو پر اٹھ رہا تھا۔ وان ہوزن نے سامنے دیکھا اور حیرت کی ایک چیخ کے ساتھ بریک لگا دی۔

پہاڑ کی پوری قاش سیلاب سنگ کی صورت میں ٹوٹ کر نیچے آ پڑی تھی۔ یہ غالباً گزشتہ رات کی موسلا دھار بارش کا نتیجہ تھا۔ وجہ کچھ بھی ہو بہر حال یہ حقیقت تھی کہ پہاڑ کی اس قاش نے ٹوٹ کر اس طرف کا یہ راستہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے بند کر دیا تھا۔

اس نے گیئر کو ریورس میں کر کے مرسیڈس کو گھمانا شروع کیا۔ لیکن اب وقت گزر چکا تھا۔ کوئی بارہ تیرہ دنا قی ڈھلان پر نمودار ہوئے اور انہوں نے باڑھ پر آئی ہوئی ندی کی طرح ہمیں گھیر لیا۔

میں اپنا پستول اپنے ہاتھ میں لے چکا تھا اور میں نے ان میں سے دو ایک کو گرا بھی دیا ہوتا لیکن اس سے کیا ہوتا؟ غالباً یہ کہ ہم اور بھی زیادہ مصیبت میں پھنس جاتے۔

چنانچہ میں نے پستول سیٹ پر رکھ کر اپنے دونوں ہاتھ اوپر اٹھا دئے۔

چوتھا باب

بعد کے چند منٹ میری زندگی کے آخری منٹ ہو سکتے تھے اور غالباً آخری ہی تھے۔

میں کار سے باہر آیا تو وزنی جوتوں کی ایک پُر قوت لات میرے دونوں شانوں کے درمیان پڑی اور میں ہتھیلیوں اور گھٹنوں کے بل گرا جگہ ایسی تنگ تھی کہ یہاں دو تین گھوڑے بھی مشکل سے سما سکتے تھے اور یہاں بارہ تیرہ گھوڑے تھے جو مجھے اپنے کھروں تلے کچلنے کے لئے بے قرار تھے۔ میں بڑی مشکل سے ان کی ٹاپوں سے بچ سکا۔

دو دفعہ مجھے لات ماری گئی۔

دوسری دفعہ اتنے زور اور ایسی بے دردی سے کہ میں نے سمجھا کہ میری ایک آدھ پسلی ٹوٹ گئی ہے۔ پھر ایک آہنی گرفت میری گردن پہ تھی اور مجھے ایک جھٹکے کے ساتھ کھڑا کیا جا چکا تھا۔

دان ہوزن نے میری درگت بنتے دیکھی تو اپنا ایک بازو گھما کر اس کا گھونسہ اتنے زور سے قریبی گھوڑے کے پٹھے پر مارا کہ وہ ہنہنا کر پیچھے ہٹا اور اس کا سوار گرتے گرتے بچا۔ کسی نے اس پر بیٹھے ہوئے چابک سے ضرب لگائی چابک کی رسی زندہ سانپ کی طرح دان ہوزن کی کلائی سے لپٹ گئی اور پھر دان ہوزن نے دونوں ہاتھوں سے چابک پکڑ لیا اور بڑی آسانی سے اور ایک معمولی سے جھٹکے سے چابک والے کو گھوڑے پر سے نیچے گرا دیا۔

یہ شخص کیسی زبردست جسمانی قوت کا مالک تھا اس کا اندازہ مجھے اب

پہلی دفعہ تھا۔

اس کے بعد ایک دو سکنڈ تک وہاں کچھ عجیب گڑبڑ مچی رہی کیونکہ سوار اپنے گرے ہوئے ساتھی کی ہڈیوں کو سرمہ بننے سے بچانے کے لئے اپنے گھوڑے پیچھے ہٹا رہے تھے۔ ان میں سے ایک دو نے تیغے کھینچ لئے اور میں نے سمجھ لیا کہ ہمارا آخری وقت آگیا تھا۔

دفعتہً پستول کا ایک دھماکا پہاڑوں میں گونج گیا اور دائرہ چیر کر نوجوان افسر ہمارے سامنے آگیا۔ اس نے اس شدت سے گھوڑے کی لگام میں کھینچی کہ وہ پچھلی ٹانگوں پر تقریباً بیٹھ گیا۔

اس کا چہرہ ستا ہوا اور سانولا تھا اور بالائی ہونٹ پر مونچھیں دھندلے دھبے کی طرح تھیں وہ لفٹننٹ کی ——— چاندی کی زنجیر لگائے ہوئے تھا۔ اپنے ٹخنوں کی طرح اس نے ربڑ کا پانچوغہ[1] پہن رکھا تھا۔ چنانچہ اس کی وردی کے وہاں سلی ہوئی وردی بارش سے بھیگ گئی تھی۔

وہ مسکرایا، گھوڑے پر سے جھکا اور اپنے پستول کی نالی وان ہوزن کے ماتھے پر رکھ دی۔

"چھوٹا یا بڑا، کمزور یا قوی" اس نے کہا" ہر ایک کے لئے صرف ایک گولی کافی ہوتی ہے سینور"

"اپنے ان کتوں کو ہٹا دو" وان ہوزن نے کہا۔ اور ہم گڑبڑ کئے بغیر خاموشی سے تمہارے ساتھ چلے چلیں گے"

[1] چوغہ جو بارشوں میں پہنتے ہیں۔ ایک قسم کی برساتی جس کا گریبان بیچ میں ہوتا ہے۔
مترجم

"یقیناً چلو گے میرے دوست۔ کیونکہ مجھے حکم دیا گیا ہے کہ جہاں تک ممکن ہو تمہیں زندہ ... کروں لیکن اگر خود تم نے میرے لئے تمہیں گولی مار دینے کا کوئی بہانہ مل گیا تو مجھے خوشی حاصل ہوگی اور میں تمہارا مشکور ہوں گا۔ انسانیت اور تہذیب پر تمہارا وجود ایک بدنما داغ ہے اتار دو اپنا یہ چغہ۔

دان ہوزن اپنے دونوں ہاتھ کولہوں پر رکھے ہوئے تھا۔ اس نے شعلہ بار نظروں سے لفٹننٹ کی طرف دیکھا۔

"اور میں تم سے کہتا ہوں۔ گدھے کے جنے کہ تم اپنا کام کرو" وہ غرایا۔

تضحیک کی یہ انتہا تھی لفٹننٹ گھوڑے پر سے اتر آیا، اپنے گھوڑے کی لگام قریب کھڑے ہوئے اپنے ماتحت کی طرف اچھال دی اور خود دان ہوزن کے سامنے ٹانگیں قدرے چوڑی کر کے اس طرح کھڑا ہو گیا کہ اس کے پستول کی نال دان ہوزن کی عین ناف کی طرف اٹھی ہوئی تھی اس نے آہستہ آہستہ اور بڑے یقین سے پستول کا گھوڑا انگوٹھے کے ذریعہ چڑھایا۔

"سینور! چند در چند وجوہات کی بنا پر جن سے تمہارا کوئی واسطہ نہیں ہے، میں تمہیں اور تمہاری کسی بھی چیز کو پسند نہیں کرتا۔ چنانچہ میں اپنی ماں کی قبر کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ اگر تم نے میرے حکم کی تعمیل نہ کی تو اٹھ ... رگڑتے نظر آؤ گے اور سچ تو یہ ہے کہ تم اسی کے مستحق ہو!"

اب وہ مسکرا رہا تھا اور میں نے ذرا غور سے دیکھا تو نظر آیا کہ اس کا پستول والا ہاتھ کانپ رہا تھا۔ دان ہوزن نے اپنا ایک ہاتھ یوں اٹھا دیا جیسے اسے تسلی دے رہا ہو۔

"بہت اچھا سو جگر" اس نے کہا "آدمی زندہ رہنے کے لئے کچھ بھی کر سکتا ہے" اس نے اپنے چغے کے گلے کے بٹن تمام کھولے، اسے سر پر سے اتار کر

مرسیڈس میں پھینک دیا اور اب میں نے دیکھا کہ وہ چغے کے نیچے کالی اونی پتلون اور سفید قمیص پہنے ہوئے تھا۔

لفٹننٹ نے کہا :- پادریوں کی علامت یہ کالر بھی اتار دو۔

وان ہوزن نے کالر بھی اتار کر مرسیڈس میں پھینک دیا۔

"اب خوش ہوئے بیٹے ؟" اس نے پوچھا۔

"مجھے خوشی تو اسی وقت حاصل ہوگی سینور جب تمھیں پھانسی پر لٹکتے دیکھونگا

لفٹننٹ نے کہا اچھا اب تم یہ کار میری ہدایت کے مطابق واپس لے چلوگے اس کے خلاف تم نے ذرا بھی کچھ کیا تو میں بے جھجک تمہیں گولی مار دوں گا۔ سمجھ گئے ؟"

" میں تو صرف ایک بات سمجھ سکا ہوں بیٹے" وان ہوزن نے کہا" اور وہ یہ کہ جب پستول تمھارے ہاتھ میں ہوتا ہے تو تمھاری زبان آزاد ہو جاتی ہے ورنہ فطرتاً تم بودے اور بھیسڈی ہو"

اور وہ گھوم کر بڑی بے پروائی سے مرسیڈس کی طرف چل دیا۔

"تم پیدل چلو گے۔ لفٹننٹ نے مجھے مطلع کیا اور وان ہوزن کے پیچھے مرسیڈس کی طرف بڑھا۔

"لیکن اس کا کیا ہوگا ؟"

اور میں نے وکٹوریہ کی طرف اشارہ کیا جسے دو آدمیوں نے بلاوجہ ہی پکڑ رکھا تھا۔

"تم اسے اپنے ساتھ نہیں لے جا سکتے"۔

لفٹننٹ نے وکٹوریہ کی طرف دیکھا اور اس کے ابرو کچھ بل پڑ گئے۔

" یہ تو وہ بوڑھے شاعر کے سرائے والی ہی لڑکی ہے نا ؟" اس نے پوچھا

وہی جو بول نہیں سکتی ؟

"ہاں وہی ہے۔ تم ملے تھے ٹاشو سے ؟ بات چیت کی تھی اس سے ؟۔
اس نے بتلایا نہیں کہ گزشتہ رات سرائے میں کیا ہوا تھا ؟"

"نہیں۔ لیکن مجھے اس آدمی نے سب کچھ بتا دیا ہے جو اپنی جان بچا کر بھاگ نکلنے میں کامیاب ہو گیا تھا۔ میں سُن چکا ہوں کہ تم نے اس کے ساتھیوں میں سے کسی کو بھی زندہ نہیں چھوڑا۔"

"بہت دلچسپ" میں نے کہا۔ لیکن اس نے تمہیں یہ نہیں بتایا کہ اس کے ساتھی اس لڑکی کے ساتھ کیا کرنے والے تھے ؟ یہ نہیں کہا وہ مجھے محض اس لئے پھانسی دینے جا رہے تھے کہ میں نے اس لڑکی کو بچانے کی کوشش کی تھی ؟ اور اگر میرا یہ دوست" میں نے وان ہوزن کی طرف اشارہ کیا" اگر عین وقت پر نہ آ گیا ہوتا تو وہ مجھے پھانسی دے چکے ہوتے ؟"

میں نے جھوٹ نہ کہا تھا تاہم یہ بڑی بات تھی کہ اس نے میری باتوں پر یقین کر لیا۔ اس کے چہرے کا رنگ اور بھی سنولا گیا اور اس کی آنکھوں میں خوفناک چمک آ گئی۔

"بہت غلیظ دنیا ہے یہ لفٹننٹ" میں نے آہستہ سے کہا" اور یہ بیچاری لڑکی اپنے آپ کو بچانے کے لئے چیخ بھی نہ سکتی۔

مزید کچھ کہے بغیر اس نے گھوم کر وکٹوریہ کا بازو پکڑ لیا اور مرسیڈیز میں پچھلی سیٹ پر بٹھا دیا۔ خود اگلی سیٹ پر وان ہوزن کے قریب بیٹھ گیا اور کار اسٹارٹ کرنے کو کہا۔

اتنی سی جگہ میں اتنی بڑی کار کو گھمانے میں وان ہوزن نہ صرف دقتوں کا سامنا کرنا پڑا تھا بلکہ کافی وقت بھی لگ گیا۔ آخر کار وہ اسے اسی طرف:

سے ہم آئے تھے، پوری طرح گھمانے میں کامیاب ہوگیا اور ہم سب نے ادھر ادھر ہٹ کر اس کے راستہ چھوڑ دیا۔

کار چلی گئی تو اب ہم لوگ بھی روانہ ہو گئے۔ ہمارے سپاہی گھوڑوں پر سوار تھے لیکن سارجنٹ، جو پست قامت، گٹھے ہوئے جسم کا اور کالے بالوں اور بڑی بڑی مونچھوں والا آدمی تھا، اپنے گھوڑے پر سے اتر آیا اور میرے ساتھ چلنے لگا، وہ اپنے ہاتھ میں بھرا ہوا پستول لئے ہوئے تھا۔

میں نے جیب سے آرٹ ناس سگریٹوں کا پیکٹ نکالتے ہوئے پوچھا۔

"اجازت ہے؟"

"ہاں ہاں کیوں نہیں۔ بلکہ میں بھی تمہارا ساتھ دوں گا۔"

میں نے اسے سگریٹ دی۔ اس نے سگریٹ جلائی اور دھوئیں کا مرغولہ فضا میں بکھیرنے کے بعد کہا:۔

"گزشتہ رات ٹماشو کی سرائے میں تم نے اور تمہارے دوست نے تو دھمال مچادی تھی۔ ہے نا؟ کتنے دفعداروں کو ٹھکانے لگا دیا۔۔۔۔ پانچ؟"

"اب کیا ہونے والا ہے؟"

"کچھ نہیں۔ کرنل صاحب وہاں، کیمپ میں، تمہارے منتظر ہیں۔"

"کون کرنل؟"

"کرنل بونیلا۔ اس علاقے کے ملٹری گورنر ہیں گزشتہ کل ہی وہ ہمارے پاس آئے ہیں۔ علاقے کا دورہ کرنے اور یہ دیکھنے کی غرض سے کہ خود ان کے خلاف تو کوئی سازش وغیرہ نہیں کی جارہی ہے۔ بس ایسی ہی مشکوک طبیعت کے آدمی ہیں وہ گزشتہ رات ہم نے ایک پرانے مویشی خانے میں پڑاؤ ڈالا ہی تھا کہ وہ دفعداری بھاگتا ہوا آیا جو تمہارے سامنے سے اپنی جان بچا کر لے

گیا تھا۔" اور پھر اس نے تعریفی نظروں سے میری طرف دیکھتے ہوئے اضافہ کیا۔
"تم اور تمہارا دست کار چلانے میں آپ اپنی مثال ہیں۔ ورنہ اس علاقے میں کار چلانا قریب ناممکن ہے۔"

"یہ کیا بات ہوئی کہ تم ٹاشو کی سرائے کی طرف جانے کے بجائے سیدھے اس طرف چلے آئے؟"

"یہ کرنل کا خیال تھا۔" اس نے اپنی ناک پر انگلی رکھ دی۔ "بڑا عجیب ہے اس کرنل کا۔ انھیں یقین ہو گیا کہ تم راتوں رات فرار ہو جاؤ گے تاہم احتیاطاً انھوں نے ایک سارجنٹ اور چھ سپاہیوں کو ٹاشو کی سرائے کی طرف بھیج دیا۔ پھر نقشہ بچھایا اور لفٹننٹ کے ساتھ اس کا معائنہ کرنے کے بعد کہا کہ اگر تم لوگوں کی جگہ وہ خود ہوتے تو وہ ناتوا سے فرار ہوتے کیونکہ یہ راستہ اس قدر دشوار گزار ہے کہ کوئی عقلمند اس طرف سے گزرنے کا خیال بھی نہیں کر سکتا۔"

"بالکل صحیح سوچا تھا کرنل نے۔" میں نے سر ہلایا۔

"وہ ہمیشہ صحیح سوچتے ہیں۔ شاید ہی ان کا خیال غلط رہا ہو۔ چنانچہ کل رات پھر وہ ہمیں پیچھے بھگاتے رہے اور اس وقت تک دم نہ لینے دیا جب تک کہ بارش شروع نہ ہو گئی۔ لیکن ایک بار پھر ان کا اندازہ صحیح ثابت ہوا۔ اگر ہم وہاں نہ ہوتے جہاں ہم تھے تو تم یقیناً فرار ہو جاتے۔"

"بڑا ہی گھاگ معلوم ہوتا ہے یہ کرنل بونیلا۔" میں نے دل میں کہا۔

آخر کار ہم اس جگہ پہنچ گئے جہاں راستہ ریگستان میں غائب ہو گیا تھا وہاں دان ہوزن کی مرسیڈیز ایک گودام کے دہانے پر کھڑی ہوئی تھی۔ حالانکہ بارش تھمی نہ تھی پھر بھی کسی نے اسے ڈھانپ رکھا تھا۔ یہاں [illegible] کی کوئی کمی نہ تھی۔ چنانچہ آگے چلانا کچھ مشکل نہ تھا۔ آخر [illegible] جیسے

بڑی کاہلی سے مرطوب فضا میں بل کھا رہا تھا۔

وان ہوزن کار کے قریب کھڑا ہوا تھا، کار کا پچھلا دروازہ کھلا تھا اور اس کی پچھلی سیٹ پر کوئی بیٹھا ہوا تھا۔ یہ شاید کرنل بونیلا تھا۔ یہ ایک بلند قامت اور قبول صورت آدمی تھا جس کے دونوں رخساروں پر لانبی اور گھنی قلمیں چھٹی ہوئی تھیں جو وقت سے پہلے ہی سفید ہو گئی تھیں کیونکہ میرے اندازے کے مطابق اس کی عمر چالیس سال سے زیادہ نہ تھی۔ وہ سپاہیوں کی ٹوپی اور اوور کوٹ میں بڑا ہی رعب دار معلوم ہوتا تھا اس کے بشرے سے ذہانت اور ساتھ ہی ساتھ خشک مزاجی عیاں تھی۔ یہ اس شخص کا چہرہ تھا جو نیکی کا منکر تھا۔ جس نے بہت کچھ دیکھا اور سمجھا تھا، جسے یقین ہو چکا تھا کہ دنیا سے نیکی نام کی چیز اٹھ گئی ہے، جس کے لئے ہر چیز ممکن تھی، جس کے نزدیک سب کچھ ہو سکتا تھا اور جس کا اعتبار انسانوں پر سے اور ہر جاندار پر سے اٹھ گیا تھا۔

سارجنٹ نے جو ابھی تک میرے ساتھ آیا تھا، مجھے لفٹننٹ کے سپرد کر دیا اور وہ مجھے کرنل کے سامنے لے آیا۔

بونیلا نے مجھے سر سے پیر تک دیکھا۔

"نام کیا ہے تمہارا سینور؟" اس نے بڑی شائستگی سے پوچھا۔

"ایبٹ کوخ۔ میں برطانوی شہری ہوں۔"

"کوخ؟" اس کی بھنویں آپس میں مل گئیں "میرا اس غیر معمولی قسم کا نام ہے سینور! یاد پڑتا ہے کہ یہ نام میں پہلے بھی سن چکا ہوں۔ تم ہی ہو نا۔ میرا مطلب ہے نہ، وہ کوخ ہو نا جو برسوں کسی چاندی کی کانوں میں کام کر رہے تھے۔"

"جی ہاں۔ اس میں تعجب کی کیا بات ہے؟"

"تعجب کی بات تو ہے ہی۔ میرا تو خیال تھا کہ کسی اور قسم کے آدمی کو میرے

سامنے لایا جائے گا۔ یہ تو میرے خواب و خیال میں بھی نہ تھا کہ یہ تم ہو گے ؛

"یعنی کس قسم کا آدمی ہوں ؟ جس کے سر پر دو سینگ اور پیچھے دم ہو ؟"

"شاید۔ اگر ایسا آدمی بھی ہوتا تو مجھے حیرت نہ ہوتی خیر۔ اپنے کاغذات دکھاؤ گے ؟"

میں نے سفر کا نیا اجازت نامہ اس کی طرف بڑھایا، جس پر یونیٹو کے جینیے کے دستخط تھے۔

"بس۔ یہی کچھ ہے میرے پاس"

اس نے اجازت نامے کا بڑی سنجیدگی سے مطالعہ کیا۔

"تو گویا تم ٹرک میں مال بھر کر بونیلا کے اس شخص کو میز کے پاس لے جا رہے تھے ؟"

"بالکل۔ اور یہ مال ہے سینور جوناس کا بونیٹو میں ہوٹل بلانکا کے مالک ہیں۔"

"یقین کرو جوان سینور جوناس کا نام لے کر تم اپنے آپ کو بچا نہ سکو گے۔ ان کے نام کی کچھ زیادہ اہمیت نہیں ہے۔ خیر تو اس شخص نے اپنے طور پر اور اپنے نقطۂ نظر سے وہ واقعات بیان کر دئے ہیں جو گزشتہ رات تماشہ کے سرائے میں ہوئے تھے۔ اب میں تمہارا بیان چاہتا ہوں۔" بونیلا نے نوجوان لفٹننٹ کی طرف دیکھ کر سر ہلایا "لے جاؤ انھیں"

لفٹننٹ نے مان ہوزن کو وہاں سے ہٹانے کے لئے ایک دھکا دے کر اپنے آگے کر دیا اور میں نے دیکھا اور محسوس بھی کیا کہ اس نے یہ دھکا آہستہ سے نہیں بلکہ زور سے دیا تھا۔

یہ دیکھ کر بونیلا مسکرایا۔

"مجھے خوف ہے جوان کہ لفٹننٹ کورڈونا تمھارے دوست کو کچھ زیادہ پسند نہیں کرتے۔ بات یہ ہے کہ کورڈونا بے حد صحیح الرائے قسم کے انسان ہیں۔ جب ان کالڑکپن تھا تو ان کے والدین نے چاہا تھا کہ وہ پادری بن جائیں چنانچہ اسی سلسلے میں انھیں تعلیم بھی دلائی گئی تھی۔ چنانچہ اب تم سمجھ سکتے ہو کہ ایسا شخص اس شخص کو کیسے پسند کر سکتا ہے جو حقیقت میں پادری نہیں ہے لیکن لوگوں کو دھوکا دینے کے لیے بظاہر پادری بنا ہوا ہے۔"

میں نے چاندی کا سگریٹ کیس برآمد کیا، ایک سگریٹ منتخب کر کے جلایا اور پارٹس میں دھواں اڑا کر بولا:

"اچھا تو اب بتاؤ کہ ماشو کی سرائے میں کیا ہوا تھا۔"

اور میں نے کچھ بھی چھپائے بغیر سب کچھ سچ سچ بیان کر دیا اور جب میں خاموش ہوا تو بونیلا نے سر ہلا دیا۔

"عمدہ ــــ واقعی بے حد عمدہ!"

اس نے اپنے پیچھے ہاتھ بڑھا کر وان ہوزن کا چرمی بیگ اپنے سامنے گھسیٹ لیا۔

"جانتے ہو مسٹر کوگ کہ اس بیگ میں تین ملین ہزار ڈالر ہیں ـــ یہ بات جانتے تھے تم؟"

"وان ہوزن کو میں نے اپنی زندگی میں پہلی دفعہ کل صبح اس وقت دیکھا تھا جب پولس بارکوں کے صحن میں تین آدمیوں کو گولیوں سے اڑایا جا رہا تھا اس وقت وان ہوزن نے مرنے والوں پر آخری دعا پڑھی اور ان کا اقرار گناہ سنا تھا۔ وہ ہو بہو پادری کی طرح نظر آتا تھا اور اس کا ہر عمل پادریوں کا سا ہی تھا چنانچہ ہر ایک نے، حتیٰ کہ میں نے بھی اسے حقیقت میں پادری ہی سمجھا

گزشتہ رات وہ ٹماشو کی سرائے میں عین ہنگامے کے وقت داخل ہوا اور مجھے پھانسی چڑھنے سے اور اس معصوم لڑکی کو ۔۔۔ خدا جانے کاہے سے بچا لیا ۔۔۔ دان ہوزن کچھ بھی ہو اور کیسا بھی ہو لیکن اس نے میری جان اور لڑکی کی عزت بچا کر جس انسانیت کا ثبوت دیا ہے وہ بڑی بات ہے ۔"

" صورت حال کیسی ہی کیوں نہ ہو لیکن ایک ہی وقت میں پانچ سپاہیوں کو ابدی نیند سلا دینا ۔۔۔ تم جانو میرے دوست یہ بات مشکل ہی سے گلے اتر سکتی ہے بہرحال جب ہمارے دو سپاہی، جو ٹماشو کے سرائے کی طرف گئے ہیں، واپس آ جائیں گے اور میں ان کا بیان سن لوں گا تو اس کے بعد ہم اس مسئلے پر مزید گفتگو کریں گے"

اس نے چٹکی بجائی اور سارجنٹ نے سامنے آ کر کھٹ سے سلام کیا۔

"دان صاحب کو اپنے دوست کے پاس پہنچا دو اور میرے لئے ناشتے کا انتظام کر دو۔"

اور سارجنٹ نے مجھے دان ہوزن کے پاس پہنچا دیا جو ایک چٹان سے ٹیک لگائے بھیگی ہوئی زمین پر بیٹھا ہوا تھا اس کی قمیص بھیگ کر اس کے جسم سے چپک گئی تھی ۔

"کیا کہا تم نے اس سے؟" دان ہوزن نے پوچھا ۔

"سچ سچ بتا دیا ۔ اور کر بھی کیا سکتا تھا؟"

"اور یہ تم نے اچھا کیا" وہ مسکرایا "حالانکہ اس سے کوئی خاص فرق نہیں پڑ جائے گا لیکن اس لفظ ۔۔۔ بگولا کا یہی ایک امید افزا راستہ معلوم ہوتا ہے ۔"

"سنو! یہ" میں نے حوالداروں سے ... "دیکھ رہے ہو؟" "بگولا یہ کہاں سے آیا؟"

"ان لوگوں نے اسے کام پر لگا دیا ہے"

وہ ایک سپاہی کے ربڑ کا پانچو پہنے ہوئے تھی اور سر پر ملٹری ٹوپی اوڑھ رکھی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ میں اسے پہچان نہ سکا تھا۔ وہ الاؤ کے قریب اکڑوں بیٹھی میکسکو والوں کی خاص غذا "فریجولس" توے میں پکا رہی تھی۔

اس نے مجھے اپنی طرف دیکھتے دیکھا تو ایک مگ میں کافی بھر کر اٹھی اور ہماری طرف بڑھی لیکن لفٹننٹ کورڈونا نے اسے ایک تھپڑ رسید کر کے مگ اس کے ہاتھ سے گرا دیا اور پھر بڑی سفاوت قلبی سے اسے واپس چولہے کی طرف ڈھکیل دیا۔

"اب اس خنزیر کے نطفے سے مجھے سچ مچ نفرت ہو گئی ہے" وان ہوزن نے کہا "یہ جذبہ دونوں میں مشترک ہے۔ وہ بھی تم سے نفرت کرتا ہے۔ غالباً کوئی خاص واقعہ ہوا ہے اس کے ساتھ، جس نے اسے سخت متنفر کر دیا ہے جو پادریوں کا پارٹ کرتے ہیں۔"

"مانو یا نہ مانو لیکن یہ حقیقت ہے کہ نفرت کے جذبے سے میرا دل پھٹا جا رہا ہے۔" وان ہوزن نے کہا۔

میں اس وقت کہیں دور سے ملٹری بگل کی چیخ سنائی دی۔

چھ گھڑسوار، جن کے آگے ایک سارجنٹ تھا۔ بارش میں سے نکل آئے۔

"یہ یقیناً وہ لوگ ہیں جنہیں گذشتہ رات ناشو کی سرائے کی طرف بھیجا گیا تھا" میں نے وان ہوزن کو مطلع کیا۔

ہم دیکھ ہی رہے تھے کہ سارجنٹ اپنے گھوڑے پر سے اتر کر بونیلا کے سامنے پہونچا۔ اور اب وہ اپنی رپورٹ پیش کر رہا تھا۔ رپورٹ سنتے وقت بونیلا نے دو تین دفعہ نظریں اٹھا کر ہماری طرف دیکھا اور پھر شاید وہ سارجنٹ سے سوالات پوچھنے لگا۔ آخر کار اس نے کورڈونا کو بلا کر ہمیں

اس کے حضور پیش کرنے کا حکم دیا۔

"یہ بتاؤ مسٹر کورخ" اس نے پوچھا۔ "تم اس ٹرک میں کیا مال لئے جا رہے تھے؟"

"وہسکی" میں نے کہا۔ "جو مجھے ہنڈیلا میں گیمیز نامی ایک شخص کے سپرد کرنی تھی اور یہ میں پہلے ہی بتا چکا ہوں؟"

"ہاں۔ لیکن رائفلوں کے متعلق بتانا بھول گئے۔"

"رائفلیں؟" میں احمقوں کی طرح اس کی صورت تکنے لگا۔ "میں نہیں جانتا کہ یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں؟"

"مارٹین ہنری کی قرابین رائفلیں" بونیلا نے کہا۔ "تمھاری ٹرک جن صندوقوں سے بھرا ہوا ہے وہ صندوق رائفلوں سے بھرے ہوئے ہیں۔ کم سے کم میرا یہ لفٹننٹ مارٹینز تو یہی کہتا ہے اور عموماً یہ غلط نہیں کہتا۔"

"بہرحال! اچھے دوست ہیں تمھارے کورخ" وان ہوزن نے تلخی سے کہا۔ "چنانچہ معلوم ہوا کہ اب کوئی امید نہیں۔ معاملہ یہاں ختم ہوا۔"

"کیسے ختم ہوا؟" میں نے غصے ہو کر کہا۔ "اس ٹرک کا مالک جوناس ہے نہ کہ میں۔ اس نے تو مجھے یہ مال پہنچانے کے لئے اجرت پر حاصل کیا ہے۔" میں بونیلا کی طرف گھوم گیا۔ "آپ وہ اجازت نامہ دیکھ چکے ہیں جس پر بونیلو کے جیفے کے دستخط ہیں۔ چنانچہ گنہگار وہ دونوں ہیں اور آپ کو ان دونوں کو گرفتار کرنا چاہئے یعنی جانوس کو اور بونیلو کے جیفے کیپٹن اور میز کو۔"

"اس کی فکر تمہیں نہ ہونی چاہئے مسٹر کورخ۔ وقت آنے پر سب ٹھیک ہو جائے گا۔" اس نے اپنا ہاتھ مرسیڈس کی اگلی سیٹ کی پشت پر پھیرا۔ "بڑی عمدہ اور خوبصورت گاڑی ہے۔" وہ دفعتہ کورٹینا کی طرف گھوم گیا۔ "جانتے ہو لفٹننٹ کہ میں یہ کار ڈرائیو کر سکتا ہوں؟ بے حد عمومی قسم کی خصوصیت ہے یہ۔"

لیکن جب اس میں ایسی عمدہ مشین لگی ہوئی ہو تو پھر یہ گاڑی کا ایک جوہر بن جاتا ہے۔ میں نے اس گاڑی میں ہونیلا جانے کا فیصلہ کر لیا۔ ایسے موقع بار بار نہیں آتے۔ میرے ساتھ جانے کے لئے دو آدمی منتخب کر لو میں جلد از جلد روانہ ہو جانا چاہتا ہوں۔"

"اور قیدیوں کے متعلق کیا حکم ہے کرنل؟"

"ہم۔م۔م میرے خیال میں وہ پیدل چل سکتے ہیں۔ یہ ورزش ان کے لئے سودمند اور مفید ثابت ہوگی۔ کل سہ پہر کے وقت تم وہاں پہنچ جاؤ گے۔ وہاں پہنچتے ہی تم میرے پاس آجانا۔"

اور یوں وہ دوسری طرف گھوم گیا جیسے ہم وہاں تھے ہی نہیں۔ کورڈونا ہمیں اسی چٹان کے قریب لے آیا جہاں ہمیں پہلے بٹھایا گیا تھا۔"

اور وہاں سے ہم ہونیلا کی روانگی کی تیاریاں دیکھتے رہے۔ دو سپاہی اپنی بندوقیں لئے پچھلی سیٹ پر بیٹھ گئے اور جب ہونیلا نے اسٹارٹر دبایا تو انجن فوراً بیدار ہو گیا۔ اتنی ہی آسانی سے جتنی آسانی سے وان ہوزن کے اشارے پر بیدار ہو جایا کرتا تھا۔

ہم مرسیڈس کو بارش کی چادر میں غائب ہوتے دیکھتے رہے۔

"اب کیا خیال ہے؟" میں نے پوچھا۔

"خیال؟ میرا کیا خیال ہو سکتا ہے؟" وان ہوزن نے شعلہ بار نظروں سے میری طرف دیکھا۔ "کوغ! عقل سے کام لو اور یہ سمجھ لو کہ تمہارا سفر حیات تو اب قریب الختم ہے۔ تم پھنس گئے ہو پوری طرح سے اور مناسب ہوگا کہ تم اس خیال کو اپنے دماغ میں الٹ پلٹ کر کے اس سے مانوس ہو جاؤ۔"

جب ہم پڑاؤ اٹھا کر روانہ ہوئے تو دکھوریہ کو ایک بار پھر خچر پر بٹھا دیا گیا۔ یہ کورڈونا کا حکم تھا۔ رہے ہم دونوں یعنی میں اور وان ہوزن تو ہم دونوں ایک تیس فٹ لمبے رسّے کے سروں پر اس طرح چل رہے تھے ہمارے ہاتھ بندھے ہوئے تھے۔ ایک سرے پر وان ہوزن تھا اور دوسرے سرے پر میں۔

میں نے کہا ہے کہ ہم چل رہے تھے۔

لیکن حقیقت کچھ اور تھی۔ ہمیں بہرحال گھوڑوں کا ساتھ دینا پڑتا تھا جب وہ دلکی چلتے تو ہمیں بھی بھاگنا پڑتا اور جب وہ لنگوری چال چلتے تو ہمیں بھی کوکڑے لگانے پڑتے۔

بارش تھم گئی تھی اس کے باوجود صبح ہمارے لئے بہت تکلیف دہ تھی۔ راستہ دشوار گزار بلکہ کھڑا تھا اور ہم دونوں ہر چند قدم کے بعد گر پڑتے تھے اور ہمیں باقاعدہ پیٹ کے بل گھسیٹا جاتا تھا۔

دوپہر کے وقت ایک جگہ قیام کیا گیا۔ اور کافی گرم کرنے کے لئے ایک چھوٹا سا الاؤ سلگایا گیا۔ میں اور وان ہوزن تھکن سے نڈھال ہو کر گھوڑوں کے قدموں میں بیٹھ گئے۔ ہر ایک کو کافی دی گئی سوائے ہم دونوں کے، اس سے دکٹوریہ بہت بے چین ہو گئی۔ وہ بار بار ہماری طرف دیکھ رہی تھی۔ آخر کار اس نے ایک مگ میں کافی بھرا اور کورڈونا کی آستین کھینچ کر اسے اس طرف متوجہ کیا لیکن اس نے نفی میں سر ہلا دیا۔

"اس نطفۂ حرام نے ہمیں بہرحال اذیت پہنچانے کا فیصلہ کر لیا تھا یہ سالا اپنی ماں کے پیٹ سے الٹا نکلا ہوگا" وان ہوزن نے کہا۔

"میں سوچ رہا ہوں یار کہ اس کی اس نفرت کی تہہ میں ضرور کوئی راز ہے۔

اگر تم کیتھولک پادری بننے کے بجائے پروٹسٹنٹ پادری بنے ہوتے تو اسے اتنا برا نہ لگتا۔

کسی وجہ سے، جو میری سمجھ میں نہ آئی، وان ہوزن کو میری یہ بات بے حد مضحکہ خیز معلوم ہوئی چنانچہ اس نے پورا منہ کھول کر ایک زبردست قہقہہ لگایا۔ اس کا یہ قہقہہ بھی کورڈونا کو پسند نہ آیا۔ اس نے کہا جانے والی نظر ڈر سے ہماری طرف دیکھا اور پھر روانگی کا حکم دیا۔

ہماری سہ پہر بھی ایسی ہی گذری جیسی صبح گذری تھی۔ تکلیف دہ اور اذیت ناک اور مجھے ایسا معلوم ہوا کہ ہماری یہ تکلیف لامتناہی ہے۔

شام ہوتے ہوتے بارش پھر شروع ہو گئی۔ موسلا دھار۔ بارش تھی یہ جس نے ہماری مصیبت کو دو بالا کر دیا۔ میں دستے کی قطار کے آخر میں لڑکھڑا لڑکھڑا کر چل رہا تھا۔ سر سے پیر تک تربتر، سردی سے کانپتا ہوا اور تھکا ہوا۔ میری ٹانگوں کا یہ حال تھا کہ جب میں ایک کے بعد دوسرا قدم اٹھاتا تھا تو یہ ایک معجزہ ہوتا تھا۔

شام کے ختم ہوتے اور رات کے ابھرتے وقت جب ہم نے ایک پرانے مویشی خانے کے کھنڈر دیکھے اور پڑاؤ ڈالا تو میں زمین پر ڈھیر ہو گیا اور جب اس کی جگہ جس کے ہاتھ میں رسہ تھا، رسہ ڈھیلا چھوڑا تو میں پیٹ کے بل رینگ کر ٹوٹی ہوئی دیوار کے قدموں تک پہنچ گیا۔

اب تک ہم تقریباً نوے میل کا فاصلہ طے کر چکے تھے اور ابھی دو سو میل ایسے ہی اذیت ناک اور خطرناک میل سامنے پڑے تھے۔

میں نے اپنی تھکی ہوئی آنکھیں آہستہ آہستہ کھولیں تو وان ہوزن کو اپنے قریب پایا۔

بکورغ! میں سالا بوڑھا ہو چلا ہوں۔ بس اور کوئی بات نہیں۔" اس کا چہرہ سُتا ہوا تھا اور اس سے انتہائی تھکن ظاہر تھی اس کے باوجود وہ مسکرایا "ایک بات بتاؤں؟ اب میں نے ایک آخری فیصلہ کر لیا ہے۔ یہ سالا لفٹننٹ مجھے ایک آنکھ نہیں بھاتا۔ حرامی پلا کہیں کا۔"

تین الگ الگ الاؤ روشن کئے گئے۔ ان کے لئے لکڑیاں حاصل کرنے کے لئے بہت سے سپاہی درختوں اور جھاڑیوں کے جھنڈ میں گھس گئے۔

اور کچھ ہی دیر بعد بھیگی ہوئی فضا میں کافی اور سور کے نمکین گوشت کی بو تیر کر میرے نتھنوں تک پہنچ رہی تھی۔ ویسے ہی یہ بو اشتہا انگیز تھی اور ہم تو پھر بھوکے تھے۔

کچھ دیر بعد وکٹوریہ نظر آئی۔ اس کے ایک ہاتھ میں کافی کا مگ تھا اور دوسرے میں تسلا جس میں فریجولس تھے۔ وہ ہماری طرف آ رہی تھی۔ دفعتہً کورڈونا کہیں سے بھاگتا ہوا آیا اور لات مار کر لڑکی کے ہاتھ سے مگ لے کر پھینک دیا اور ایک ہاتھ سے اس کی کلائی پکڑ لی۔ اور میں نے وکٹوریہ کے بشرے پر کے جذبات سے معلوم کر لیا کہ اس کی گرفت آہنی تھی جو وکٹوریہ کو تکلیف دے رہی تھی۔

"میں کہہ چکا ہوں کہ ان دونوں کو کھانا وغیرہ نہ دیا جائے گا" وہ گرجا اور پھر وکٹوریہ کے چہرے پر تکلیف کے آثار دیکھ کر گڑ بڑا گیا۔

"دیکھو بیٹے! مزہ آیا اس بیچاری کو تکلیف دے کر؟" ڈان ہوزن نے بڑے سکون سے پوچھا۔

کورڈونا اپنا گھونسہ بلند کر کے اور دانت پیس کر ڈان ہوزن کی طرف گھوم گیا۔ لیکن بڑی کوششوں کے بعد اپنے آپ کو روکا، وکٹوریہ کا بازو پکڑا اور

اسے کچھ گھسیٹتا اور کچھ دھکیلتا لاؤنج کی طرف گیا۔

اندھیرا اترا تو بارش کا زور بڑھ گیا اور اس کے ساتھ ہی ساتھ ہماری تکلیف بھی بڑھ گئی۔ کئی ایک سپاہیوں نے قدرے رحم کا جذبہ محسوس کر کے ہماری طرف دیکھا۔ ہم موسلا دھار بارش میں دونوں گھٹنے اوپر اٹھا کر سینے سے لگائے بیٹھے تھے۔ کبھی کورڈونا نے ہم پر ایک نگاہ غلط انداز بھی نہ ڈالی۔ وہ لاؤنج کے قریب بیٹھا سگریٹ پہ سگریٹ پھونکتا اور کافی کے کپ پر کپ چڑھاتا رہا۔

آخر وکٹوریہ اٹھی۔ اس کے اٹھنے کے انداز سے معلوم ہوتا تھا کہ وہ کوئی ارادہ کر چکی تھی۔ اس نے دو کمبل لئے اور ہماری طرف بڑھی۔

ایک کمبل اس نے وان ہوزن کو دے دیا اور پھر میرے قریب اور مجھ سے لگ کر بیٹھ گئی اور دوسرا کمبل ہم دونوں پر یعنی مجھ پر اور خود اپنے آپ پر پھیلا لیا۔ سپاہیوں نے کنکھیوں سے پہلے کورڈونا کی طرف اور پھر ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔ میں ان کی سرگوشیوں کی آواز سن رہا تھا۔ لیکن حیرت ہے کہ کورڈونا نے اس طرف کوئی دھیان نہ دیا۔ وہ بے تعلق سا بیٹھا اپنے سامنے خلا میں دیکھتا رہا۔ یہ غالباً اس کا تکبر تھا جس نے اسے ہماری طرف متوجہ ہونے سے روک دیا تھا۔ غالباً اسے خوف تھا کہ ہم یا کم سے کم وان ہوزن سپاہیوں کے سامنے اس کی توہین کر دیں گے۔

میں خزاں رسیدہ پتے کی طرح کانپ رہا تھا اور میرے دانت بج رہے تھے لیکن اب میرے جسم میں گرمی آ چکی تھی کیونکہ وکٹوریہ مجھ سے لپٹی ہوئی تھی جب میری کپکپی نہ تھمی تو وکٹوریہ نے میرا سر اپنے شانے پر جھکا کر کمبل میرے سر پر کھینچ لیا اور خود آہستہ آہستہ آگے پیچھے جھولنے لگی جیسے کسی بچے کو سلا رہی ہو۔ اور جب میرے پپوٹے نیند سے بوجھل ہو کر بند ہونے لگے تو میں اس لڑکی کی عمر بھول گیا

میں اس کا گنبد، قبیلہ اور اس کا پس منظر بھی بھول گیا۔ اب وہ میرے لئے ایک پکی عمر کی تجربہ کار عورت تھی جو موقع کی مناسبت سے مناسب کام کرتی تھی اور سچ تو یہ ہے کہ زیادہ تر لڑکیاں تجربہ کار اور پکی عمر کی ہی پیدا ہوتی ہیں اور بہت سی باتیں وہ فطرتاً جانتی ہیں۔

رات کو کسی وقت بارش تھم گئی اور صبح طلوع ہوئی تو آسمان پر بادلوں کا ایک ٹکڑا تک نہ تھا۔ کانپتے ہوئے نیلے گنبد میں سورج جلد ہی بلند ہو گیا۔ ابھی سویرا ہی تھا کہ فضا اتنی گرم ہو گئی اور دھوپ میں ایسی تیزی آ گئی کہ بھیگی زمین خشک ہو گئی۔ پتھریلی زمین سے بھاپ اٹھنے لگی اور گھوڑوں کی ٹاپوں نے دھول کا بادل فضا میں بکھیر دیا۔

میں اور وان ہوزن چونکہ قافلے کے آخر میں تھے اس لئے ہم دھول کے اسی بادل میں سفر کر رہے تھے چنانچہ سانس لینے میں بڑی تکلیف ہوتی تھی اور گرمی ناقابل برداشت تھی۔

اور جب دوپہر کے وقت پڑاؤ ڈالنے کا وقت آیا تو اس وقت تک میرا برا حال ہو چکا تھا۔ بلکہ موت کے قریب اور زندگی سے دور پہنچ چکا تھا۔ راستے میں میں اتنی مرتبہ گرا تھا کہ سپاہیوں کو پوری قطار کو ہر دفعہ کئی منٹوں تک رکنا پڑا تھا۔ جب مجھے پانی دیا گیا تو گویا دوبارہ زندگی عطا ہو گئی۔ اس سے آپ میری قابل رحم حالت کا کچھ اندازہ لگا سکتے ہیں۔

میں خود اپنے حالات پر اتنا پریشان تھا، خود میری اذیتیں اتنی بڑھی ہوئی تھیں کہ میں وان ہوزن کو بھی بھول گیا تھا۔ پتہ نہیں اس سفر میں اس پر کیا

گذری اور وہ کیسے زندہ رہا لیکن جب میں نے پڑاؤ میں اپنی آنکھیں کھولیں اور حواس قدرے درست ہوئے تو دیکھا کہ وان ہوزن میرے قریب ہی پڑا تھا اور اس کی حالت کسی طور بھی مجھ سے بہتر نہ تھی۔

مکو خ !" اس نے مری ہوئی آواز میں کہا" میں نے زندہ رہنے کا فیصلہ کر لیا ہے، محض اس حرامزادے کورڈونا سے انتقام لینے کے لئے اور اگر یہ کر سکوں تو محض آسے جلانے کے لئے۔ اور اب تک زندہ رہ کر میں اسے جلانے میں تو کامیاب ہو گیا ہوں بہت معمولی سی فتح ہے یہ لیکن بہرحال فتح ہے۔"

میرا لڑ کھڑا کر چت ہو گیا۔ میرے بدن میں آگ سی لگی ہوئی تھی۔ کشتورہ پانی سے بھرا ہوا تام لوٹ لئے مجھ پر جھکی ہوئی تھی۔ وہ بیک وقت متفکر خوف زدہ اور برہم دم آنہ دلی تھی۔ میں نے مسکرانے کی کوشش کی تو میرے ہونٹ پھٹ گئے اور میرے منہ سے اذیت و تکلیف کے ہلکی سی چیخ نکل گئی۔

اس نے تھوڑا سا پانی میرے منہ میں ٹپکا دیا اور پھر اپنے ہاتھ سے میرا منہ دھلایا۔ الاؤ کے قریب سے اٹھ کر پانی کا بھرا ہوا مگ لے کر کورڈونا ہمارے سامنے آ کھڑا ہوا اور ہماری طرف دیکھنے لگا۔

" اب اطمینان ہوا ؟" وان ہوزن نے پھٹی ہوئی آواز میں کہا" یا تم چاہتے تھے کہ ہم مر جائیں ؟"

کورڈونا پلٹ کر الاؤ کی طرف چلا گیا۔ اب بھی اس نے اپنی شکست قبول نہ کی تھی۔ جب ہم دوبارہ روانہ ہوئے تو مجھے اٹھا کر ایک خچر کے قریب لے جایا گیا اور میرے ہاتھ زین کے موٹھے سے باندھ دیئے گئے۔ یہ اس لئے کیا گیا تھا کہ میں

ل سپاہیوں کے کھانا کھانے کا خاص برتن جس میں دستہ لگا ہوتا ہے۔ مترجم

چلتے چلتے گر نہ پڑوں اور سپاہیوں کو رکنا نہ پڑے۔ مجھے چلنا تو اب بھی تھا لیکن یہ بھی غنیمت تھا۔ کم سے کم مجھے خچر کا سہارا تو مل گیا تھا۔

مجھ سے چند گز آگے وان ہوزن کے ساتھ بھی یہی سلوک کیا جا رہا تھا۔ اور اس طرح ہم نے ہوئیلا تک کے آخری چند میل طے کئے۔ اس آخری منزل تک سے میں تو زیادہ تر گھسٹتا اور خچر مجھے کھینچتا رہا۔ مجھ میں پیر ہلانے کی بھی طاقت نہ تھی چنانچہ میری گھسٹتی ہوئی ٹانگیں اپنے پیچھے ایک لمبی لیک بناتی آئی تھیں۔

مجھے یاد نہیں کہ ہم کب، کیسے اور کس حال میں ہوئیلا پہنچے۔ مجھے تو صرف اتنا یاد ہے کہ کسی نے میرے چہرے پر بالٹی بھر پانی چھپاک سے مارا اور میں نے ناتوانی سے آنکھیں کھول دیں تو دیکھا کہ کورڈونا مجھ پر جھکا ہوا تھا۔

"کورنج! ہوش میں آجاؤ" اس نے کہا "ہم ہوئیلا پہنچ گئے ہیں"

دو سپاہیوں نے مجھے بازوؤں سے پکڑ کر زبردستی اٹھایا اور ہم ایک سمت میں چل پڑے۔ وان ہوزن میرے آگے تھا۔ اسے بھی دو سپاہی سہارا دیئے ہوئے تھے۔ ہم ایک بہت بڑے اور ٹوٹے ہوئے پھاٹک میں داخل ہوئے اور ایک خاص قسم کی بو نے مجھے مطلع کر دیا کہ میں ایک بار پھر جیل میں پہنچ گیا تھا لیکن کورڈونا کو اس سے بھی اطمینان نہ ہوا تھا چنانچہ اس نے جانے سے پہلے ہمارے پیروں میں بیڑیاں ڈال دیں۔ لیکن مجھے اب کسی بات کی پرواہ نہ تھی۔ میں ہر قسم کے احساس سے پرے پہنچ چکا تھا۔ چنانچہ ادھر کوٹھری کا دروازہ بند ہوا اور ادھر میری آنکھیں بند ہونے لگیں۔ مجھ پر نیند یا شاید غشی نے حملہ کر دیا۔

وہ نیند تھی یا غشی میرے لئے بہر حال ایک نعمت تھی۔

میں کوئی سولہ یا سترہ گھنٹے تک بے خبر سوتا رہا۔ مجھے یاد ہے کہ میں ایک دو دفعہ پیشاب کرنے اٹھا تھا اور ہر دفعہ میں نے وان ہوزن کو کونے میں پڑے دیکھا اور خراٹے لیتے سنا تھا اور مجھے یاد ہے کہ پیشاب کرنے کے فوراً بعد ہی میں آسانی سے گہری نیند سو گیا تھا۔

آخر کار جب میں اپنی نیند پوری کر کے پوری طرح سے بیدار ہو گیا تو یہ دوسرے دن کی سہ پہر تھی۔ وان ہوزن کوٹھری کی چھوٹی سی کھڑکی کے سامنے، جس میں موٹی موٹی سلاخیں لگی ہوئی تھیں، کھڑا باہر دیکھ رہا تھا۔

اس نے مسکرا کر میری طرف دیکھا اور پوچھا:—

"کیسا حال ہے؟"

"بہت برا" میں نے اپنے پیٹ پر ہاتھ رکھ دیا جو ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے بہت بڑا گڑھا ہو" یہاں کھانے کو کچھ نہیں ہے؟"

"کونے میں سوپ کا پیالہ رکھا ہوا تھا لیکن اس میں اتنے بہت سے پھٹروں کی لاشیں تیر رہی ہیں کہ میں کوشش کے باوجود شمار نہیں کر سکا وان ہوزن نے جواب دیا" میں تمہاری لونڈیا کا انتظار کر رہا ہوں"۔

"دکتور یہ کیا!" میں اٹھا تو میرے جوڑ ایسے اکڑ گئے تھے کہ میرے منہ سے بے اختیار کراہیں نکل گئیں" میں سمجھا نہیں؟"

"آج صبح وہ یہاں آئی تھی، میرا مطلب ہے کھڑکی کے باہر۔ چنانچہ میں نے کھڑکی میں سے اسے پچاس پیسو کے دو نوٹ دیئے تھے جو میں نے اپنے جوتے میں چھپا رکھے تھے اور اسے ہدایت کر دی تھی کہ وہ ہمارے لئے کھانے کی کچھ چیزیں لے آئے" دفعتہً وہ خوشی سے مسکرایا" لو وہ آ رہی ہے"

میں نے کھڑکی میں سے جھانک کر دیکھا۔ اس طرف چھوٹا سا صحن اور اس

کے بیچ میں فوارہ تھا۔ وہاں کوئی انسان نظر نہ آتا تھا۔ اور صحن کا پھاٹک کھلا تھا۔
وکٹوریہ نے میری طرف دیکھا اس کے بشرے سے فکر و پریشانی عیاں تھی۔
"تمہیں یہ خطرہ مول نہ لینا چاہئے تھا" وکٹوریہ میں نے کہا۔
وہ مسکرائی اور کھڑکی کی سلاخوں کے درمیان سے چیزیں وہاں ہوزن کو دینے لگی۔ شراب کی ایک بوتل، ڈبل روٹی، زیتون، دو لمبے سا سیج، آرٹ اس سگریٹ کے دو پیکٹ اور دیا سلائیاں۔
"بڑے خوش خوراک ہو میرے دوست" ایک آواز آئی
اور دائیں طرف کی محراب کے اندھیرے میں سے کرنل بونیلا سامنے نکل کر سامنے آگیا۔
"بونیلا! لڑکی کا کوئی قصور نہیں ہے۔ اس کی سزا اسے نہ دینا" وہ قریب آیا تو میں نے کہا۔ "وہ بیچاری تو صرف ہماری مدد کر رہی ہے"
وکٹوریہ نے نگاہیں اٹھا کر بونیلا کی طرف دیکھا تو اس نے اس کے گال تھپتھپا کر کہا:۔
"جاؤ لڑکی اور دیکھو۔ آئندہ سے احتیاط کرنا ورنہ مصیبت میں پھنس جاؤ گی"
اور یہ دیکھ کر میری حیرت کی انتہا نہ رہی کہ وہ بونیلا کی طرف دیکھ کر مسکرائی بڑی موہوم سی مسکراہٹ تھی لیکن مسکراہٹ تھی ضرور۔ پھر وہ میری طرف دیکھ کر مسکرائی اور چلی گئی۔
بونیلا نے کہا:۔ "دوستو! اس زندگی میں جب کھا سکتے ہو جی بھر کر اندر پیٹ بھر کر کھا لینا ضروری ہے بلکہ یہ عقلمندی ہے کیونکہ کہا نہیں جا سکتا کہ دوسرا کھانا اس دنیا میں میسر آئے گا کہ نہیں"
یہ بظاہر مبہم لیکن بے چین کر دینے والی بات کہہ کر بونیلا پیچھے ہٹ گیا اور

محراب کے اندھیرے میں جا کر غائب ہو گیا۔

پانچواں باب

میرے والد آخر دم تک کٹر فینی[1] رہے۔ ان کی موت انگریزوں کی قید میں اور تپ دق سے واقع ہوئی چنانچہ وہ مجھے میرے دادا کے سپرد کر گئے جن کا نام مکین باؤن کوخ تھا اور جو کیری کا کے علاقہ کے اسٹراد بیلا کے قصبے میں رہتے تھے۔

یہاں میں یہ بتا دوں کہ مکین باؤن کے معنی ہیں ننھا سفید مائیکل۔ ان کے اس نام کی وجہ تسمیہ میری سمجھ میں تو نہ آئی یہ اور بات تھی کہ ان کے بال بچپن سے ہی برف کی طرح سفید تھے لیکن ان کا قد ساڑھے چھ فٹ تھا اس دبو قامتی کے باوجود وہ بڑے رحم دل تھے لیکن جب نشے میں ہوتے تھے تو بے درد بن جاتے تھے۔ اور میں نے دیکھا ہے کہ جب وہ نشے میں ہوتے تھے تو بہ یک وقت چھ تگڑے مزارعوں کو پیٹتے اور وہ ان کے سامنے سے بھاگ جاتے تھے کیونکہ وہ اور بہت سی باتوں کے علاوہ انعام یافتہ گھونسے باز بھی تھے۔

چنانچہ میری پرورش کیری کا کے فارم میں اور آئرستان کے بہترین گھوڑوں کے درمیان ہوئی۔ اور وہاں فارم پر گھوڑوں کی سواری کے لئے دلچسپی کا کوئی اور سامان تھا ہی نہیں اور وہاں زندگی نہ تو مجھے کچھ دے سکتی

---

[1] فینی آئرستان کی اس جماعت کے رکن کو کہتے ہیں جس کا مقصد آئرستان میں انگریزی قوم کی حکومت کو ختم کر دینا تھا۔ مترجم

تھی اور نہ ہی میں اس سے کچھ حاصل کر سکتا تھا۔ ہمارا ضلع اتنا غیر آباد اور اُجاڑ سا تھا کہ جب دوسرے ضلع میں کتے بھونکتے تھے تو ہم ان کی آواز سن سکتے تھے۔ وہاں خدا کی یاد دلانے کے لئے خوشبو سے بھرپور خوبصورت صبح تھی اور لبیں۔ نہ کوئی ابتدا تھی اور نہ انتہا۔ وقت میرے لئے ایک دائرے میں گھومتا تھا۔ یکساں صبحیں، وہی دوپہر اور ویسی ہی شامیں اور بھائیں بھائیں کرتی راتیں اور پھر دفعتہ دادا پر انکشاف ہوا کہ میں ذہین تھا چنانچہ انھوں نے مجھے ناکبری کی جزوقتی درس گاہ میں بھیج دیا کہ وہاں سے میں اسکالر اور ہو سکے تو مہذب بن کر نکلوں۔

اور جب مجھے سرجنوں کے کالج اور یونیورسٹی میں داخلہ مل گیا تو دادا کی خوشی کا کوئی پار نہ رہا۔ وہ اپنے پوتے پر فخر کرنے لگے۔ اس کے باوجود ہم دونوں نظر تا ایسے ہی رہے جیسے کہ پیدا ہوئے تھے۔ نہ تو ان کے مزاج میں کوئی تبدیلی آئی اور نہ میرے۔

میں سرجری سیکھنے کے لئے ڈبلن گیا اور وہاں میری ملاقات مائیکل کولنس نامی ایک شخص سے ہوئی جس نے میرے لئے ایک دوسرا ہی کام ڈھونڈھ لیا۔ ایسٹر کی بغاوت کے بعد میں واپس یونیورسٹی چلا گیا۔ یہ مائیکل کولنس کا حکم تھا۔ اور وہاں اپنا وقت گزارنے لگا۔ بعد کے برسوں میں دوہری رہا اور دوہری زندگی گزارتا رہا۔ دن کے وقت تو میں ایک ذہین اور فرمانبردار طالب علم تھا۔ اور یہ آپ جانتے ہیں بڑا محفوظ بہروپ تھا۔ اور رات کے وقت انقلابی جماعت کا ایک جوشیلا اور ممتاز... ایجنٹ روگس کونی۔ یعنی ہنما ایڈ مونڈ کونی۔ مائیکل کولنس ... مضبوط بایاں بازو کہا کرتا تھا اور خدا بہتر جانتا ہے کہ میں نے اس ... ... کے لئے کہ آپ کا

جو جی چاہے کہہ لیں، ان دنوں بہت سے آدمیوں کو قتل کیا تھا۔

چنانچہ ہماری قید کے پہلے تین دنوں میں، ہم نے دان ہوزن کو اپنی اس زندگی کے زیادہ تر حالات بتا دیئے۔ سچ تو یہ ہے کہ میں اس شخص کو پسند کرنے لگا تھا کیونکہ اسے دیکھ کر مجھے اپنے دادا یاد آ گئے تھے۔ بہر حال ہمارے پاس باتیں کرنے کے علاوہ اور رنہ ہی کیا گیا تھا۔ نہ تو ہمیں کوئی کام دیا گیا تھا اور نہ ہی ورزش وغیرہ کی گنجائش تھی۔ ہم بیکار اور بیزار تھے اور وقت کاٹنے کی کوشش کر رہے تھے۔

ہمیں اس حد تک مجبور کر دیا گیا کہ ہمیں کھانا بھی دن میں ایک وقت دیا جاتا تھا اور وہ بھی کا سٹر ایسا سوپ جو ایک پرانے ٹین کی ڈول میں لایا جاتا تھا ہم یہ سوپ پینے پر مجبور تھے کیونکہ اب وکٹوریہ آتی ہی نہ تھی کہ ہم قصبے کے بازار سے اس کے ہاتھ کچھ منگوا لیتے۔ اور یہ وکٹوریہ کا قصور نہ تھا۔ پہلی دفعہ دان ہوزن نے اس کے ذریعہ کھانا منگوایا تھا اور یہ پتہ چلا آ گیا تھا تو اسی وقت سے کھڑکی کے باہر بھی مسلح سپاہیوں کا پہرہ لگا دیا گیا تھا۔

تین دن اسی طرح گزر گئے اور یہ تین آہستہ آزمائشی تھے کہ بردبار سے بردبار آدمی غضبناک بن جائے۔

مجھے یاد آئے کہ اندھیرا اترنے سے کچھ پہلے ایک... دان ہوزن کھڑکی کے سامنے کھڑا تانا ہوا اپنے پھیپھڑوں میں پہنچانے کی کوشش کر رہا تھا، دفعتہ وہ دانت پیس کر گھوم گیا اور اس کی نظریں کسی ایسی چیز کو تلاش کرنے لگیں جس کو ایک لات رسید کر کے وہ اپنا غصہ ٹھنڈا کر سکے۔

"میں نے سنا ہے کو خ کہ انگریزوں کے خلاف جب تم نے بغاوت کی ہے تو ایک وقت میں دس ہزار مسلح باغی ہم انگریزوں کے مقابلہ میں آ گئے ہیں

بقیہ ملک کو کیا ہو گیا تھا؟

میں جانتا تھا کہ کسی سوچے سمجھے ہوئے مقصد کے لیے وہ مجھے اکسانے کی کوشش کر رہا تھا لیکن میں اتنی آسانی سے پھنسنے والا نہ تھا۔

"ہمارے پاس زیادہ ہتھیار نہ تھے" میں نے جواب دیا۔

اس نے قہقہہ لگایا۔

"مجھے بے وقوف سمجھ رکھا ہے کوغ؟ صاف صاف کیوں نہیں کہتے کہ تمہارے جیسے سر پھرے اور خونیوں کا ہی گروہ تھا وہ جس نے انگریزوں کا مقابلہ کیا تھا اور وہ بھی محض اپنی دلچسپی کی خاطر۔ طالب علموں کا ایک گروہ جو سچ مچ کے ہتھیار استعمال کر رہا تھا اور یہ تم لوگوں کے لئے بے حد دلچسپ اور انوکھی بات تھی"

"تمہارا خیال شاید صحیح ہے" میں نے بشاشت سے کہا اور مڑے تڑے پیکٹ میں سے آخری سگریٹ نکال لی۔

وہ برہم ہو گیا۔ اس نے سختی سے کہا۔

"میں نے کسی اخبار میں پڑھا تھا کہ تمہارے وطن میں چوری چھپے اتنے بہت سے خون ہو رہے تھے کہ حکومت کو یہ قانون نافذ کرنا پڑا تھا کہ جب کوئی شخص سڑک پر سے کسی پولیس والے کے سامنے سے گزرے تو اپنے دونوں ہاتھ اوپر اٹھالے"

"چند علاقوں میں شاید ایسا ہی تھا"

"میں شرط بدنے کے لئے تیار ہوں کہ ایسا ہی تھا اب وہ پوری طرح سے برانگیختہ ہو چکا تھا" اپنے واہیات مقصد کے لئے تم نے کتنوں کو ٹھکانے لگایا کوغ؟"

"جتنوں کو بھی ٹھکانے لگانے کا موقع ملا مسٹر ان ہوزن" میں نے اسے

بڑے سکون سے مطالعہ کیا۔

وہ سامنے کھڑا مجھے غصے سے گھورتا رہا کسی بپھرے ہوئے بھینسے کی طرح جو حملہ کرنے کے لیے تیار ہو۔ اب یہ مسئلہ غور طلب ہے کہ اگر بحث آگے بڑھتی تو نتیجہ کیا ہوتا لیکن اس بحث کا خاتمہ اس آواز نے کر دیا جو دروازے میں کنجی کے گھومنے سے پیدا ہوئی تھی۔

دروازہ کھلا اور لفٹننٹ کورڈون داخل ہوئے۔ وہ سنہری کریز کیے ہوئے خاکی یونیفارم میں چھیلا بنا ہوا تھا اور اس کے پالش شدہ جوتے کوٹھری کے اندھیرے میں جگمگا رہے تھے۔

"تو۔۔۔ سوبجر صاحب تشریف لائے ہیں" وان ہوزن نے کہا "اب یہ نہ کہنا جناب من کہ اب آپ یہاں عمدہ اور پیٹ بھر کر کھانا دیا جائے گا۔"

"اس سے بھی بہتر کچھ" کورڈون نے جواب دیا اور ہم دونوں سے اشارے سے باہر نکلنے کو کہا۔

وہ ہمیں باہر صحن میں لے آیا۔ وہاں چھ سپاہی بندوقیں لیے کھڑے تھے۔ ہم آگے بڑھے تو ہماری بیڑیاں صحن میں جھنجھناتی ہوئی گونجنے لگیں۔ صحن عبور کر کے ہم اس محراب نما گزرگاہ میں پہنچے جس کے دونوں طرف حجرے سے بنے ہوئے۔ وہاں سے نکلے تو پائیں باغ میں پہنچے۔ ایک دروازہ کھول کر دیا تھا۔ چنار کے درخت میں جگنوؤں نے آگ سی لگا رکھی تھی اور برآمدے میں کرنل بونیلا بید کی کرسی پر بیٹھا ہوا تھا۔

کورڈونا کی طرح اس نے بھی عمدہ سلا ہوا یونیفارم اور چمکدار جوتے پہن رکھے تھے اور صوفی صد فوجی معلوم ہوتا تھا۔

"انھیں اندر لے آؤ" اس نے کورڈونا سے کہا اور پھر خود اٹھ کر اس کمرے

میں چلا گیا جس کی ساری کھڑکیاں کھلی تھیں۔

یہ کمرہ آراستہ تھا اور صاف ظاہر تھا کہ بونیلا کے دفتر کا کام دے رہا تھا ایک میز تھی، ایک کرسی اور دیواروں پر علاقے کے مختلف نقشے لٹک رہے تھے اور ایک کونے میں لوہے کا چھوٹا سا پلنگ پڑا ہوا تھا۔

وہ میز کے پیچھے کرسی میں بیٹھ گیا، منہ میں سگار دبایا اور کورڈونا نے اس کا سگار جلا دیا۔ وہ کرسی میں پیچھے کی طرف جھک کر اور پھیل کر آرام سے بیٹھ گیا۔ بہت دیر تک اتنی دیر کہ ہم دونوں بے چینی محسوس کرنے لگے، ہماری طرف دیکھتا رہا اور پھر اس نے زبان کھولی۔

"ہم — اس جوڑی کی داد دیتا ہوں۔ دنیا میں اس سے بہتر جوڑی مل ہی نہیں سکتی۔ بہت عمدہ۔ حیرت انگیز دو شیطانوں کی جوڑی۔ واقعی حیرت انگیز"

"تمہاری جگہ میں ہوتا تو ایسا نہ کہتا۔" وان ہورن نے کہا۔

"نہ کہتے مقدس باپ؟ میرا تمہیں اب بھی مقدس باپ کہنا برا تو معلوم نہیں ہوا؟"

"تمہارا جو جی چاہے مجھے کہہ سکتے ہو۔ مجھے برا معلوم نہ ہوگا۔" وان ہورن نے بشاشت سے جواب دیا۔

"شکریہ۔ چنانچہ اب مجھے بہت سے نام منتخب کرنے کا موقع مل گیا ہے بدمعاش؟ خونی؟"

چور؟ لٹیرا؟" بونیلا میری طرف گھوم گیا" مسٹر کورنر! اگر میں یہ کہوں تو تم یقین کرو گے کہ یہ شخص سونے کی انگوٹھیاں حاصل کرنے کی خاطر مردے کی انگلیاں ٹھنڈے پن سے کاٹ سکتا ہے؟ یقین کرو گے کہ مردے کی ایسی بے حرمتی کرتے وقت یہ شخص ذرا بھی جھجک اور رحم اور کراہت تک

کا جذبہ بھی محسوس نہیں کرتا ۔ بڑا چھٹا ہوا بدمعاش ہے یہ شخص ۔ میں جانتا ہوں کہ اس شخص کو امریکہ میں کم سے کم دو دفعہ سزائے موت سنائی جا چکی ہے "

" پیک کا بدمعاش ۔ بے شک ۔ اسی نام سے مشہور تھا میں ۔ خان ہوزن نے کہا " اور کچھ ؟ "

" اور تمہیں ساتھ بھی ایسا ملا ہے مقدس باپ کہ اللہ ملائی جوڑی والا معاملہ ہو گیا ہے ۔ آئرستان دی پبلک کے اس نمائندے نے، جو میکسیکو میں مقیم ہے، ہمیں بے حد دلچسپ معلومات بہم پہنچائی ہیں ۔ تمہارے یہ ساتھی مسٹر ایمیٹ کوخ بے حد خطرناک آدمی ہیں ۔ یہ آئرستان کے مشہور ترین پستول باز قاتل ہیں اور کئی برسوں تک اس جماعت کے رکن رہے ہیں جو اسکوا ڈ کے نام سے مشہور ہے ۔ اس ہنگامہ پسند اور خونی جماعت کا سرغنہ تھا مائیکل کولنس سینور ایمیٹ نے اتنے بہت سے آدمیوں کو قتل کیا ہے کہ ان کی تعداد خود انھیں بھی یاد نہیں "

" کچھ بھی ہو اور تمہارا جو جی چاہے کہو میں بہر حال آئرستان کی وطن پرست اور آزادی پسند جماعت کا رکن تھا "

" بہت عمدہ ۔ لیکن یہ تو بتاؤ سینور کہ ہرموسا کی کان کمپنی میں بھی آئرلینڈ کے لئے لوگوں کو گولی مار رہے تھے ؟ کیا وہ بھی تمہاری وطن پرستی تھی ؟ کتنے آدمیوں کو قتل کیا ہے تم نے وہاں ؟ پانچ یا چھے ؟ "

" ان لوگوں نے ایک پادری کو پھانسی پر لٹکا دیا تھا اور یہ تم بھی بخوبی جانتے ہو " میں نے کہا ۔

" چنانچہ میں وہ کام کر رہا تھا جس کی اجرت مجھے دی گئی تھی "

اس نے میری اس بات کو سنی ان سنی کر کے کہا ۔

• ہاں۔ بے حد خطرناک آدمی مسٹر کوخ۔ حد درجہ متعصب اور متشدد ۔۔۔ انگریزوں سے چھٹکارا حاصل کر کے بھی انہیں اطمینان نہ ہوا تو یہ وطن پرست مسٹر کوخ اور ان کے وطن پرست ساتھی خود اپنے لیڈروں کے خلاف ہو گئے اور اپنے وطن کو بد ترین خانہ جنگی کی آگ میں دھکیل دیا۔ ایک دلچسپ بات یہ ہے مسٹر کوخ کہ تمہاری حکومت تمہیں حاصل کرنا چاہتی ہے لیکن اس لئے نہیں کہ تمہیں کوئی اعزاز دے بلکہ اس لئے کہ تمہیں فائرنگ اسکواڈ[1] کے سامنے کھڑا کر دیا جائے۔ تمہاری حکومت کی طرف سے مجھے جو رپورٹ ملی ہے اس میں ایک واقعہ کا ذکر خصوصیت سے کیا گیا ہے۔ اور وہ واقعہ یہ ہے کہ تم نے [illegible] ۔۔۔ ابھی چار مہینے پہلے ۔۔۔ اس موقع پر کی [illegible] تمہاری آزاد مملکت کی چار مقدس ہستیوں کو یعنی چار [illegible] ان چاروں کو تم نے قتل کر دیا۔

میرا دل ایک قلابازی کھا گیا۔ اس کی نظر [illegible] تھی اور میرا حلق خشک ہو گیا کیونکہ وہ بات مجھے یاد آ گئی تھی جسے پچھلے چار مہینوں سے میں بھلانے کی کوشش کر رہا تھا اور جسے میں نے دبا رکھا تھا۔

"اور ان چار میں سے ایک تمہارا حقیقی بھائی تھا۔ تمہارا بڑا بھائی کرنل سیمن کوخ!"

میرا سر جھک گیا۔ [illegible] دنیا گھومنے لگی۔ میری آنکھیں جواب دے گئیں اندھیرا سا چھا گیا۔ [illegible] میز کا کنارہ دونوں ہاتھوں سے پکڑ لیا۔ اور اسی

۱۔ فوجیوں کی وہ ٹکڑی جس کے ذمہ مجرموں ۔۔۔ یعنی سیاسی مجرموں اور جاسوسوں کو ۔۔۔ گولی مار دینے کا کام ہوتا ہے۔ جلاد ٹکڑی۔ مترجم

وقت مجھے احساس ہوا کہ وان ہونڈن نے نمایاں طور پر چونک کر میری طرف دیکھا تھا۔

"جہنم میں جاؤ مردود" میں نے بونیلا سے کہا۔

"وہ تو تمہاری منزل ہے مسٹر کورنج۔ ملٹری کی عدالت نے تمہارے دوست کے لئے بھی، آج سہ پہر کے اجلاس میں، سزائے موت تجویز کی ہے چنانچہ کل صبح تم دونوں کو گولی ماردی جائے گی"

وہ اٹھا اور مزید کچھ کہے بغیر کمرے سے نکل گیا۔ میں جس حالت میں تھا اسی حالت میں، یعنی دونوں ہاتھوں سے میز پکڑے کھڑا رہا۔ میرا دم گھٹنے لگا تھا۔

دفعتہً میں نے اپنی کہنی کے نیچے ایک ہاتھ محسوس کیا۔ ساتھ ہی وان ہونڈن کی آواز سنائی دی۔

"کورنج! ہمت سے کام لو۔ چل سکتے ہو؟"

"میری لغت میں ہمدردی کا لفظ سرے سے ہی نہیں"

اور میں نے گھوم کر اس کی طرف دیکھا تو اس کے تھکے ہوئے اور دو چار جھریوں والے چہرے پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ اور یہ ایک ایسی مسکراہٹ تھی کہ ایسی مسکراہٹ میں نے کبھی کسی کے چہرے پر نہ دیکھی تھی۔ اس میں تسلی تھی ہمت تھی اور جرأت تھی اور حقیقی خلوص تھا۔

"بس حضور! اب چلو یہاں سے" کورڈون نے کہا۔

اور یہ پہلی دفعہ اس کا لہجہ نرم تھا اور وہ بھی محض اس لئے کہ ہم دونوں مردے تھے جو چل رہے تھے۔

وان ہونڈن نے گویا مجھے پچکارتے ہوئے کہا۔

"کونخ! تم کسی کا بھی سہارا لئے بغیر اپنے آپ چلتے اور مسکراتے ہوئے اس کمرے سے باہر نکل گئے۔ سمجھے؟"

ایک بار پھر اس نے مجھے دادا کی یاد دلادی۔ لیکن یہ اس نے سچ کہا تھا۔ میں اپنے نام کو بٹہ نہ لگنے دوں گا۔ نہ آج رات اور نہ کل صبح۔

میں نے ایک لمبا سانس لیا۔ اپنے آپ کو سنبھالا' میرے دل سے ہمت کے سوتے پھوٹ نکلے اور میں اپنے آپ چلتا ہوا ان دونوں' یعنی دان ہوزن اور کورڈوں سے آگے آگے کمرے سے باہر آ گیا۔

قید خانے کی کوٹھری سرد تھی' ناقابل برداشت حد تک سرد۔ اور باہر کی دنیا میں تھوڑی دیر رہنے اور وہاں کی کھلی ہوا کے بعد یہاں کی بدبو پہلے سے کہیں زیادہ تیز اور دماغ پراگندہ کر دینے والی معلوم ہوئی۔

میں کھڑکی کے سامنے جا کھڑا ہوا اور باہر رات کے اندھیرے میں دیکھنے لگا۔ کچھ دیر بعد دروازے میں ایک بار پھر کنجی گھمائی گئی' دروازہ کھلا اور کھونڈ نا اندر آ گیا۔ وہ سگریٹوں کے دو پیکٹ اور تنکوں کے خول میں لپٹی ہوئی شراب کی ایک بوتل لے کر آیا تھا۔ اس نے یہ چیزیں فرش پر رکھ دیں اور ایک بھی لفظ کہے بغیر باہر چلا گیا۔

دان ہوزن نے کہا:۔

"یقین نہیں آتا کونخ لیکن اس حرامی پلے کے سینے میں بھی دل ہے۔ لو یار پیو"

اس نے بوتل میری طرف بڑھا دی۔ میں کہہ چکا ہوں کہ سکیلو کی یہ واہیات شراب مجھے پسند نہ تھی لیکن بہرحال یہ جسم میں گرمی پیدا کر دیتی تھی

چنانچہ میں نے چند گھونٹ حلق سے اتارے اور بوتل دان ہوزن کو دے دی۔

اس نے کہا۔

"کوخ! اس واقعہ کے متعلق کچھ کہنا پسند کرو گے؟"

اب یہ واقعی عجیب بات تھی۔ میں نے اسے نہ صرف پادری کے بھیس میں بلکہ بڑی سنجیدگی سے پادری کا پارٹ کرتے دیکھا تھا "ماشو کی سرائے میں شین گن چلانے کے بعد میں اسے ایک بالکل ہی مختلف روپ میں دیکھ چکا تھا، لیکن اس پرسکون زمانے کے نشیب و فراز سے واقف، تجربہ کار اور ہمدرد انسان کا اب یہ ایک نیا رخ تھا حتیٰ کہ اس کا لہجہ اور بولنے کا انداز تک بدل گیا تھا۔

"دان ہوزن؟ خدا کے لئے۔ کتنے روپ ہیں تمہارے؟ کتنی مختلف شخصیتوں کے مالک ہوتے تم؟" میں نے پوچھا۔

"بات یہ ہے کہ لوگوں کو الجھن میں ڈال دینے سے مجھے مزا آتا ہے۔ لیکن یہ میرے سوال کا جواب نہیں ہے"۔

"بہت اچھا" میں نے کہا" لیکن یہ داستان طویل نہیں ہے۔

"تاہم ۔۔ سناؤ۔ طبیعت ہلکی ہو جائے گی"۔

"سنو۔ میرا بھائی عمر میں مجھ سے چھ سال بڑا تھا۔ وہ ۱۹۱۴ء میں ڈبلن کی فوج میں شامل ہوا اور انگلستان کی طرف سے جنگ کرتا رہا۔ تم جانو یہ وہ عادت ہے جسے آئرستانی بڑی مشکل سے ترک کر سکتے ہیں۔ اس کی خدمات کی قدر کر کے اسے فیلڈ مارشل اور پھر ۱۹۱۶ء میں کیپٹن بنا دیا گیا۔

"اس کی سیاست کا رنگ بھی وہی تھا۔ جو تمہاری سیاست کا تھا؟"

"میرے خیال میں ۔۔۔ تمہارا اندازہ غلط نہیں ہے۔ خیر تو اپنی دائیں ٹانگ کے لنگ کے باوجود وہ ترقی کر کے محفوظ دستے کا افسر بن گیا۔ ہم دونوں میں اختلاف

اس وقت ہوا جب انگریزوں سے صلح ہو گئی۔ کولنس کی طرح میرا بھائی بھی ان لوگوں میں سے تھا جو کہتے تھے کہ بھوکوں مرنے سے تو بہتر ہے کہ آدمی کو دو نالی سے

۔ لیکن تم سر پھرے اور جذباتی قسم کے انقلابی تھے۔

اندھیرا اتنا گاڑھا ہو گیا تھا کہ میں ہاں ہنڈن کی صورت نہ دیکھ سکتا تھا اور یہ اچھا ہی تھا۔ اگر اس کے چہرے پر طنز نظر آتا تو میں شاید اس سے جھگڑ پڑتا۔

میں نے کہا ۔ میں جانتا نہ تھا کہ اس دن ڈرم دون سے جو موٹر لاری گذر رہی تھی اس میں میرا بھائی بھی تھا۔

۔ جنگ میں اس قسم کے واقعات ہوتے ہی رہتے ہیں۔

۔ ہمیں توقع تھی کہ اس لاری میں ڈو میزنل کمانڈر ہوگا اور اسی لئے میں نے گھات لگائی تھی۔

۔ خیر آگے کہو۔

۔ سڑک کے کنارے ایک شراب خانہ تھا کہ ولسن سلیکٹ بار نام تھا اس کا۔ اس کی اوپری منزل کی کھڑکی میں سے میں نے مشین گن چلا کر اپنے بھائی کو اور اس کے تینوں ساتھیوں کو بڑی صفائی اور پھرتی سے مار ڈالا۔ لیکن وقت موسلا دھار پانی برس رہا تھا اور سڑک پر اس وقت کوئی نہ تھا۔ مائیکل کولنس کا کہنا تھا کہ دہشت پسندی کا مقصد ہی حکومت کو دہشت زدہ کرنا ہے اور میں اس قول پر ایمان لاکر اس حد تک آگے بڑھ چکا تھا کہ اب پیچھے ہٹنا میرے لئے ممکن نہ تھا۔ ڈرم دون والے المیہ کے بعد بھی میں اپنے خیالات بدل نہ سکا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ آخر کار مجھے بھاگ کر پہاڑیوں میں پناہ لینا پڑی کیونکہ اب وقت گذر چکا تھا۔

۔ کوئی زندگی میں کسی بھی بات کا وقت نہیں گذر سکتا۔ تم اس کا کفارہ

ادا کر سکتے ہو، سنبھل سکتے ہو، برے سے بھلے کی طرف گھوم سکتے ہو؟"
"کیا بکواس ہے — تو پھر پادری کا پارٹ کرنے لگے ہو؟"
اور اس میں پھر تبدیلی آ گئی۔ حیرت ہے کہ یہ شخص کس طرح فوری طور پر اپنا مزاج بدل سکتا تھا۔
"میری ایسی کی تیسی۔ تم سچ کہتے ہو کورخ۔ لیکن یہ بھی سالی مجبوری ہے۔ میں نے رہبانیت کی تعلیم حاصل کی ہے چنانچہ اکثر دفعہ "رگ رہبانیت" پھڑک اٹھتی ہے۔ وہ میرا نقش اول تھا اور کہتے ہیں کہ نقش اول ہی نقش آخر ہوتا ہے — ورنہ پوری زندگی ناک دھول سے زیادہ کچھ بن ہی نہیں سکتی؟"
"یہ میں ہی ہوں"
"کیا مطلب؟"
"تم نے جو کچھ کہا ہے وہ مجھ پر سو فیصدی صادق آتا ہے۔ نقش اول ہی نقش آخر — ٹھیک ہے۔ میں ایک بے درد خونی تھا اور ہوں میرے دل میں رحم و کرم کا جذبہ ہی سرے سے نہیں ہے۔ میں وہ ہوں جسے سنگدل کہتے ہیں۔ حقیقت میں سنگدل؟"
"یہ تو میں نہیں جانتا۔ لیکن اس ریڈ انڈین لڑکی وکٹوریہ کے واقعہ کے متعلق کیا کہتے ہو؟ ماشو کی سرائے میں تم نے اس کی عزت بچائی تھی اور اس کی وجہ سے پھانسی پر چڑھتے چڑھتے رہ گئے تھے۔ اسے رحم دلی اور انسانیت نہ کہو گے کورخ؟"
اس کی اس بات میں ایک طرح کی تسلی تھی اور مجھے لمحہ بھر کے لئے وکٹوریہ یاد آ گئی۔ میں اس کے متعلق سوچنے لگا۔ اس کی بڑی بڑی اور کالی آنکھیں پہاڑی جھیل کی طرح پرسکون، اس کی جلد کی خوشبو، نازکی اور

اس رات کی موسلادھار بارش میں جب میں کانپ رہا تھا اور وہ مجھ سے لپٹی ہوئی تھی تو اس کے جسم کی سوندھی سوندھی گرمی ـــ یہ سب باتیں مجھے یاد آگئیں۔

" میں تو یہی کہوں گا وان ہوزن اس پر جتنا میرا احسان ہے اتنا ہی تمھارا بھی ہے " میں نے کہا " اگر تم عین وقت پر نہ آگئے ہوتے اور ہماری مدد کی ہوتی تو ـــ "

" میرے طرزِ عمل سے نہ مقصد چسپاں کرنے کی غلطی نہ کرو کوئی جس کا سرے سے وجود ہی نہ ہو ۔ اس کی آواز پھر کرخت تھی اور ایک بار پھر وہ قنوطی بن چکا تھا : اس رات جب میں نے ٹاشو کی سرائے میں قدم رکھا تھا تو میرا کچھ بھی مقصد اور ارادہ نہ تھا ۔ چنانچہ جو کچھ ہوا وہ بے اختیاری تھا ۔ صورت حال ایسی تھی کہ میں اپنے آپ کو روک نہ سکا ۔ میرے اس پاگل پن میں کوئی بندھا ٹکا اصول کام نہ کر رہا تھا ۔ اور بھائی اب میں بہت زیادہ بکواس کر چکا ہوں چنانچہ اب سونے دو مجھے "

وہ اٹھا، کونے میں رکھی ہوئی بالٹی میں پیشاب کیا، واپس آکر چٹائی پر لیٹ گیا اور جب اس نے اپنے پیر لمبے کیے تو اس کی آہنی بیڑیاں بج اٹھیں۔

میں کھڑکی کے سامنے اس کی سلاخیں دونوں ہاتھوں سے پکڑ کر رات کے ٹھنڈے آسمان اور تاروں کی طرف دیکھتا رہا ـــ تارے جو شاید وقت سے بھی زیادہ بوڑھے تھے ۔ کل رات بھی یہی آسمان اور یہی تارے ہوں گے لیکن منھا امیٹ کو رخ نہ ہوگا ۔ صبح اسے گولی مار دی جائے گی چنانچہ رات تک ـــ کل اس وقت تک اسے اس دنیا سے رخصت ہوتے بارہ گھنٹے گزر چکے ہوں گے۔

خدا رحم کرے میرے حال پر ـــ اور جب میں نے آج تک کی اپنی زندگی پر غور کیا تو وہ مجھے رحم انگیز حد تک بے کار اور بے مقصد معلوم

ہوئی۔ کیا دیا تھا مجھے اس واہیات زندگی نے؟

صبح سات بجے گارڈ یا سارجنٹ ہمارے لئے کافی لے آیا۔ صرف کافی۔ کھانا نہیں اور صورت حال کے پیش نظر یہ بڑی عقلمندانہ بات تھی موت سامنے ہو تو بھوک مر جاتی ہے۔

اس کے بعد پورے دو گھنٹے تک ہمیں ہمارے حال پر چھوڑ دیا گیا۔ وان ہوزن کے پاس کہنے کو کچھ نہ تھا۔ چنانچہ وہ خاموش تھا۔ صبح کی ٹھنڈی اور دھندلی روشنی میں وہ اپنی عمر سے کئی سال زیادہ بڑا معلوم ہوتا تھا۔ اس کی داڑھی بے ترتیب تھی اور چہرہ گندہ تھا خود میری ظاہری حالت اس سے بہتر نہ ہوگی اور دل تھا کہ انجانی اور مایوس کن گہرائیوں میں ڈوبا جا رہا تھا۔ صحن میں آتی ہوئی آوازیں ستم بالائے ستم تھیں۔

مارچ کرتے ہوئے پیروں کی دھمک اور پھر سارجنٹ کا آرڈر سنائی دیا اور وان ہوزن اٹھ کر کھڑکی کے سامنے پہونچا۔ دفعتہً کچھ الجھی ہوئی سی آوازیں، چیخ و پکار، اور پھر ایک خاراشگاف چیخ سنائی دی۔

"کیا ہو رہا ہے باہر؟" میں نے پوچھا۔

"وہ لوگ کسی بیچارے کو گولی مارنے کی تیاری کر رہے تھے اور مرنے والا خوفزدہ ہے۔"

میں اٹھ کر وان ہوزن کے قریب پہونچا اور کھڑکی سے جھانک کر صحن میں دیکھا۔ دیوار کے سامنے اور صحن کے انتہائی سرے پر ایک چوبی ستون گڑا ہوا تھا۔ سپاہی ایک قیدی کو اسی ستون سے باندھنے کی کوشش کر رہے

تھے لیکن قیدی یوں دیوانہ وار ہاتھ پاؤں چلا رہا تھا کہ کسی طرح سپاہیوں کے قابو میں آتا ہی نہ تھا چار سپاہیوں کی ان تھک کوشش آخرکار بار آور ثابت ہوئی اور جب وہ اسے ستون سے باندھ کر سامنے سے ہٹ گئے تو میں نے ستون سے بندھے ہوئے قیدی کی صورت دیکھی اور اسے پہچانتے ہی میرے منہ سے ایک طنزیہ قہقہہ پھوٹ نکلا۔

"بوڑھے ماشو نے ٹھیک ہی کہا تھا کہ بعض اوقات خدا بادلوں میں سے نیچے جھانک لیتا ہے" میں نے کہا۔

"جانتے ہو تم اسے؟"

اس نے اثبات میں سر ہلایا۔

"کون ہے؟"

"کیپٹن جوز اورٹیز۔ یونیلو کا چیف آف پولس"

"وہی جس نے تمہارے اجازت نامے پر دستخط کئے تھے؟"

میں نے پھر اثبات میں سر ہلایا۔

"یہ یونیلا نو سالا بڑا تیز ثابت ہوا۔ اپنے پیروں تلے گھاس اگنے نہیں دیتا" ڈان ہوزن نے کہا۔

اورٹیز اپنے آپ کو مزید ذلیل نہ کر سکا کیونکہ سپاہیوں نے اس کے منھ میں کپڑا ٹھونس دیا تھا اور اس کی آنکھوں پر پٹی باندھ دی تھی۔

گو ڈونا اس سزا کی کارروائی کے چارج میں تھا اور میں کسی سمجھ میں نہ آنے والی مریضانہ وجہ کے باعث کٹہرے کے سامنے سے نہ ہٹا لیکن میں نے اپنے دور میں بہت سے آدمیوں کو اس طرح مرتے دیکھا تھا چنانچہ اس سزا میں مجھے نہ تو کوئی دلچسپی تھی اور نہ ہی یہ مجھے "حقیقی" معلوم ہو رہا تھی ایک حکم

"فائر" — پھر بندوقوں کی تڑتڑاہٹ اور ستون سے بندھا ہوا انسان وجود سے عدم وجود میں پہنچ گیا۔ یوں چشم زدن میں اس کی زندگی ختم ہو گئی۔ اس میں ظاہر ہے کہ کوئی دلچسپی نہ تھی۔ دیکھنے والا ایک طرح کی تشنگی محسوس کرنے لگتا تھا۔

جب میں کھڑکی کے سامنے سے ہٹا تو سپاہی ہمیں لے جانے آ گئے۔ سارجنٹ اور چھ مسلح سپاہی ہمیں اپنے درمیان لے کر چلے اور ہمیں سفید دیواروں والے ٹھنڈے گلیارے میں لے آئے۔ یہاں ہماری بیڑیاں کھول دی گئیں۔

اور ہم انتظار کرنے لگے۔

چند ثانیوں کے بعد ہمارے عقب میں دروازہ کھلا اور زنجیر کی جھنکار سے پتہ چلا کہ ایک اور قیدی کو بھی لایا گیا ہے۔ میں نے یوں ہی گردن گھما کر پیچھے دیکھا اور مارے حیرت کے بت بن گیا۔

جوناس دو سپاہیوں کے درمیان کھڑا ہوا تھا اس کا سوٹ اتنا گندہ ہو رہا تھا کہ کسی بھنگی کا لباس بھی اتنا غلیظ نہ رہا ہو گا۔ اس کے موٹے چہرے سے پسینہ ٹپک رہا تھا۔

اس کی آنکھیں پھیل گئیں اور بغیر کسی شرمندگی کے اس نے کہا۔

"اوہ مسٹر کورنر! بہت چھوٹی دنیا ہے یہ کہ ہم اتنے جلد پھر مل گئے۔"

جوناس کی یہ ڈھٹائی ایسی تھی کہ میں ہنسے بغیر نہ رہ سکا۔

"ان سے ملئے" میں نے وان ہوزن سے کہا "یہ ہیں میرے بہترین دوست مسٹر جوناس"

"آ — ہا — تو یہ ہیں وہ صاحب جو دھمکی اور بندوقوں میں تمیز نہیں

کر سکتے" وان ہوزن نے اس کی طرف مسکرا کر دیکھا۔ اس کی اس مسکراہٹ میں تیز نشتر تھے" میرے دوست! تم ان لوگوں کے لئے کم سے کم بڑا ہی جسیم ہدف ثابت ہو گے"

جوناس نے وان ہوزن کے اس طنز کی طرف کوئی دھیان نہ دیا۔ سپاہیوں نے اس کی چھڑی اب تک اس کے ہاتھ سے لی نہ تھی۔ چنانچہ جب وہ اس کی بیڑیاں کھولنے لگے تو جوناس اپنی چھڑی پر جھک گیا۔

"سٹروڈنغ! جو کچھ ہوا ہے اس کا مجھے واقعی افسوس ہے۔ سارا پورا معاملہ ہی گڑبڑ ہو گیا۔ قصور بے شک میرا ہے جناب۔ اگر میں اس کی تلافی کر سکا تو یقین کرو کر دوں گا۔ فی الحال تو تم اس خیال سے اپنے آپ کو تسلی دے لو کہ ہم دونوں کا حشر ایک سا ہونے والا ہے"

"میں اس قسم کے کسی خیال سے اپنے آپ کو تسلی نہیں دے سکتا۔ میں نے اسے مطلع کیا۔

دروازہ کھلا اور اپنے ہاتھ میں کاغذ کا پلندہ لے کر کورڈونا اندر آ گیا۔ اس نے سارجنٹ کی طرف دیکھ کر سر ہلایا اور وہ، یعنی سارجنٹ، جوناس کو بازو سے پکڑ کر آگے اور کورڈونا کے سامنے لے آیا۔

"پادل جوناس" کورڈونا نے پلندے کے پہلے صفحہ کی تحریر پڑھتے ہوئے کہا، عمر ان کی ساٹھ سال، کسی زمانے میں کونٹ دکوسی کے نام سے مشہور اور کبھی آسٹریا کے شاہی گارڈ کے کرنل......"

"میں پوچھتا ہوں اب یہ گڑے مردے کھودنا ضروری ہے کیا؟" جوناس نے تھکے ہوئے انداز میں کہا۔

"حکومت سے فریب کرنے کے الزام پر آسٹریا کی فوجی عدالت نے تم پر

مقدمہ چلایا تھا اور تمھیں سزاوار قرار دیا تھا۔ کیونکہ تمھارا جرم ثابت ہوگیا تھا اور عدالت کا فیصلہ یہ تھا کہ تمھیں اسی وقت گولیاں ماری جائیں جب تک کہ تم مر نہیں جاتے "۔

"تو پھر میں درخواست کروں گا کہ اس فیصلے پر جلد از جلد عمل کیا جائے" جوناس نے کہا۔

کورڈونا نے رشما سے سلام کر کے دروازہ کھول دیا۔ جوناس نے باہر جانے سے پہلے میری طرف گھوم کر کہا۔

"مسٹر کورخ! مجھے واقعی افسوس ہے کہ میری وجہ سے تم اس مصیبت میں پھنس گئے۔ خدا گواہ ہے کہ اس کا مجھے افسوس ہے۔ خدا حافظ اور گڈ لک"۔

جوناس کی یہ دیدہ دلیری بڑی سنسنی خیز تھی اور جب وہ باہر جا رہا تھا تو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ سپاہی اسے نہیں بلکہ وہ سپاہیوں کو مقتل کی طرف لئے جا رہا ہے۔

اور جوناس کا معاملہ بھی جلد ہی طے ہو گیا۔

ایک چیختا ہوا آرڈر "فائر"۔ بندوقوں کے دھماکے اور پھر پستول کا ایک تنہا دھماکا اور معاملہ ختم ہو گیا۔

چند منٹ بھی نہ گزرے تھے کہ دروازہ کھلا اور کورڈونا اور اس کے ماتحت گلیسارے ہیں آ گئے۔

اب وان ہوزن کی باری تھی اور اس سے پہلے کہ ہم کچھ سمجھ سکتے تھا وہ جبلے اور پچھے سپاہی اسے یوں حلقے میں لے چکے تھے گویا انھیں یقین تھا کہ قیدی گڑبڑ مچائے گا۔

جب وہ دان ہوزن کو دھکیلتے ہوئے دروازے کی طرف لئے جا رہے تھے تو اس نے گردن گھما کر میری طرف دیکھا اور ٹھہری ہوئی آواز میں کہا:۔

"پشیمان ہونے کی کوئی ضرورت نہیں کورنج"

اس کی اس ہدایت سے میرے حلق میں مٹھی برابر کوئی چیز پھنس گئی۔ میرا گلا رندھ گیا۔ میں نے آنکھیں بند کر لیں اور اپنی باری کا انتظار کرنے لگا۔ سردی کی لہر میری ہڈیوں کے گودے میں سرایت کر رہی تھی۔ موت برحق ہے۔ موت سب کے لئے ہے۔ وہ اٹل ہے۔ لیکن اس کے اٹل پن پر کوئی غور نہیں کرتا کوئی اسے یاد نہیں کرتا۔ اگر ایسا ہو تو زندگی ناقابل برداشت بن جائے لیکن یہاں تو بات ہی دوسری تھی۔ میں سچ مچ اور خوفناک طور پر جانتا تھا کہ میں مرنے والا تھا۔ میری زندگی اور موت میں چند گھڑیوں کا ہی فاصلہ رہ گیا تھا۔

باہر بندوقیں گرجیں اور میں جس حالت میں تھا اسی طرح آنکھیں بند کئے کھڑا رہا اور قدموں کی دھمک سنتا رہا جو میری طرف بڑھ رہی تھی۔
جب میں نے آنکھیں کھولیں تو کورٹونا سامنے کھڑا پلندے کے آخری صفحہ کی تحریر پڑھ رہا تھا:۔

"ایسٹ کورنج، عمر چھبیس سال، برطانوی شہری ....."

وہ یہ نام رہا تھا اور اس کی آواز میرے کانوں میں بھنبھناہٹ کی طرح داخل ہو رہی تھی۔ میں سن نہ رہا تھا۔ میں اس کے پیچھے برآمدے میں دیکھ رہا تھا۔ فرش کے پتھروں پر ستونوں کے لیٹے ہوئے سائے، صبح کے اجالے میں موٹی موٹی سلاخوں کی طرح معلوم ہوتے تھے۔ اور پھر ہم چل پڑے میں سپاہیوں کے درمیان تھا۔ وہ مجھے برآمدے میں اور وہاں سے صحن میں لے آئے اور پھر

مجھے اس ستون تک پہنچا دیا گیا جس کے قدموں میں پتھروں پر میں تازہ خون دیکھ سکتا تھا۔

جب وہ لوگ میری آنکھوں پر پٹی باندھ کر چلے گئے تو میرا دماغ منجمد ہو گیا۔ اور مجھے یوں محسوس ہوا جیسے یہ مجھے نہیں کسی اور کو گولی ماری جا رہی تھی۔ میری ساری حسیں شاید مردہ ہو چکی تھیں کیونکہ اب میں خوف کا شائبہ تک محسوس نہ کر رہا تھا اور مجھے کوئی ایسی دعا یاد نہ آ رہی تھی جسے میں اپنے آخری وقت میں پڑھ سکتا۔

کورڈون نے بندوقیں بھرنے کا حکم دیا اور پھر میں نے ہر بندوق کو الگ الگ بند ہوتے سنا۔ کیونکہ یہ لوگ کچھ نومشق سے معلوم ہوتے تھے یا پھر یہی کام کرتے کرتے اب تھک گئے تھے۔

کورڈون کی آواز نے انھیں تیار کر دیا۔ ایک لمحہ — قیامت کا ایک لمحہ جس میں میں نے اپنے بھائی کی روح سے معافی مانگ لی۔

اور پھر دھائیں۔ "دھائیں" کانوں کے پردے پھاڑ دینے والے دھماکے۔

یہ بات تو صاف تھی کہ میں اب بھی زندہ تھا لیکن یہ بات میری سمجھ میں نہ آ رہی تھی، کسی طرح نہ آ رہی تھی کہ مجھے ایک گولی بھی نہ لگی تھی۔ خدا جانے یہ کیا ہو رہا تھا۔

ایک لمحہ تک خاموشی کا وقفہ رہا اور پھر قدموں کی چاپ سنائی دی جو میری طرف بڑھ رہی تھی۔ میری آنکھوں پر سے پٹی کھول دی گئی اور دھوپ میری آنکھوں میں گھس گئی۔

سامنے کورڈونا کھڑا ہوا تھا۔ وہ پُرسکون تھا لیکن رنگ زرد ہو رہا تھا۔

"سینور! میرے ساتھ آیئے" اس نے بڑی متانت سے کہا۔

سارجنٹ میرے بندھن کھول رہا تھا۔ میں نے اپنے خشک ہونٹوں پر خشک زبان پھیر کر کہا:۔

"لفٹننٹ! خدا کے لئے! یہ کیا مذاق ہے؟"

وہ کچھ بھی کہے بغیر پلٹ کر برآمدے کی طرف چل دیا۔ میں اپنی جگہ پر بت بنا کھڑا رہا تو سارجنٹ نے اپنی بندوق کا کندہ میری پیٹھ پر رکھ کر مجھے آگے ڈھکیل دیا ہم محراب نما گزرگاہ عبور کرکے ایک بار پھر پائیں باغ میں آ گئے۔ وہاں بونیلا تو نہ تھا لیکن وان ہوزن اور جوناس تین سپاہیوں کی حراست میں دیوار کے قریب کھڑے ہوئے تھے۔ میں ٹھہر کر حیرت سے ان لوگوں کی طرف دیکھنے لگا۔

"تم نے کتاب ایلس ان ونڈرلینڈ تو پڑھی ہوگی مسٹر کوخ؟" جوناس نے کہا" اس میں ایلس ایک اصطلاح استعمال کرتی ہے۔ استعجاب در استعجاب"۔

وان ہوزن خاموش رہا اس کے بشرے سے وحشت برس رہی تھی۔ اس شکار ہونے والے جانور کی طرح جس نے خطرے کی بو پالی ہو اور پھر ہم دونوں کو بات چیت کرنے کا موقع بھی نہ دیا گیا۔ کورڈونا سیدھا دفتر میں داخل ہوگیا اور سارجنٹ ہم تینوں کو بھی اس کے پیچھے ہی پیچھے دفتر میں لے آیا۔

بونیلا اپنی میز کے پیچھے بیٹھا ناشتہ اڑا رہا تھا۔ اس نے نظر اٹھا کر دیکھا نیپکن سے اپنا منھ پوچھا اور کورڈونا کی طرف دیکھ کر سر ہلایا۔ جواب میں اس نے سارجنٹ اور اس کے ماتحتوں کو دفتر سے باہر بھیج دیا اور خود دروازے کے قریب مستعد کھڑا ہوگیا۔

"دوستو! تمھارے لئے اس دن کی ابتدا بڑی ناخوشگوار رہی ہے" بونیلا نے کہا" لیکن اس واقعہ سے یہ ایک بات تو تم پر واضح ہو گئی ہوگی کہ تم تینوں کی زندگی میری مٹھی میں ہے۔

اور ہم تینوں میں سے" یہ دان ہوزن تھا جس نے زبان کھولی۔

"ٹھیک ہے" اس نے کہا" لیکن تم چاہتے کیا ہو؟ یہ سب کیا لفڑا ہے؟

"لفڑا؟ ہم۔ بے حد مناسب لفظ ہے اس کے لئے" بونیلا نے کہا" حسب حال لیکن لفڑا آسان ہے۔ سینور دان ہوزن! میں چاہتا ہوں کہ ایک بار پھر تم پادری کا پارٹ ادا کرو اور مجھے کہنا پڑتا ہے کہ تم یہ پارٹ بڑی خوبی سے ادا کرتے ہو۔"

دان ہوزن حیرت سے اس کی صورت تکنے لگا۔

"کیا کہا؟ کیا کہا؟" وہ بولا۔

"اور سینور جوناس ایک بے عمدہ قسم کے بزنس مین بنیں گے۔ سو فی صد کاروباری آدمی کیونکہ ان کی کاٹھی ایسی ہی ہے یہ اپنی جسامت کی وجہ سے خوشحال، امیر بلکہ صاحب جائداد معلوم ہوتے ہیں چنانچہ لوگ انھیں آنکھیں بند کر کے بزنس مین یقین کر لیں گے۔"

"آپ کی اس تعریف کا شکریہ، جناب" جوناس نے طنزاً کہا۔

لیکن بونیلا سنی ان سنی کر کے میری طرف گھوم گیا۔

"اور مسٹر کوخ" اس نے کہا" تمھارا کام سب سے زیادہ آسان ہے۔ بلکہ اگر میں یہ کہوں تو غلط نہ ہوگا کہ مسٹر دان ہوزن کی اصطلاح میں یہ لفڑا تمھارے جیسے کالی ذہانت کے مالک کے لئے ہی بنایا گیا ہے۔"

اور پھر وہ مسکرایا۔ عجیب مسکراہٹ تھی یہ۔

"تم تینوں کو صرف یہ کرنا ہے کہ میری خاطر ایک آدمی کا خاتمہ کرنا ہے" اس نے کہا

چھٹا باب

"انقلاب کے بعد پورے ملک میں ایک عام ابتری پھیلی ہوئی ہے اور پورے میکسیکو کے کسی علاقے میں نہیں ہے۔ اور تشدد کا سب بڑا اور برا مرکز ماجوڈا ہے جو سائیرا ماڈرے کی شمالی پہاڑیوں کے نشیب میں واقع ہے۔"

اور بونیلا نے نقشے پر اپنے چابک کے دستے سے وہ جگہ بتائی۔ میں نے ایک قدم آگے بڑھ کر غور سے دیکھا۔ یہ جگہ ہونیلا سے تیس یا چالیس میل دور تھی۔ یہ ایک ایسی بستی تھی جو پہاڑوں میں سے گزرتے ہوئے تجارتی راستے پر کوئی دو صدی قبل پہلے دفعہ پیدا ہو گئی تھی۔

"ٹھیک ہے۔ لیکن تم چاہتے کیا ہو؟" دان ہوزن نے بے تابی سے پوچھا۔

"ذرا صبر سے کام لو۔ ہاں تو میں اس پورے علاقے کا، جس کا مرکز ہونیلا ہے ملٹری گورنر ہوں اس کے باوجود یہاں سے صرف تیس میل دور طوائف الملوکی کا دور دورہ ہے۔

یہاں سے صرف تیس میل کے فاصلے پر نہ کوئی قانون ہے اور نہ کوئی ضابطہ۔ میرے پہلے آنے والے گورنر ماجوڈا کو قابو میں لانے میں ناکام رہے ہیں۔ کچھ نہیں کر سکے ہیں اس کے متعلق"

"لیکن میرا تو خیال تھا کہ گھڑ سوار فوج اس قسم کے ہنگاموں کو دبانے کے لئے ہی ہوتی ہے" میں نے کہا

"اس پورے علاقے میں نظم و نسق قائم رکھنے کے لئے میرے پاس دو سو آدمی ہیں۔ لیکن ماجوڈا کو قابو میں لانے اور وہاں نظم و نسق قائم کرنے کے لئے ایک پوری فوج

بھی ناکافی ہے۔ ماضی قریب میں میں نے چند آدمی اس طرف روانہ کیے پر نتیجہ کچھ بھی نہ کر سکے۔ دوستو۔ اس سارے ہنگامے کی جڑ ایک شخص ہے۔ بے حد عجیب و غریب قسم کا آدمی ہے یہ جس کا نام ہے تامس دی لاپلیٹا ہے۔ کسی زمانے میں یہ میرا نائب تھا اور اس وقت تک میجر کے عہدے پر فائز رہا جب تک کہ اس نے حکومت سے منہ نہ موڑ لیا۔

اس نے یہ آخری الفاظ یوں کہے جیسے اسے سچ مچ اس شخص کے باغی بن جانے کا افسوس ہے۔

"کسی زمانے میں" اس نے سلسلۂ کلام جاری رکھتے ہوئے کہا "دی لاپلیٹا خاندان اس علاقے میں بڑی بڑی جاگیروں کا مالک تھا۔ اب اسی خاندان کے پاس جاگیر کے نام موجود ہے: ہر ایک کھیت میں ٹوٹا پھوٹا مکان، چند ایکڑ زمین اور ایک پرانی چاندی کی کان باقی رہ گئی ہے۔ پچھلے اس بارہ برسوں سے یہ کان بند پڑی ہے۔"

"اب بھی کوئی رہتا ہے وہاں؟" میں نے پوچھا۔

"تامس کا باپ ڈان اینجل دی لا پلیٹا اور اس کی بیٹی یعنی تامس کی بہن شیلا رہتی ہے اور تامس بھی۔"

"یہ تو خدا ہی بہتر جانتا ہے کہ اس کا ٹھور ٹھکانہ کہاں ہے۔ آج یہاں سے تو کل وہاں۔ ابھی پچھلے مہینے ہی تامس اور اس کے آدمیوں نے رات کو چلنے والی ڈیرا ایکسپریس ٹرین کو لوٹ لیا۔ اسی پر اکتفا نہ کرتے ہوئے اس نے انجن ڈرائیور کو گولی مار دی اور پھر ریل کو ڈھلان کی طرف پوری رفتار سے چھوڑ دیا۔ پانچ میل کی دیوانہ وار دوڑ کے بعد وہ پٹڑی پر سے اتر گئی۔ تقریباً تیس آدمی مر گئے اور بہت سے بڑی طرح زخمی ہوئے۔"

"اور اس کے بعد بھی لوگ اس کے گروہ میں شامل ہو رہے ہیں" اندر اس کی حمایت

کر رہی ہیں؟" دانِ ہدرن نے پوچھا۔

"بسینڈر! کئی برسوں سے موت اور مصائب میرے ملک کا خاصہ رہے ہیں۔ یہ دونوں چیزیں ہماری زندگی کا عنصر بن چکی ہیں صرف انقلاب میں تیس لاکھ آدمی مارے گئے۔ اس تعداد کے مقابلے میں تیس آدمی کیا حقیقت رکھتے ہیں۔"

"بہت عمدہ منطق ہے اور تسلی بخش بھی" بیمس نے کہا" لیکن اس شخص تامس کے متعلق میں صحیح طور سے سمجھ نہیں سکا کہ وہ کیا ہے؟ ایک غیر مطمئن اور ناخوش انقلابی یا سیدھا سادا ڈاکو؟"

"یہ تو خدا ہی بہتر جانتا ہے یا پھر خود تامس جانتا ہے" بونیلا نے بڑی احتیاط سے ایک سگریٹ ہاتھی دانت کے کالے ہولڈر میں پھنسا دی" جب اس سے میری پہلی ملاقات ہوئی تو اس وقت تعلیم سے فارغ ہو کر یونیورسٹی سے تازہ تازہ باہر آیا تھا۔ پوری طرح سے مادہ پرست تھا وہ۔ اس کے نزدیک ہر چیز غلط تھی چنانچہ ہر چیز کو بدلنا ضروری تھا۔"

"اگر ایسا ہی ہے تو پھر وہ خود اپنے حلقے میں ہر دلعزیز نہ رہا ہوگا" جنا اس نے کہا۔

"تمہارا خیال غلط نہیں ہے۔ لوگوں کی صف میں اپنے آپ کو شامل کر کے اور ان کے مقصد میں اپنے آپ کو ضم کر کے اس نے بہت کچھ گنوایا ہے حتیٰ کہ خود اس کے باپ نے بھی تامس کو عاق کر دیا۔"

"لیکن اس نے اس کی کوئی پروا نہ کی" بیمس نے کہا۔" محض ایک مقصد کی خاطر ہم۔م۔م۔ یہ تامس تو میرا اہم عنصر معلوم ہوتا ہے۔"

بونیلا اداسی سے مسکرایا۔

"یہ میرا تجربہ رہا ہے کہ اس قسم کے مادہ پرست انتہا پسند بھی ہوتے ہیں۔

دیوانگی کی حد تک انتہا پسند۔ اور کاملیت سے نیچے کچھ چاہتے ہی نہیں۔ بجائے اپنے اس مقصد میں جس کی خاطر وہ لڑ رہے ہیں یا کاملیت اپنے ساتھیوں کے ساتھ بھی۔

"اور اس دنیا میں کاملیت کا ملنا مشکل ہے۔" دان ہوئن نے کہا۔

"زندگی میں ہمیں کچھ سمجھوتے کرنے پڑتے ہیں۔ ہم جو چاہتے ہیں اسے اور اس کے عوض ہمیں جو کم و بیش ملتا ہے اس کے مابین ہمیں سمجھوتا کر کے زندگی کو قبول کرنا پڑتا ہے۔ ہر آرزو صرف آخر تک پوری نہیں ہوتی۔ لیکن تامس اس قسم کا سمجھوتا کرنے میں ناکام رہا ہے۔"

"تو پھر آخر میں یہ ہوا کہاں اٹکا؟" میں نے پوچھا۔

"یہ ایک زبردست ملحمہ ہے۔ انقلاب کے کامیاب انجام کے بعد تامس کا تبادلہ یہاں، ہوئیلا میں کر دیا گیا۔ کیونکہ وہ اس علاقے سے اپنی ہتھیلی کی طرح واقف تھا۔ اس وقت یہاں کے فوجی گورنر کرنل وارگا تھے۔ تامس کو ان کا نائب بنا دیا گیا۔ یعنی سیکنڈ اِن کمانڈ۔ لیکن معلوم ایسا ہوتا ہے کہ ان دونوں میں بنی نہیں۔ یہ"

"اس وجہ تھی اس اَن بن کی؟"

"بڑا اسانڈ قسم کا آدمی تھا یہ وارگا۔ مزدور تھا جو اپنی ذہانت سے ترقی کے مراحل طے کر کے اس عہدے پر پہنچا تھا۔ بے حد اکھڑ آدمی تھا لیکن اپنے طور پر ایک عمدہ سپاہی تھا۔ وہ اس عہدے تک پہنچ تو گیا تھا لیکن تہذیب اسے چھو نہیں گئی تھی چنانچہ وہ انگلیوں سے کھانا کھاتا تھا۔ آپ میرا مطلب سمجھ گئے ہوں گے۔ ایک صبح وہ اپنے بستر میں اس طرح پڑا ملا کہ اس کا گلا ایک کان کی لو سے دوسرے کان کی لو تک کٹا ہوا تھا۔ دوسرے لفظوں میں اسے ذبح کر دیا گیا تھا۔ صرف یہی نہیں بلکہ اس کا عضو مخصوص بھی کاٹ لیا گیا تھا۔ بڑی سنسنی خیز ستم ظریفی تھی یہ۔"

"اور تامس؟"

"وہ غائب ہو گیا۔ اسینور کسی کو پتہ نہ چلا کہ اسے زمین نگل گئی یا آسمان نے اٹھالیا۔ لیکن ایک مہینے بعد وہ پھر ظاہر ہوا تو تیس چالیس بدمعاشوں کا سردار تھا اور تب اس نے فوج کے اس دستے کو لوٹ لیا۔ سپاہیوں کے لئے اشیائے خورد و نوش کا ذخیرہ لادے تھا۔ اسی قسم کے کئی غیر قانونی اور ظالمانہ کارناموں میں سے اس کا یہ پہلا کارنامہ تھا۔"

"اور اسے آدمی کہاں سے مل جاتے ہیں؟" وان ہوزن نے پوچھا۔

"یہ وہی غیر مطمئن لوگ ہیں جو ہر ملک میں انقلاب کے بعد پیدا ہو جاتے ہیں جیسا کہ مسٹر کوخ خود اپنے تجربہ کی بنا پر ہم سب سے بہتر طور پر جانتے ہیں۔" یہ بڑی غلط بڑی سخت بات کہی تھی۔ "اور یہ وہ لوگ ہوتے ہیں جو کسی بھی قسم کے اقتدار کو قبول نہیں کرتے ماچوڈا کے علاقے میں لوگ مکمل ترین آزادی کے مزے لے رہے ہیں۔ ان پر کسی کا اختیار نہیں ہے۔ ان سے ٹیکس وصول نہیں کیا جاتا کیونکہ حکومت کا ٹیکس وصول کرنے والا افسر اس علاقے میں نہیں جاسکتا۔ وہاں کوئی قانون نہیں ہے کوئی ضابطہ نہیں۔ اور کوئی انصاف نہیں ہے کیونکہ پولیس کا ایک افسر بھی وہاں نہیں رہ سکتا وہ لوگ مذہب اور چرچ سے بھی آزاد ہیں۔ پچھلے اٹھارہ مہینوں میں تین پادری وہاں گئے۔ دو کو قتل کر دیا گیا اور تیسرا ریگستان میں اس طرح بھٹکتا ملا کہ اس کے کپڑے تار تار ہو گئے تھے، اسے مار مار کر ادھ موا کر دیا گیا تھا۔ وہ پادری پاگل ہو گیا۔"

وان ہوزن نے اس انکشاف کے بعد بھی کچھ نہ کہا تو میری حیرت کی انتہا نہ رہی کیونکہ اسے پادری بن کر ہی وہاں جانا تھا۔

"جوناس لٹنا جس نے کہا۔"

"تم کہنا یہ چاہتے ہو کہ ماچوڈا کو اپنا مرکز بنا رکھا ہے اور جہاں اسے کوئی گرفتار نہیں کر سکتا وہ محفوظ رہے ہیں؟"

اس کے بر خلاف یوں کہنا زیادہ مناسب ہوگا کہ ٹامس اکثر و بیشتر اسی علاقے میں اور وقتاً فوقتاً ماجوڈا میں آجاتا ہے۔ البتہ یہ امر بات ہے کہ اس کے چند آدمی ماجوڈا میں ہر وقت موجود رہتے ہیں کہ لوگوں کو دبا رکھیں۔"

"تو وہاں کے زیادہ تر لوگ اسے پسند نہیں کرتے؟" میں نے کہا۔

"وہ اس سے ڈرتے ہیں سینور! میں خود تین دفعہ وہاں گیا ہوں۔ ہر دفعہ میں نے پورے ایک مہینے تک سپاہیوں کا رسالہ رکھا لیکن کسی نے کچھ نہ بتایا۔ ٹامس یا اس کے اڈے کے متعلق ایک لفظ تک نہ کہا۔

"ٹھیک ہے کرنل" وان ہوزن نے کہا۔ "اس فضول سی بحث کو چھوڑ کر مناسب ہوگا کہ مطلب کی بات کی جائے۔"

"اس سال کی جنگ میں تیس لاکھ آدمی مارے گئے اور معاشی حالت خستہ ہو گئی۔ میرے ملک میں بہت کچھ ہو گیا اور لوگوں نے بہت کچھ برداشت کیا۔ اب ہمیں امن و سکون کی ضرورت ہے تاکہ ہم وہ مسائل حل کر سکیں جو فوری توجہ چاہتے ہیں۔ چنانچہ ہمارے یہاں ٹامس دی پلاٹا جیسے لوگوں کے لئے کوئی جگہ نہیں ہے۔ وہ جتنے زیادہ عرصے تک زندہ رہے گا اتنے ہی زیادہ غیر مطمئن لوگ اس کی تلاش میں پہاڑوں کی طرف روانہ ہوتے اور اس کے گروہ میں شامل ہوتے رہیں گے۔ اور میں نہیں چاہتا کہ ایسا ہو۔ میں اس کا سر چاہتا ہوں۔"

"اور تم چاہتے ہو کہ اس کا سر ہم لے آئیں؟" وان ہوزن نے پوچھا۔

"ہاں۔ اگر تم اس کا سر لے آئے تو نہ صرف یہ کہ میں تمہیں آزاد کر دوں گا بلکہ تمہارے چرمی بیگ کا رسالہ بھی تمہیں واپس دے دوں گا۔ سینور جو ٹامس کو ان کا ہوٹل واپس مل جائے گا اور اگر انھوں نے ایسا نہ کیا جیسا میں کہہ رہا ہوں تو حکومت ان کا ہوٹل ضبط کر لے گی۔"

"اور میں؟" میں نے پوچھا۔ "میرا کیا؟"

"تم سینور کونٹ آزاد ہو گے کہ اپنے راستے سیدھے جہنم میں چلے جاؤ۔" اس نے ایک لمبا سانس لے کر کہا۔

اس کی یہ بات میرے دل میں چبھ گئی اور ایک خیال بجلی کی سی تیزی سے میرے دماغ میں کوند گیا۔

میرے اس خیال کو جیسے اس نے زبان دیتے ہوئے کہا۔

"لیکن سینور فرض کرو کہ ہم یہاں سے روانہ ہونے کے بعد ما چوڑا نہ جائیں بلکہ بھاگ جائیں، بس غائب ہو جائیں تو تم کیا کرو گے؟"

"تم ایسا نہیں کر سکتے۔"

"کیوں نہیں کر سکتے؟"

"اس لئے تم بھاگ کر کہاں جاؤ گے؟ تم میں سے کوئی بھی فرار نہیں ہو سکتا۔ اور اگر فرار ہوئے بھی تو کتنی دور تک پہنچ پاؤ گے؟ ایک سو میل؟ دو سو میل؟ اور دوسری دفعہ تم بچ نہ سکو گے یہ سمجھ لو۔ میں نے نہ صرف تمہیں موت کے جبڑوں سے نکالا ہے بلکہ زندہ رہنے کا ایک ذریعہ بھی مہیا کر دیا ہے۔ تم تینوں کیسے ہی کیوں نہ ہو میرے نزدیک بے حد زیرک اور ہوشیار آدمی ہو۔"

وان ہینزن نے گھوم کر سوالیہ نظروں سے پہلے میری طرف اور پھر جونااس کی طرف دیکھا۔

"بہت اچھا کرنل" اس نے کہا "ہم تیار ہیں۔ اچھا اب یہ بتاؤ کہ تمہاری تجویز کیا ہے؟"

بونیلا نے ذرا بھی خوشی کا اظہار نہ کیا کیونکہ وہ جانتا تھا کہ ہم بہر حال اس کی پیش کش قبول کر لیں گے کیونکہ اس کے علاوہ اور کوئی چارہ نہ تھا۔

"میں بتا چکا ہوں" جوناس نے کہا "کہ بوڑھے نیبو ڈی لا پلاٹا ایک پرانی کان کا مالک ہے۔ جس میں چاندی کی کان ہے یہ۔ بڑے میاں ایک عرصے ایک کے بعد کان کمپنیوں کو اس طرف متوجہ کرنے کی کوشش کر رہے ہیں کہ کوئی بھی کمپنی اس کو ساجھی دار بنا کر اس کی کان سے چاندی نکالنے کا کام شروع کر دے۔ بوڑھے انکل ڈی لا پلاٹا پر میرا وقت پڑا ہے اور وہ مفلسی میں دن گزار رہا ہے۔"

"تاماس اس کی مدد نہیں کرتا؟"

"باپ بیٹے میں کبھی بنی نہیں حالانکہ تاماس اکثر باپ کے گھر اپنی بہن شسینا سے ملنے جایا کرتا ہے جسے وہ بہت زیادہ چاہتا ہے۔"

"خیر تو اس کان کا کیا قصہ ہے؟" والس جوزن نے پوچھا۔

"چونکہ اس علاقے کے حالات سازگار نہیں ہیں۔ وہاں تاماس اور اس کے ساتھیوں کا زور ہے اس لئے کوئی بھی کمپنی ڈی لا پلاٹا کی کان میں کھدائی کرنے کے لئے تیار نہیں ہے۔ میں اس لئے جانتا ہوں کہ اس علاقے کی ڈاک ہوٹیلا ہو کر جاتی ہے اور میں نے اپنے طور پر چند خطوط پڑھنے کا شرف حاصل کر لیا ہے۔ چنانچہ گزشتہ کل ہی میں نے اس کمپنی میں حصہ لینے کا فیصلہ کر کے تمہارے نام سے، سینور جوناس، بوڑھے ڈی پلاٹا کو ایک خط لکھ دیا ہے۔"

"لکھ دیا ہے؟ میرے خدا!" جوناس نے کہا۔

"یہ معلوم کر کے تمہیں مسرت حاصل ہوگی مسٹر جوناس کو نکسیکو سٹی کی ہر مرا مائننگ کمپنی کے طور پر آئندہ چند دنوں میں اپنے اسسٹنٹ کے ساتھ ماجوڈا پہنچ گے گا تاکہ بذات خود ڈی لا پلاٹا کی کان کا معائنہ کر سکو۔"

"میرا اسسٹنٹ!" جوناس نے حیرت سے کہا۔

"مسٹر کوٹ تمہارے ساتھ تمہارے اسسٹنٹ کے طور پر جا رہا ہے۔ مسٹر کوٹ

اس معاملے میں تمھارا پچھلا تجربہ مفید ثابت ہوگا۔"

"ہم۔م۔م۔ ہر پہلو پر غور کر لیا ہے تم نے" میں نے کہا۔

"کرنا ہی پڑتا ہے سینور۔ میں ایک مدت سے سپاہی کی خدمات انجام دے رہا ہوں چنانچہ ہر پہلو پر غور کر کے مکمل نقشہ تیار کرنا میری عادت بن چکی ہے۔"

دان ہوزرن نے آگے کی طرف جھک کر بونیلا کی کہنی کے قریب اور میز پر رکھے ہوئے بکس میں سے ایک سگار نکال لیا اور کہا:۔

"تم نے اب تک میری خدمات کا ذکر نہیں کیا ہے چنانچہ یقین ہے کہ میرے سپرد کوئی اچھی خدمت کی جائے گی۔"

گورڈو نا بے قراری سے ایک قدم آگے بڑھا لیکن بونیلا نے ہاتھ کے اشارے سے اسے پیچھے ہٹ جانے کو کہا اور خود ہی تیلی سلگا کر دان ہوزرن کا سگار سلگاتے ہوئے کہا:۔

"مقدس باپ! ماجوڑا والوں کو ایک پادری کی سخت ضرورت ہے۔ اور تم ان کی یہ ضرورت پوری کر دو گے۔"

دان ہوزرن حیرت انگیز حد تک پُرسکون تھا۔

"دو پادریوں کو قتل کیا جا چکا ہے" اس نے کہا۔ "اور ایک پاگل ہو گیا۔ اب یہ ریکارڈ نہیں ہے سالا۔ کیا؟"

"یقیناً ہے لیکن اس علاقے کا یہی ریکارڈ تمھارے لئے وہاں وارد ہونے کا ایک عمدہ بہانہ بن جائے گا اور یہ سب سے زیادہ اہم ہے۔ وہاں اجنبیوں کو حکومت کے جاسوس یقین کیا جاتا ہے۔ بہادروں کے ساتھ وہی سلوک کیا جاتا ہے جو جاسوسوں کے ساتھ کیا جاتا ہے۔ چنانچہ ایک پادری اور وہ ایسے شخص جو کان کنی کے ماہر ہوں اور ڈان اینجل سے ملاقات کرنے آئے ہوں اس علاقے میں زندہ رہ سکتے ہیں خصوصاً اس

صورت میں جب کہ تینوں "گرینگوز" (یورپین) ہوں۔ اس خیال سے کہ شاید تمہیں کسی وقت مدد کی ضرورت پڑ جائے بس تم تینوں کے پیچھے ہی پیچھے لفٹننٹ کورڈونا کو بیس سپاہیوں کے ساتھ بھیج رہا ہوں۔ یہ لوگ "جو آنکا" میں قیام کریں گے جو ماچوڈا سے پندرہ میل ادھر نشیبی پہاڑیوں میں واقع ہے۔ وہاں کے پرانے اور خالی پڑے ہوئے "رانچیریا" (مویشی خانے) کو اکثر گشتی دستہ کا مرکز بنایا ہی کرتے ہیں چنانچہ کورڈونا اور ان کے ساتھیوں کی وہاں موجودگی ماچوڈا والوں کے دل میں کسی بھی قسم کے شبہات پیدا نہ کرے گی۔"

"لیکن تامس کا کیا؟" میں نے پوچھا "ان حضرت کا ظہور کب ہوگا۔"

"چند گھنٹوں میں ہی اسے اس علاقے میں تمہاری آمد کا پتہ چل جائے گا۔ اور یہ بھی اسے پتہ چل جائے گا کہ تم اس کے باپ سے کس سلسلے میں ملنے آئے ہو۔ اور میرے خیال میں ہمیں یہ یقین کر لینا چاہئے کہ وہ یہ معلوم کرنے کے لئے مالک کیا ہے اور یہ کہ اس کے باپ سے تمہارا کیا سودا ہو رہا ہے بذات خود اپنے باپ کی جائداد پر آئے گا۔"

"یہ تم اتنے یقین سے کیوں کہہ رہے ہو؟"

"اس لئے کہ کان کے ایک بار پھر جاری ہونے کا خیال اس کے لئے پر کشش نا ممکن ہوگا۔"

"اس سے تو بہتر یہی ہے کرنل کہ جیل صحن کے ستون سے باندھ کر گولی ہی مار دو" میں نے کہا۔ "کیونکہ ماچوڈا جانا بھی تو موت کے منہ میں ہی جانا ہے۔"

"یہ کیا بزدلی ہے کوخ؟" وان ہوزن نے کہا۔ "اس معاملے کا انحصار ہم پر اور صرف ہم پر ہے۔ اور پھر حیرت ہے کہ یہ بزدلی کی بات تم کہہ رہے ہو حالانکہ تم پوری برطانوی فوج سے ٹکر لے چکے ہو۔ اس کے مقابلے میں تامس اور اس کے بدمعاش گروہ کی حیثیت ہی کیا ہے۔ بولنا اور شکستہ ہونے کو ٹھوس والے ذلیل مزدوروں ... بدمعاش

مجھ پر بھروسا نہیں کر سکتے، کرنل۔ مجھے منظور ہے۔ ماجنڈا جاؤں گا۔ اور پھر تمہاری خاطر ایک بار پھر پادری کا بہروپ بھی بھروں گا اور اگر کسی نے میری کھوپڑی اڑا دینے کی کوشش کی تو خدا کی قسم اسے اپنی زندگی کی سخت ترین سزا مل جائے گی اور اس کے لئے ایسی آخری دعا پڑھوں گا کہ اس کی روح تک کی بنیادیں کانپ جائیں گی —— سمجھ گئے؟"

"اچھی طرح سے سمجھ گیا" بونیلا اٹھ کھڑا ہوا۔ "اس دی لا پلیٹا کو اگر زندہ پکڑ لائے تو یہ اچھا ہو گا اور میں یہ پسند بھی کروں لیکن اگر تم اس کی لاش لے آئے تو اسے بھی قبول کر لوں گا لیکن اسے زندہ یا مردہ لانا ضروری ہے تاکہ لوگوں کو عبرت حاصل ہو اور اکثریت کو اس بات کا ثبوت مل جائے کہ ماجنڈا کا راستہ اب ان کے لئے کھلا ہے۔" وہ جوناس کی طرف گھوم گیا۔ "تم مرسیڈیز لے جا سکتے ہو۔ تمہارے نئے پاسپورٹ میں یہ کار اچھی طرح سے فٹ ہو جائے گی اور پھر مسٹر دان ہوزن کے متعلق جو تمہارے ساتھ اسی کار میں ہوں گے، تم یہ ظاہر کر سکتے ہو کہ اس پادری کو، جو ماجنڈا ہی جا رہا تھا اور بے حد تھکا ہوا تھا، تم نے اپنی کار میں لفٹ دی ہے۔ تمہاری یہ خدا ترسی لوگوں کے گلے اتر جائے گی اور وہ کوئی اعتراض نہ کریں گے اور نہ ہی ان کے دلوں میں کسی قسم کے شکوک و شبہات پیدا ہوں گے۔"

"یہ بڑا اور مناسب خیال ہے" دان ہوزن نے قدرے طنز سے کہا۔ "کوئی احمق بھی دیکھ کر کہہ سکتا ہے کہ تمہارا دل اپنے سینے میں ٹھکانے پر ہے۔"

"لفٹیننٹ گوریز نا اب تمہیں کسی جگہ آرام دہ کمروں میں پہنچا دیں گے اور وہی تمہاری تمام ضروریات کی دیکھ بھال کریں گے۔ دوستو۔ اب میں تمہیں خدا کے سپرد کرتا ہوں۔"

یہ گویا بڑی شائستگی سے اور اخلاق سے کہا گیا تھا کہ ہم اب جا سکتے ہیں اور پھر

چونکہ وہ ایک بار پھر بیٹھ گیا، نہ صرف یہ، بلکہ چند کاغذات پر جھکا جھک گیا اور اپنی اس حرکت سے اس نے یہ بات ظاہر کردی کہ اب مزید گفت و شنید کی قطعی کوئی ضرورت نہ تھی۔

کورڈونا کے پیچھے ہی پیچھے ہم بونیلا کے دفتر سے نکل کر باغ میں آ گئے۔ کورڈونا نے سارجنٹ اور دوسرے سپاہیوں کو رخصت کیا اور یہ دیکھے بغیر کہ ہم اس کے پیچھے آ بھی رہے ہیں یا نہیں آگے بڑھ گیا۔

وہ ہمیں لئے اس دروازے کے سامنے پہونچا جو باغ کے انتہائی سرے پر تھا۔ ہم دروازے سے گزر کر ہم ایک دوسرے، نسبتاً پرسکون اور چھوٹے صحن میں تھے۔ یہاں بھی ایک فوارہ سبز اور سفید ٹائیلوں پر اپنا ٹھنڈا پانی چھڑک رہا تھا۔ اس صحن کے تین طرف چھت دار برآمدہ تھا۔

یہ جگہ فرحت بخش حد تک ٹھنڈی اور پر سکون تھی۔ میرا یہ کہنا شاید آپ کو مبالغہ آمیز معلوم ہوگا کہ قصبے کے شور و شغب کی آوازیں، جو دیوار کے اس پار تھیں، اب ایک دوسری دنیا کی چیز معلوم ہوتی تھیں۔ لیکن پچھلے چند دنوں سے میں جن حالات سے گزر رہا تھا، دھوپ اور دھول میں وہ چند دن جس طرح گزار رہے تھے اس کے مقابلے میں یہاں کی ٹھنڈک اور سکون میرے لئے جنت سے بڑھ کر تھا۔

جیسا کہ مجھے بعد میں معلوم ہوا اس صحن کے چاروں طرف جو کمرے تھے وہ دراصل افسروں کے کوارٹر تھے اور ہمارا ان کمروں میں قیام کورڈونا کو پسند نہ تھا لیکن وہ مجبور تھا کیونکہ یہاں حکم حاکم اندمرگ مفاجات کا سا معاملہ تھا۔

لیکن یہ حقیقت تھی کہ اسے دان ہوزن سے سخت نفرت تھی مجھے اور دان ہوزن کو ایک کمرے میں رہنا تھا اور جو اس کو ایک کمرہ الگ دیا گیا تھا۔ دونوں کمرے ایک سے تھے۔ دونوں میں ہی دو پلنگ تھے اور دو فرنیچر تھا جو ضروریات کے لئے

ضروری ہوتا ہے۔ دیواروں کو چونے سے سفید کیا گیا تھا اور کسی بھی کمرے میں مذہب کی کوئی علامت نہ تھی۔ نہ صلیب، نہ مسیح و مریم کے بت اور نہ ہی کچھ اور یہ اس لئے تھا کہ اس وقت حکومت اور پارلیمینٹ میں مذہب اور پادریوں کے سلسلے میں بڑے جھگڑے پڑے ہوئے تھے کمروں کی قطار کے آخر میں غسل خانہ ہے" کورڈونا نے کہا" اس کے چارج میں ایک اردلی موجود رہتا ہے۔ جب تم تیار ہو جاؤ تو اسے مطلع کر دینا وہ تمہارے لئے گرم پانی کا انتظام کر دے گا اور جس چیز کی بھی ضرورت ہوگی لا دے گا"

"مجھے تو ۔۔ بس ۔۔ ایک عورت کی ضرورت ہے" وان ہوزن نے اسے مطلع کیا" بہت زیادہ کم عمر نہ ہو تیس بتیس سال کی چلے گی لیکن بال کالے ہوں اور وہ خود تجربہ کار بھی ہو۔ یعنی وہ جانتی ہو کہ بستر پر اس کے ساتھ کیا کیا جائے گا۔ اور یہ کہ اس مزے کا جواب کس طرح دیا جاتا ہے کہ سامنے والا بھی لطف اندوز ہو سکے پوری طرح"

یہ کورڈونا کو غصہ دلانے کے لئے کہا گیا تھا۔ اس کے علاوہ اس کا اور کوئی مقصد نہ تھا۔ میں وان ہوزن کے ساتھ جب تک رہا تب تک اس کی ایک حیرت انگیز خصوصیت مجھ پر پوری طرح واضح ہو گئی تھی اور اس کی یہ خصوصیت تھی جنسِ مخالف سے سراسر غیر دلچسپی اسے عورت سے، کسی بھی اور کوئی بھی عورت سے، قطعی دلچسپی نہ تھی۔

بہرحال اس کا تیر نشانے پر بیٹھا۔ کورڈونا کا چہرہ سفید، بے حد سفید ہو گیا اور اس کا ہاتھ بے اختیار پستول کے دستے پر جا پڑا اور کسی وجہ سے، جو میری سمجھ میں نہ آئی، مجھے اس پر رحم آ گیا۔

ایک لمحہ گزر گیا کہ رڈونا نے لمبا سانس لیا۔

"کپڑوں اور دوسری ضروری چیزوں کا انتظام کر دیا گیا ہے۔ دیکھ لو۔ اور سینور تمہارے لئے" اس نے وان ہوزن سے کہا" ایک زائد چیز"

وہ چیز، جسے وان ہوزن نے اپنی گرفتاری تک پہن رکھا تھا، پلنگ پر تہہ کیا رکھا تھا۔ صاف ظاہر تھا سے دھلوا کر استری کر دی گئی تھی۔ چھنے پر وان ہوزن کی بڑے چھجے والی ہیٹ بھی رکھی ہوئی تھی۔ اس کا چرمی بیگ بھی موجود تھا۔ اسے کھول کر دیکھا تو اس میں تھامسن مشین گن اور پیٹیاں موجود تھیں لیکن وہ روپیہ غائب تھا جو وان ہوزن نے بینک سے لوٹا تھا اور جب پر" ہماری گرفتاری تک، مشین گن لیٹی رہتی تھی فرش پر کالے رنگ کا جہازی ٹرنک پڑا ہوا تھا۔ کورڈونا نے اسے ٹھوکر مار کر کہا۔

"پچھلے کئی مہینوں سے یہاں کوئی پادری نہیں آیا ہے۔ آخری پادری جو یہاں آیا تھا" کالے بخار میں مبتلا ہو کر مر گیا۔ اس میں اس پادری کی چیزیں ہیں؛ خود ما اس کے زیر جامے اور دوسری چیزیں جن کی تمہیں اپنا پارٹ ادا کرنے کے لئے ضرورت پڑے گی۔"

اور میرا یہ پارٹ تمہیں پسند نہیں ہے اور نہ ہی تمہیں یہ پسند ہے کہ میں ان چیزوں کو استعمال کروں" وان ہوزن نے کہا۔

"سینور" کورڈونا نے حیرت انگیز سکون سے کہا" اگر میرا بس چلتا تو بہت اس سے پہلے کہ تم یہ ٹرنک کھولتے میں تمہیں جہنم واصل کر دیتا کیونکہ یہ چیزیں ایک شریف، اچھے اور خدا ترس آدمی کی ہیں جو لوگوں کی خدمت کرتا ہوا موت سے ہم آغوش ہوا۔"

اور وہ پلٹ کر چلا گیا اور وان ہوزن جہاں تھا وہیں کھڑا رہا۔ وہ کھلے ہوئے دروازے سے باہر کہیں دیکھ رہا تھا اور اس کے بشرے پر کے جذبات میں ایک عجیب

تغیر ہوا تھا جو میری سمجھ میں نہ آیا۔

دفعتہً اس نے ایک قہقہہ لگا کر اپنی ران پہ ہاتھ مارا۔

"جانتے ہو یار" اس نے کہا "مجھے تو یقین تھا کہ آج اور اس وقت اس دنیا سے رخصت ہو چکا ہوں گا۔ یعنی یہ سالی زندگی بھی دنیا کا سالا سب سے زیادہ حیرت انگیز کھیل ہے جس میں ہار جیت کا کچھ پتہ ہی نہیں چلتا۔ ہے کہ نہیں؟"

سب بے حد فلسفیانہ خیال تھا۔ میں اپنے بستر کی طرف بڑھا تو یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ نہ صرف میرا پستول مع خول کے موجود تھا بلکہ میرے وہ دونوں سوٹ کیس بھی رکھے ہوئے تھے جنہیں میں نے آخری دفعہ یوتیٹا کے ہوٹل ہانڈکا کے اپنے کمرے میں دیکھا تھا۔ جونا اس نے کہا:۔

"اس وقت تو مجھے بس ایک ہی چیز سے دلچسپی ہے۔ یعنی غسل اور بہت سا گرم پانی جس کا ذکر لفٹننٹ نے کیا تھا۔"

"تمھارے خیال میں یہ مناسب نہ ہوگا کہ پہلے ہم صورت حال پر بحث کر لیں؟" میں نے پوچھا۔

"اب بحث کرنے کو رہ کیا گیا ہے؟" وان ہوزن نے کہا "کچھ بھی ہو سکتا ہے صاحب اور جب ہم ماجوڈا پہنچیں گے تو سالا کچھ ہو کر ہی رہے گا۔ ہو سکتا ہے کہ وہ لوگ ہمیں دیکھتے ہی گولی مار دیں۔ تم جانو کہ اس قسم کا کھیل تاش کے اس کھیل کی مانند ہوتا ہے جسے پوکر کہتے ہیں اور جس میں جیسا تم پتا حاصل کرتے ہو ویسی ہی چال چلتے ہو۔ چنانچہ اس معاملے میں بھی پہلے سے سوچنا اور عمل کا کوئی نقشہ بنانا فضول ہے۔ چنانچہ موقع و محل کی مناسبت سے ہی ہم قدم اٹھائیں گے۔"

"خدا کی قسم کیا بیغیرانہ بات کہی ہے یار، یعنی کل کی خبر خدا جانے" جونا اس نے کہا "آئندہ کل کے امکانات پر آج غور کرنا سراسر حماقت ہے اور اس کا ہمیرہ

سبق ہم سب کو مل چکا ہے۔ لیکن بجا ہو۔ گرم پانی اور نہانے کی ضرورت مجھے پکار رہی ہے چنانچہ یہ سا جملہ:

" شیطے! تمہیں یقیناً غسل کی سخت ضرورت ہے کیونکہ تمہارے جسم میں سے بکرے کی سی بو اٹھ رہی ہے" دان ہوزن نے کہا۔

اور پھر کچھ ہوا۔ جوناس نے اپنی ہاتھی دانت کی کالی چھڑی کی موٹھ گھما کر ایک جھٹکے کے ساتھ کھینچی تو اس میں سے دو فٹ لمبی تلوار سی نکل آئی اور اس سے پہلے کہ ہم کچھ سمجھ سکتے وہ اس تلوار کی نوک دان ہوزن کی ٹھوڑی کے نیچے رکھ چکا تھا۔

" جناب من! یہ جو کچھ تم نے ارشاد فرمایا ہے اس ناچیز کے متعلق وہ محض مذاق تھا۔ جوناس جملہ ادھورا چھوڑ کر بشاشت سے مسکرایا۔

دان ہوزن نے اپنا ایک ہاتھ بلند کیا۔

" ٹھیک ہے کونٹ یا جو بھی تمہارا نام ہے۔ بس میں یہی معلوم کرنا چاہتا تھا اس نے کہا۔

جوناس نے تلوار واپس چھڑی میں ڈال دی۔

" خدا کی قسم یار" اس نے کہا " تم بڑے دلچسپ آدمی ہو۔ ہم دونوں میں خوب نبھے گی"

" کسی اور سے بھی تو اس کو نبھانی ہے" میں نے دل میں کہا۔

جوناس اپنا موٹا جسم تھلتھلاتا چلا گیا تو دان ہوزن نے کہا:۔

" یہ موٹا سالا ایسا آدمی ہے جسے میں اپنا دشمن نہیں بلکہ دوست بنانا زیادہ پسند کروں گا"

اب وہ گھٹنوں کے بل بیٹھ گیا اور جہازی ٹرنک کا ڈھکن کھول کر اس نے جو چیز سب سے پہلے نکالی وہ پادریوں کا چغہ تھا اس کا اڑا ہوا نیلا رنگ بتا رہا تھا

کہ یہ چیز برسوں تک استعمال ہوتی رہی تھی۔ یہ چغہ (پونچو) عام استعمال کے لئے تھا۔ ایک دوسرا زیادہ قیمتی تھا جس پر سونے کے تاروں سے کڑھائی کی ہوئی تھی۔ یہ یقیناً تہواروں کی خاص خاص عبادتوں کے لئے تھا اور تیسرا چغہ ایسا تھا جو میت پہ دعا پڑھنے کے لئے پہنا جاتا ہوگا۔

پرانے کمبل کے ٹکڑے میں اسی طرح سے لپٹا ہوا چاندی کا ایک پیالہ تھا ایک سرپوش پیالے میں مقدس روٹی تھی اور ایک سنہری زنجیر میں پروئی ہوئی چاندی کی صلیب تھی، چاندی کی چھوٹی بوتلوں میں مقدس تیل تھا، ایک اگر دانی تھی اور اگربتیاں بھی تھیں۔ آخر میں اس نے کسی قسم کا ایک مذہبی بت تلاش کر لیا۔ یہ اونی کپڑے کے بہت سے ٹکڑوں میں لپٹا ہوا تھا اس بت کا قد دو فٹ کا تھا اور بہت پرانا معلوم ہوتا تھا کیونکہ لکڑی سے تراشا گیا تھا اور اس پہ رنگ چڑھایا گیا تھا، کسی بھی نکتہ نظر سے یہ بت سنگ تراشی کا عمدہ نمونہ تھا۔ اور دان ہوزن چند ثانیوں تک خاموشی سے اس کی طرف دیکھتا رہا۔

"یہ کون بزرگ ہیں یہ؟" میں نے پوچھا۔

"میرا خیال ہے کہ یہ سینٹ مارٹن دی پورس کا بت ہے کیونکہ جہاں تک میری معلومات کا تعلق ہے وہی ایک ایسا ولی تھا جو گورا نہ تھا۔ وہ حرام کا بچہ تھا اس کی ماں ریڈ انڈین تھی جس کے رحم میں ایک کیتھولک گورے کا نطفہ ٹھہر گیا تھا۔ اگر غریبوں اور کچلے ہوئے لوگوں کے لئے کبھی کوئی ولی پیدا ہوا ہے تو وہ یہ تھا۔

---

۱ یہ ہسپانوی لفظ ہے جس کے معنی تو فاتح کے ہیں لیکن یہ لفظ خصوصیت سے ان ہسپانوی فوجی افسروں کے لئے استعمال کیا جاتا ہے جنہوں نے سولہویں صدی میں میکسیکو اور پیرو فتح کیا تھا۔

مترجم

کمال ہے کہ دان جونزن کی اس بات نے کیوں میری بچپن کی یادوں کو اجاگر کر دیا۔ ناگبری میں میرا انڈکیپ، سُرخ چغہ اور اس پر پہنا جاتا ہوا انوآموزوں کا سفید سایہ جسے پہننا میں نے کبھی پسند نہ کیا اور وہ خوف جو اتوار کے عشائے ربانی کے موقع پر اس وقت مجھ پر طاری ہو جاتا تھا جب دعائیں پڑھنے اور عشائے ربانی کی رسومات ادا کرنے کی میری باری آتی تھی چنانچہ میں نے کبھی نہ تو مذہب کو قبول کیا تھا اور نہ خدا کے سامنے جھکا ہی تھا اس معاملے میں یہ حقیقت بھی میری معاون ثابت نہ ہوئی کہ میرے دادا نے اپنی آخری عمر میں اپنا مذہب ترک کر دیا اور "پلائے موتھ برادر جماعت" میں شامل ہو گئے تھے جس نے ان کی زندگی کو، خود ان کے قول، پُرسکون اور اطمینان بخش بنا دیا تھا۔

ایسے خدا پر سے میرا اعتقاد سرے سے اٹھ ہی گیا تھا جو دل کو سکون بخشتا ہے۔ جو غفور اور رحیم ہوتا ہے۔ میں تو جس خدا سے واقف تھا وہ قہار اور جابر تھا جو انسانوں پر اپنا قہر ہی نازل کرتا اور ان پر مصائب کے پہاڑ توڑتا ہے۔ جو محبت کا نہیں نفرت کا خدا ہے۔ مجھے ایسے خدا کی ضرورت نہ تھی۔ میں اس کے بغیر بھی بڑے مزے سے جی سکتا تھا اور جی رہا تھا۔

دان جونزن نے وہ بت واپس ٹرنک میں رکھ دیا، ٹرنک کا ڈھکن آہستہ سے بند کیا اور سر اٹھا کر میری طرف دیکھا۔

"معلوم ایسا ہوتا ہے کہ مجھے اب بڑی سنجیدگی سے پادری بننا پڑے گا۔ بے تا کورخ ہو" اس نے کہا۔ لیکن وہ مسکرا نہ رہا تھا۔

جونہی اس کے بعد غسل خانے میں، میں جا گھسا اور کوئی آدھ گھنٹے تک ٹب میں لوٹتا رہا۔ پانی اس قدر گرم تھا کہ میری جلد تقریباً ادھڑ گئی۔ آدھے گھنٹے بعد

مان ہوزن کے لئے ٹب خالی کر کے میں اپنی کمر سے تولیہ لپیٹ کر کمرے میں پہنچا اور صاف دُھلے ہوئے کپڑے پہنے تو میں ایک نیا آدمی تھا۔ ہونیلا نے دونوں سوٹ کیس منگوا کر اپنی عقلمندی کا ثبوت دیا تھا۔

میں باہر آیا تو جوناس کو صحن کے دوسرے کنارے پر اور چھت کے برآمدے میں گول میز کے پیچھے بیٹھے پایا۔ میز پر عمدہ کھانا چنا ہوا تھا۔ تلی ہوئی مچھلی فریجولس گائے کے گوشت کے قتلے اور ایک بڑی سی پلیٹ میں تازے زیتون جو مجھے کبھی پسند نہ آئے۔ اور مکھن میں پکی ہوئی میٹھی مکئی۔ اس کے علاوہ بہت سے تازہ پھل سرخ شراب کی کئی بوتلیں میز پر دھری ہوئی تھیں۔

جوناس نے حیرت انگیز طور پر کم کھایا لیکن شراب زیادہ پی اور اب وہ بات چیت کے لئے تیار تھا۔ میں نے اسے بتایا کہ مجھے کان کنی کا خاصا تجربہ تھا اور یہ کہ میں کان کے سردے پر یا انجنیئر کا پارٹ بخوبی ادا کر سکتا تھا۔ اس پر اس نے خوشی اور اطمینان کا اظہار کیا لیکن خود جوناس کی معلومات اس معاملے میں صفر تھیں چنانچہ طے پایا کہ وہ خود ایک اناڑی لیکن ایسے لکھ پتی کا کردار ادا کرے گا جو کان کنی میں اپنا روپیہ لگانا اور مزید لاکھوں کمانا چاہتا ہے دوسرے لفظوں میں وہ سرا سر کاروباری آدمی کا کردار ادا کرے گا۔

اس عرصے میں وہ دوسری بوتل خالی کر رہا تھا اور کچھ زیادہ ہی باتونی ہو گیا تھا۔ "بڑی خطرناک مہم ہے یہ جس پر ہم جا رہے ہیں۔ لیکن فکر نہ کرو ہم زندہ لوٹ آئیں گے" اس نے کہا۔ "تمہارا یہ دوست وان ہوزن تو مرکے کا آدمی ہے اور تم ---- ارے تم تو مجھے خود اپنی جوانی یاد دلا رہے ہو"

خدا ہی بہتر جانتا ہے کہ اس وقت میں اپنی ہنسی کس طرح روک سکا جوناس میز پر جھک گیا اور اس نے دیدے گھما کر بڑی سنجیدگی سے کہا

۔ غددو میرے دوست، غددود۔ یہ سب سالے غددود کا کیا دھرا ہے۔ جب میری عمر تین سال کی تھی تو اس وقت خدا کا قہر مجھ پر شاپ کی صورت میں نازل ہوا۔ اے تم نہیں جانتے یا بکہ اس سے پہلے میں کیسا چھیل چھبیلا اور سجیلا تھا۔ گھڑ سوار فوج کا افسر تھا، صاحب جائیداد تھا، کونٹ تھا اور اب ۔۔ سب کچھ ختم ہو گیا۔ ساپ کچھ ختم ہو گیا۔"

وہ بوڑھے سانڈ کی طرح پھنکارا اور میں نے حیرت سے دیکھا کہ اس کی آنکھوں میں آنسو تیر رہے تھے۔ پھر اس کا سر جھک گیا، اس کی ٹھوڑی اس کے سینے پر ٹک گئی اور اب وہ خراٹے لے رہا تھا۔

میں نے سگریٹ جلائی، اٹھا اور جیناس کو سوتا چھوڑ کر ٹہلنے کی غرض سے باہر آ گیا۔ بونیلا کے دفتر کے باہر جو باغ تھا وہ خالی پڑا ہوا تھا اور صحن میں بھی کوئی نہ تھا۔ یہ وہی صحن تھا جہاں صبح ہمیں گولی مارنے کا ناٹک کھیلا گیا تھا۔

میں ٹہلتا ہوا اس ستون کے قریب پہونچا جس سے مجھے باندھا گیا تھا۔ میں نے اس کے پیچھے والی اور گولیوں کے نشانات سے داغدار دیوار کا معائنہ کیا اور سوچ میں پڑ گیا۔ اور آج میں نے ہزاروں دفعہ سوچا کہ یہ سالی زندگی آخر ہے کیا۔ یقیناً ایک ایسا گورکھ دھندا جس پر صرف چند آدمی ہی قابو پا سکے ہیں۔

میں پلٹ کر پھاٹک کی طرف چلا گیا۔ یہ بڑی بڑی اور مضبوط سلاخوں والا پھاٹک تھا جو اس وقت بند تھا لیکن میں باہر سڑک پر دیکھ سکتا تھا۔ جب میں پھاٹک کے قریب پہنچا تب ہی مجھے وہاں اس سنتری کی موجودگی کا پتہ چلا جو اپنی کوٹھری میں رائفل لئے کھڑا تھا۔ یہ کوٹھری دیوار کاٹ کر بنائی گئی تھی۔ کوٹھری کیا تھی ایک محراب سی تھی۔ وہ شاید اونگھ رہا تھا کیونکہ جب میں قریب پہونچا تو اس نے اپنے بوجھل پپوٹے اٹھا کر میری طرف دیکھا اور تن کر کھڑا ہو گیا۔ میں نے اس کی طرف دیکھ کر سر ہلایا، اسے شام بخیر کہا اور پھاٹک کی سلاخوں میں سے یونہی باہر جھانکنے لگا۔

سڑک ویران تھی البتہ سامنے والے کچی اینٹوں کے مکان کی دیوار کے سائے میں دو ریڈ انڈین بیٹھے ہوئے تھے۔ ان میں سے ایک مرد تھا۔ اس نے خام کھال کا پائیتابہ اور فلالین کی سرخ قمیص پہن رکھی تھی۔ اس کے شانوں تک لانبے بال اسی رنگ کی فلالین کی دھجی سے گدی پہ بندھے ہوئے تھے اور وہ اپنی گود میں پرانی طرز کی اور بذاتِ خود پرانی ونچسٹر رائفل لئے بیٹھا تھا۔

دوسری عورت تھی جس کے بال کوے کے پروں سے بھی زیادہ کالے تھے جو ایک سیاہ پردے کی طرح اس کے شانوں پر بکھرے ہوئے تھے اور اس نے اپنے سر پر سرخ پٹی باندھ رکھی تھی جیسی کہ انڈین عورتیں باندھتی ہیں۔ اس کی قمیص بھی سرخ تھی جس پہ خالص انڈین طرز کا کارچوبی کام کیا گیا تھا۔ اس کے کمر پر جو پٹکا بندھا تھا وہ چاندی کا تھا جسے کوٹ کوٹ کر ملائم اور لچکدار بنا دیا گیا تھا۔ اس نے کالے رنگ کا اسکرٹ پہن رکھا تھا جو اس کے گھٹنوں تک آ رہا تھا اور جب وہ کھڑی ہوئی تو میں نے دیکھا کہ اس کے پیروں میں غیر پالش شدہ اور بے رنگ چرمی جوتے تھے۔

اس نے دوڑ کر سڑک عبور کی، پھاٹک کی سلاخوں کی درمیانی جگہ میں ہاتھ ڈال کر باہیں میری طرف پھیلا دیں اور چند ثانیوں بعد ہی میں اسے پہچان سکا۔ یہ مغرور اور وحشی حسینہ کوئی اور نہیں بلکہ خود و کٹوریہ بلیو ناتھی۔

میں اسے بھینچے رہا حالانکہ ہم دونوں کے درمیان پھاٹک کی آہنی سلاخیں حائل تھیں اور اس کی آنکھوں میں مجھے عجیب سا جذبہ تیرتا نظر آیا۔ ایک ایسا جذبہ جسے میں خود نہ سمجھ سکا۔ اور یہ خوبصورت کالی آنکھیں مجھ سے وہ بات کہنے کی کوشش کر رہی

تھیں جو اس کی زبان کہہ نہ سکتی تھی۔

"وکٹوریہ سب ٹھیک ہے" میں نے کہا" میں زندہ ہوں اور اچھا ہوں۔ تم کسی قسم کی فکر نہ کرو"

اونگھتا ہوا سنتری کب اپنی کوٹھری میں سے نکل آیا یہ میں نہیں جانتا۔ بہر حال اسی نے مجھے دھکا دے کر اپنے راستے سے ہٹا دیا اور ان نازک اور نرم ہاتھوں پر، جنہوں نے پھاٹک کی سلاخیں پکڑ رکھی تھیں، بندوق کے کندے سے ایسی وحشیانہ ضرب لگائی کہ اگر کندہ کہیں وکٹوریہ کے ہاتھوں پر پڑ جاتا تو عمر بھر کے لئے اس کے ہاتھ بھی، اس کی زبان کی طرح، بیکار ہو جاتے۔

اس نے عین وقت پر اپنے ہاتھ باہر کھینچ لئے۔ اور جب بندوق کا کندہ سلاخوں پر پڑا ہے تو میں دونوں ہاتھوں سے سنتری کا گلا پکڑ کر اسے دبا رہا تھا۔ غصے نے مجھے ایسا دیوانہ کر دیا تھا کہ مجھے یہ تک ہوش نہ رہا کہ میں اپنے ہاتھوں سے سنتری کی زندگی اس کے جسم میں سے نچوڑ رہا تھا۔

پتہ نہیں کیا ہوا۔ مجھے صرف اتنا یاد ہے کہ کچھ مبہم چیخیں سی بلند ہوئیں، انڈین، جس کے بال سفید تھے، دیوار کے سائے میں سے اٹھ کر وکٹوریہ کے قریب آ کھڑا ہوا تھا اور اپنی وینچسٹر میں سے کارتوس بھر کر اسے بند کر رہا تھا۔

اور پھر خدا جانے کیسے اور کہاں سے میرے اور سنتری کے درمیان وان ہوزرن آ گیا اور جبراً ہم دونوں کو الگ کر دیا۔

میری گرفت سے چھوٹ کر سنتری دیوار سے جا ٹکرایا اور پھر ایک گھٹنے پر گر کر اس نے اپنی رائفل میری طرف اٹھا دی۔ گورڈونا دوڑتا ہوا آیا اور لات مار کر سنتری کے ہاتھ سے رائفل گرا دی۔ بدنصیب اٹھنے لگا تو گورڈونا نے اس کی ٹھوڑی کے نیچے ایک گھونسا رسید کر دیا۔ وہ بیچارا پھر لوٹ گیا۔

میں نے آگے بڑھ کر اسے اٹھایا اور دیوار سے لگا کر کھڑا کر دیا۔ لیکن جب میں پھاٹک کی طرف گھوما ہوں تو وکٹوریہ اور اس کا بوڑھا ساتھی وہاں نہ تھا۔

"کہاں گئی وہ؟" میں نے دونوں ہاتھوں سے سلاخیں پکڑ کر کہا۔ "دیکھا تم نے کون تھا اس کے ساتھ؟"

حان ہوزن نے اثبات میں سر ہلا کر کہا:۔

"کوخ! میرے دوست! میں تمہیں یاکوئی قبیلے کے متعلق بتا چکا ہوں۔ وکٹوریہ دوبارہ اپنے لوگوں میں پہنچ گئی ہے اور یاکوئی بن گئی ہے۔"

کورڈونا نے بھی سر ہلا کر کہا:۔

"وہ آدمی جو اس کے ساتھ تھا۔ اس کا نام ناشیتا تھا۔ اور وہ دریائے وبنڈ کے آس پاس بسنے والے لوگوں کا سردار ہے۔ یہ قبیلہ دکٹوریہ کی ماں کا ہے۔ ناشیتا سال میں دو دفعہ مال سے لدے ہوئے خچروں کا کارواں لے کر اور پہاڑوں کو عبور کر کے یہاں آتا ہے۔ وہ دونوں صرف یاکوئی ہی ایسے کام کی جرأت کر سکتے ہیں۔"

"لیکن وہ اس بوڑھے کے ساتھ کیا کر رہی تھی؟ اور اس نے انڈین لباس کیوں پہن رکھا تھا؟"

"بات یہ ہے کہ گزشتہ کل ناشیتا نے اس لڑکی کو یہاں پھاٹک کے باہر بیٹھے دیکھا، اس میں یاکوئی خون پہچان کر وہ لڑکی سے سوالات پوچھنے لگا۔ یاکوئی لوگوں میں خاندان اور خاندانی رشتوں کو بڑی اہمیت دی جاتی ہے اور ناشیتا اور لڑکی کی رگوں میں ایک ہی خاندان کا خون دوڑ رہا ہے۔ لڑکی کی ماں ناشیتا کی چچیری یا شاید ممیری بہن تھی۔ یہ باتیں میں نے گزشتہ کل خود ناشیتا سے اور اس سے سوالات پوچھ کر معلوم کی ہیں:

تو معلوم ہوا کہ اتفاقات اور حادثات کے باوجود وکٹوریہ کو اپنے قبیلے والے

مل گئے تھے۔

"آیئے۔ آیئے۔۔ کوئی تکلیف تو نہ ہوگی؟" میں نے پوچھا۔

"ان لوگوں میں نسل باپ سے نہیں ماں سے چلتی ہے چنانچہ لڑکی کو دوغلی نسل سے نہیں بلکہ سونی صد یا کوڈی سمجھا جائے گا اور پھر اس کی ماں کا باپ قبیلے کا سردار تھا اور یہ بات لڑکی کو بلند مرتبہ بنا دیتی ہے۔ قبیلے کے لوگ اس لڑکی کو حاصل کر کے فخر محسوس کریں گے۔ اور اس کی حد سے زیادہ عزت کریں گے۔ میں ان لوگوں سے واقف ہوں یقین کرو کہ یہ ناشیتا اور اس کے آدمی بلا جھجک اس شخص کی آنکھیں نکال لیں گے جو اس لڑکی کو بری نیت سے دیکھنے کی غلطی کرے گا۔ پھر وہ شخص کیسا ہی اور کوئی بھی کیوں نہ ہو۔

میں نے کیا کہا تھا کوخ؟ دان ہوزن نے کہا۔" یہ یاکوئی اپاچیوں سے بھی زیادہ وحشی ہیں۔

لیکن میں پلٹ کر تیز قدم اٹھاتا چل دیا۔ میں اپنے دل میں ایک عجیب طرح کی اور غیر منطقی سی کسک محسوس کر رہا تھا۔ اس کسک کا کوئی مطلب میری سمجھ میں نہ آ رہا تھا۔

جب میں نے بستر پر لیٹ کر آنکھیں بند کر لیں تو وکٹوریہ کا چہرہ سامنے تھا بہت زیادہ حسین نہیں لیکن ان تمام چہروں سے بدرجہا بہتر جن سے میں اپنی اس وقت تک کی زندگی میں واقف ہوا تھا۔

میں کوئی تین چار گھنٹے تک سوتا رہا۔ جب بیدار ہوا تو دس بجے رہے تھے یعنی میرے بستر کے قریب رکھی ہوئی ٹین کا الارم گھڑی تو یہی وقت بتا رہی تھی۔

کمرے میں دان ہوزن نہ تھا لیکن جب میں نے دروازہ کھول کر باہر دیکھا تو اسے

اور جوناس کو صحن کے انتہائی سرے پر اور ایک میز پر آمنے سامنے بیٹھے پایا۔ میز پر مٹی کے تیل کی ایک بتی دھواں پھونک رہی تھی اور اس کی زرد روشنی میں وان ہوزن اور جوناس تاش کھیل رہے تھے۔

میں ایک عجیب طرح کی بے چینی اور اداسی محسوس کر رہا تھا اور اس وقت کسی سے بھی ملنے یا بات چیت کرنے کو جی نہ چاہتا تھا۔ چنانچہ میں ان دونوں سے کترا کر اور صحن کے کنارے کنارے سایوں میں چلتا ہوا پائیں باغ میں آگیا۔

بونیلا کے دفتر اور برآمدے میں اندھیرا تھا چنانچہ کوئی میری تنہائی میں مخل نہ ہو سکتا تھا۔ دن بھر کی دھوپ اور لو کے بعد اس وقت کی ہوا اور فضا خنک اور فرحت بخش معلوم ہو رہی تھی۔ ہوا کے ہلکے ہلکے جھونکے فوارے کے پانی کو پھوار کی صورت میں بکھیر رہے تھے۔ پورا چاند سرو کے درخت کی ایک شاخ میں اٹکا ہوا تھا۔ تاروں بھرے آسمان کے پس منظر میں درخت کالے کالے معلوم ہو رہے تھے۔

بڑا سکون تھا، بڑی خاموشی تھی۔ دیوار کے اس پار بستی میں ایک گٹار بج رہا تھا اور اس کے ساتھ کوئی مدہم آواز میں گا رہا تھا۔ اور یہ اصل میکسیکو تھا۔ وہ میکسیکو جسے آپ رنگین تصویروں میں دیکھتے ہیں اور جو سیاحوں کا دل موہ لیتے ہیں۔

ہوا کے جھونکے نے ایک بار پھر سرو کے درخت کو آہستہ سے جھنجھوڑ دیا اور اس درخت کے ساتھ کسی اور چیز نے بھی جنبش کی۔ اس سے پہلے کہ میں کچھ سمجھ سکتا ایک اندھیرا سایہ لپکا اور دوسرے ہی لمحے میں اس کا بازو میرے حلق کو اپنے حلقے میں لے چکا تھا اور چاقو کا پھل چاندنی میں میری آنکھوں کے سامنے چمک رہا تھا۔

اس کے بعد ایک آواز نے، جو شام کے وقت جنگل میں سرگوشیاں کرتے ہوئے خشک پتوں کی سی تھی، کہا:

"سینور! اب یقین ہے کہ تم نہ گھبراؤ گے اور نہ شور مچاؤ گے کیونکہ گھبرانے کی کوئی

بات نہیں ہے ؟

باغ کے اندھیرے سایوں میں سے وکٹوریہ طیبوزنا نکل آئی ۔ اس کھردرے بازو نے میرا حلق چھوڑ دیا اور وکٹوریہ نے میرے ہاتھ پکڑنے کے لئے اپنے دونوں ہاتھ بڑھا دیئے ۔ وہ مسکرائی اور یہ مسکراہٹ میرے لئے رات کو یکسر بدل دینے کے لئے کافی تھی ۔

وہ مجھے اندھیرے سایوں کی طرف گھسیٹنے لگی لیکن میں اپنی جگہ جما رہا ۔

"ٹھہرو وکٹوریہ ۔ کہاں جا رہے ہیں ہم ؟"

اس کی آنکھیں مجھ سے کچھ کہنے لگیں لیکن یہ ناشتیا تھا جس نے آنکھوں کی بے زبانی کو زبان دیتے ہوئے کہا ۔

"سینور ! اب ہم یہاں نہیں ٹھہریں گے آج ہی رات کو ہم ہوئیلا سے روانہ ہو جائیں گے ۔ صبح ہونے تک ہم پہاڑوں میں ہوں گے ۔ اور پھر ملک کا کوئی بھی سپاہی کبھی بھی کسی یا کوئی کو نہیں پکڑ سکتا ۔ چار دن کے بعد تم دریائے ونڈھ کے علاقے میں اور محفوظ ہو گے ۔"

"لیکن کیوں ؟" میں نے پوچھا ۔

"اس لئے کہ میری خاتون یہی چاہتی ہے ۔"

ناشتیا کی ہسپانوی سنجی ہوئی نہ تھی لیکن وکٹوریہ کو "میری خاتون" کہہ کر اس نے اس کا مرتبہ ظاہر کر دیا تھا ۔ چنانچہ کورڈونا نے یہ غلط نہ کہا تھا کہ وکٹوریہ کو اپنے لوگوں میں بلند مرتبہ اور بڑی عزت حاصل ہو گی ۔

میں نے آہستہ سے وکٹوریہ کے ہاتھ پکڑ کر نفی میں سر ہلایا ۔

"یہ ناممکن ہے ۔"

"سینور !" ناشتیا نے کہا ۔ "آج صبح تم موت کے منہ میں تھے یہ نتون سے بندھے

ہوئے تھے اور بندوق والے سپاہیوں کے روپ میں موت تمہارے سامنے کھڑی تھی۔ لیکن آج رات تم زندہ ہو۔ واقعات کا یہ بے حد دلچسپ موڑ ہے سینور۔"
اس کے چہرے کے نقوش غیر معمولی تھے اور جہاں تک میرا خیال ہے اس وقت میں نے اسے پہلی دفعہ غور سے دیکھا اور گویا براہ راست اس کا معائنہ کیا تھا۔
ناک ستواں تھی، ہونٹ پتلے تھے اور رنگت زردی مائل گیہواں تھی۔ اس کے بشرے سے زبردست قوت حیات، ذہانت، مستقل مزاجی اور ٹھنڈا تکبر عیاں تھا۔ بعد میں جب مجھے یہ معلوم ہوا کہ اس کی عمر بہتر سال کی تھی تو میں اور بھی مرعوب ہو گیا
میں نے کہا "ایک جان کی عوض تین جانیں بخشی گئی ہیں۔ کرنل بونیلا نے اور میری اور میرے ساتھیوں کی زندگی ایک شخص ناسی دی لا پلاٹا کی زندگی کے تبادلے میں عطا کی ہے"
"لیکن سینور! ناسی دی لا پلاٹا اب بھی زندہ ہے اور یہ سب جانتے ہیں۔"
ناسیتا نے بڑے سکون سے کہا۔
"اور اسی کے علاج کے لئے ہم لوگ کل ماجوڈا جا رہے ہیں۔"
"تو پھر مجھے کہنا پڑتا ہے سینور کہ تم بڑے تکلیف دہ اور بہت برے انجام کی طرف جا رہے ہو۔"
وکٹو۔ یہ نے اپنی گرفت مضبوط کر دی۔ میں نے اس کی طرف جھک کر کہا۔
"وکٹوریہ! یہ عزت کا سوال ہے۔ ڈان ہوزے نے ٹاشکو کی سرائے میں ہم دونوں کو، تمہیں اور مجھے بچایا تھا۔ اب کیا میں اس کا ساتھ چھوڑ دوں؟"
خدا ہی بہتر جانتا ہے کہ یہ بات میں نے کیوں کہی تھی۔ لیکن اس کا اثر یہ ہوا کہ وکٹوریہ نے اپنا سر ہلایا اور اس کی گردن ڈھیلی پڑ گئی۔ جب میں نے اس کے گال چھونے کے لئے ہاتھ بڑھایا تو اس نے سر جھکا کر میری ہتھیلی چوم لی۔

اس کے گلے میں ایک تعویذ پڑا ہوا تھا جس پر رکیلا انگریزی نقوش تھے۔ اور وہ ایک بٹے ہوئے چرمی دھاگے میں پرویا ہوا تھا۔ اس نے دفعتہً یہ تعویذ اپنی گردن سے نکال کر میری گردن میں ڈال دیا۔ پنجوں کے بل اٹھ کر خالص یورپی انداز میں میرے ہونٹ چومے، پلٹی اور بھاگ کر اندھیرے سایوں میں جا کر غائب ہو گئی۔

ناشیتا نے کہا :۔

"سینور ! میں ماجوڈا سے واقف ہوں ۔ وہ ایک کھدی ہوئی نشانی تبر ہے۔ میں کہتا ہوں تم پھر سوچ لو سینور۔"

زندگی کی طویل راہ پر میں نے یہ دوسرا قدم اٹھایا ہے میرے دوست" میں نے کہا۔" اور میں ان لوگوں میں سے نہیں ہوں جو بڑھا ہوا قدم پیچھے ہٹا لیتے ہیں۔ دکٹورریہ کا خیال رکھنا ناشیتا۔"

وہ بھی چلا گیا۔ وہ بھی اندھیرے سایوں میں یوں غائب ہو گیا۔ جیسے وہ وہاں تھا ہی نہیں اور میں وہاں کھڑا رہ گیا۔ میری انگلیاں اس تعویذ سے کھیل رہی تھیں جو دکٹوریہ نے میری گردن میں ڈال دیا تھا اور میں اس تعویذ کی خصوصیت سے واقف نہ تھا۔ ایک بوجھل اور زبردست اداسی کالی گھٹا کی طرح جھوم کر مجھ پر ٹوٹ پڑی اور مجھے شدت سے احساس ہوا کہ اب میں زندگی کے آخری تلخ انجام تک پہونچ گیا تھا اور میں نے زندگی سے کچھ حاصل نہ کیا تھا

ساتواں باب

ہم صبح چھ بجے روانہ ہوئے۔

ایسی ملگجی، اداس اور بے کیف صبح پہلے میں نے کبھی نہ دیکھی تھی اور

یہ بدشگونی تھی یا یہ شاید میرا وہم تھا۔ وان ہوزن صبح تک تاش کھیلتا اور شراب پیتا رہا تھا چنانچہ اس وقت وہ بہت بوڑھا مسعوسالہ بوڑھا معلوم ہو رہا تھا اور جوناس کی حالت بھی وان ہوزن سے مختلف نہ تھی۔

کورشڈونا ہمیں رخصت کرنے کے لئے وہاں موجود تھا اور حسب معمول اپنی صاف ستھری وردی اور پالش شدہ جوتوں میں چھیلا بنا ہوا تھا۔ ابھی سویرا ہی تھا لیکن اس کے بنا ٹوپے سے سیاہ پانی ٹپک رہا تھا۔

اس نے ہمیں بتایا کہ وہ دن چڑھے اپنے ساتھیوں کے ساتھ ہو آنکا کے "انجیریا" (مویشی خانے) کی طرف روانہ ہو جائے گا۔ پھر اس نے اپنے مخصوص اکھڑتے ہوئے انداز میں ہمیں خدا حافظ کہا۔ اس کے انداز سے صاف ظاہر تھا کہ اسے یقین تھا کہ اب وہ ہمیں زندہ نہ دیکھ سکے گا۔ اور آپ جانئے روانگی کے وقت اس قسم کا خیال دل کی کیا کیفیت کر دیتا ہے"

میں کار ڈرائیو کر رہا تھا، وان ہوزن میرے قریب بیٹھا ہوا تھا اور پچھلی سیٹ پوری پوری جوناس کے تصرف میں تھی اور وہ بہرحال دو آدمیوں کی جگہ رو کے بیٹھا تھا۔

ہوئیلا کی سڑکیں اور محلے ویران تھے اور ہماری کار گرجتی ہوئی ان سے گزر کر بستی سے باہر آ گئی۔ یہاں بھی سونا پڑا تھا اور سڑک، بشرطیکہ آپ اسے سڑک کہہ سکیں، سائیرا ماڈرے کی سمت بڑھ کر صبح کے ملگجے دھندلکے میں غائب ہو گئی تھی۔

زمین پر کہرے کا گاڑھا بادل منڈلا رہا تھا چنانچہ کسی بھی سمت چند گز سے آگے دیکھنا مشکل تھا یہ کہر بھی ہر جگہ یکساں نہ تھا کہیں بہت زیادہ گاڑھا تھا اور کہیں اس کے گاڑھے پن میں خفیف سی کمی واقع ہو جاتی تھی۔

ہونڈیلا سے نکلنے کے بعد کوئی پانچ میل تک یہی حال رہا اور پھر کچھ ذرا صاف اور پتلا ہوا تو مجھے سامنے اور آگے کوئی چیز حرکت کرتی نظر آئی۔ ایک سرخ محرک دھبا۔

جب ہم آگے بڑھے تو معلوم ہوا کہ یہ خچروں کا ایک کارواں تھا۔ کوئی بارہ یا اس سے زیادہ خچر تھے۔ اس قافلے میں اور ہر خچر پر سامان لدا ہوا تھا۔ آخر میں گھوڑے پر بوڑھا یاکوئی ناشتیا بیٹھا ہوا تھا۔ اس کے دائیں ہاتھ میں ونچسٹر تھی جس کا کندہ اس نے اپنی ران پر لٹکا رکھا تھا۔ ناشتیا کے علاوہ اس کارواں میں تین دوسرے انڈین تھے جو تھوڑے تھوڑے فاصلے سے گھوڑوں پر سوار چل رہے تھے ان کے سروں پر سرخ فیتے بندھے ہوئے تھے اور انھوں نے سرخ قمیص پہن رکھی تھی یہ گویا ان کی وردی تھی۔ وہ سب کے سب بے حد خطرناک معلوم ہوتے تھے اور پوری طرح مسلح تھے اور اشارہ پاتے ہی پوری دنیا فتح کرنے کے لئے خچروں پر سے کودنے کے لئے تیار رہتے

وکٹوریہ ملیونا کارواں کے سب سے آگے گھوڑے پر سوار تھی۔ اس نے وہی لباس پہن رکھا تھا جس میں اسے گذشتہ دفعہ دیکھا تھا۔ البتہ اس نے سردی سے بچنے کے لئے اپنے شانوں پر کسی جانور کا سمور ڈال رکھا تھا۔

کارواں کے قریب پہونچ کر میں نے کار کی رفتار کم کر دی اور ناشتیا نے اپنی بندوق ایک۔ وفٹ یوں بلند کی جیسے مجھے سلام کر رہا ہو۔ لیکن وکٹوریہ اپنی ناک کی سیدھ میں اور ملگجی صبح میں دیکھتی رہی۔ اس کے بشرے سے کسی قسم کا اظہار نہ ہو رہا تھا اور عجب شان تھی اس کی۔ وہ ایک تندخو اور متکبر ملکہ تھی اور عام آدمیوں کی طرف متوجہ ہونا اس کی شان کے خلاف تھا۔

وکٹوریہ کی اس بے توجہی ۔۔۔۔۔ نے کارواں ہونڈن کو جھنجھلا دیا۔

"اس کی ایسی کی تیسی" وہ بولا" میں نے تو کہا تھا کہ وہ اپنے لوگوں پہنچ گئی ہے لیکن یہ تو سالی بے حد مضحکہ خیز بات ہے"
کوئی پچاس گز آگے بڑھ کر میں نے سڑک کے کنارے کار روک لی اور انجن بند کر دیا۔
"اب کیا ہوا یار؟" وان جوزن نے پوچھا۔
میں کوئی جواب دیئے بلکہ اس کی طرف متوجہ ہوئے بغیر کار کا دروازہ کھول کر باہر سڑک پر آ گیا اور دھند میں اسی طرف، جس طرف سے ہم آئے تھے۔ بھاگ پڑا۔ اس کے گھوڑے کی گردن میں گھنٹی بندھی ہوئی تھی چنانچہ پہلے میں نے اس کی آواز سنی اور پھر وکٹوریہ جیسے، کہر میں سے، تیرتی ہوئی نمودار ہوئی۔
وہ مجھے وہاں کھڑے دیکھ کر حیران نہ ہوئی اور نہ ہی اس نے خوشی یا کسی اور جذبہ کا اظہار کیا۔ وکٹوریہ کے قریب جو انڈین تھا اس نے ایڑ مار کر اپنے گھوڑے کو میری طرف بڑھایا لیکن پیچھے سے ناشتیا نے اپنی مادری زبان میں آواز دے کر اسے روک لیا۔ وکٹوریہ نے اپنا گھوڑا نہ روکا اور نہ ہی میری طرف متوجہ ہوئی۔ وہ بدستور سامنے دیکھتی رہی۔ اس نے رکاب پکڑ لی اور اس کے گھوڑے کے ساتھ ساتھ چلتا رہا۔ جب ہم اس جگہ پہنچ گئے۔ جہاں کار کھڑی تھی تو میں نے رکاب چھوڑ دی۔ وکٹوریہ نے اپنا گھوڑا بڑھا دیا اور اب بھی اس نے میری طرف نہ دیکھا۔ کنکھیوں سے بھی نہ دیکھا۔
کارواں میرے سامنے سے گزرتا رہا، آخر میں ناشتیا اپنے گھوڑے پر سوار آیا اور پھر پورا کارواں کہر میں جا کر غائب ہو چکا تھا۔
"یہ کیا حماقت تھی بھئی؟" جوزن نے پوچھا۔
میں کچھ بھی کہے بغیر کار میں بیٹھ گیا۔ کار اسٹارٹ کرنے کے لئے جب میں

ذرا سا آگے جھکا تو چاندی کا وہ تعویذ جو وکٹوریہ نے میری گردن میں ڈال دیا تھا، قمیص کے کھلے گریبان میں سے نکل کر لٹکنے لگا۔ وان ہوزن نے ہاتھ بڑھا کر اسے اپنی ہتھیلی پر رکھ لیا اور اس کا معائنہ کرنے کے بعد پوچھا۔

"یہ اس نے دیا ہے تمہیں؟"

"اگر دیا ہے تو تمہارا کون سا باپ مارا ہے؟"

برا منانے کے بجائے وان ہوزن نے ایک قہقہہ لگایا۔

"میرے دوست! مناسب ہوگا کہ اب میں یا کوئی لوگوں کے متعلق چند باتیں اور بتا دوں۔ ان لوگوں میں چند قبائل ایسے ہیں جن میں عورتوں کو مردوں سے برتر سمجھا جاتا ہے۔ نسل عورت سے چلتی ہے اور عورتیں ہی اپنے شوہر کا انتخاب کرتی ہیں۔ جب لڑکی پیدا ہوتی ہے تو اس کی ماں اس کی جنس اور اس کی قوتوں اور اختیارات کی علامت کے طور پر اس کے گلے میں چاندی کا تعویذ ڈال دیتی ہے۔ اور جب کسی بھی لڑکی کو شوہر کی ضرورت ہوتی ہے تو وہ اس مرد کی گردن میں، جسے اس نے منتخب کیا ہوتا ہے، صرف وہ تعویذ ڈال دیتی ہے اور جب وہ طلاق لینا چاہتی ہے تو شوہر کی گردن میں سے یہ تعویذ نکال لیتی ہے"

کسی وجہ سے یہ پورا معاملہ اسے بے حد دلچسپ معلوم ہو رہا تھا۔

"اس کی ایسی کی تیسی کو رخ" وہ بولا "تم یار ابھی ابھی شادی کر کے آئے ہو اور تمہیں پتہ تک نہیں۔"

اور وہ اتنے زور سے ہنسا کہ مجھے خوف ہوا کہ اس کی پسلیاں ٹوٹ جائیں گی۔ جوناس نے اس کا ساتھ دیا۔ حیرت نے مجھے اس معاملے میں کوئی لطیفہ نظر نہ آیا۔

"تمہارا اس سے کیا ہوا؟" میں نے جلبلا کر کہا۔ "ہو سکتا ہے کہ دونوں لیبد

ہی نہیں مر جاوے، ہم تینوں مر جائیں گے"

اور ان کی ہنسی کو بریک سے لگ گئے۔

میں نے کار اسٹارٹ کر دی۔

ایک گھنٹے بعد آسمان کا ملگجا پن ختم ہو چکا تھا، کھر نکھر گیا تھا اور سورج بلند ہو رہا تھا۔ دونوں طرف پھیلے ہوئے نیم ریگستانی میدان، میدان بھورے بھورے تھے جو آگے بڑھ کر پہاڑوں میں تبدیل ہو گئے تھے اور ان پہاڑوں کی گہری گہری گھاٹیاں اور آب درّے اندھیرے مہیب سایوں کی طرح معلوم ہوتے تھے۔

اگر دنیا میں کوئی ایسا علاقہ ہے جو کار کے لئے نہیں بنا ہے تو پھر وہ یہی علاقہ تھا۔ اور حالانکہ مرسیڈیز بینز کی خصوصیات کی حامل ہوتی ہے اور ہر طرح کی سزا برداشت کر لیتی ہے لیکن یہاں اسے آزمانا حماقت تھی چنانچہ میں بڑی احتیاط سے ڈرائیو کر رہا تھا اس سفر میں ایسے بھی مقامات آئے، خصوصاً اس وقت جب ہم پہاڑوں میں پہنچ گئے، جب ہمیں کار میں سے نکل کر اور بڑے بڑے پتھر ہٹا کر راستہ صاف کرنا پڑا۔

ظاہر ہے کہ اس قسم کے کام میں جونس محض بیکار تھا چنانچہ وہ پچھلی سیٹ پر آرام سے بیٹھا سگار پیتا رہتا اور بلند آواز میں ہمیں ہدایتیں دیتا رہتا۔ مجھے حیرت اس بات پر تھی کہ دان ہوزن جیسا مغلوب الغضب آدمی اس صورت حال کو قبول کر رہا تھا۔ اور سچ تو یہ ہے کہ جیسے جیسے سورج بلند ہو رہا تھا۔ دان ہوزن زیادہ سے زیادہ ہشاش بشاش ہو رہا تھا

ماجوڈوا سے دس میل ادھر ہم نے کار روک لی اور اس نحوست علاقے میں اگویا پکنک منائی کیونکہ ایک سفری ٹوکری میں ہمارا کھانا ساتھ تھا گوشت ابلی ہوئی سبزی، زیتون، تازہ روٹی اور شراب کی دو بوتلیں۔

اس وقت ہم بشاش تھے اور جوناس نے اپنا جام ماجوڈوا کی سمت بلند کر کے کہا:

"ہم، جو بہت جلد مر کر تیری خاک میں ملنے والے ہیں اے ماجوڈوا! تجھے سلام کرتے ہیں۔

"بے حد متاثر کن جذبہ ہے" دان ہوزن نے کہا "لیکن میرے لئے نہیں، تم کیا کہتے ہو کوخ؟"

"وہی ہو گا جو منظورِ خدا ہو گا" میں نے شانے اچکائے "بھینسے کے سامنے اور رنگ میں آنے سے پہلے سورا فگن یہی کہتے ہیں نا؟"

میری یہ بات اس کے دل کی گہرائیوں میں اتر گئی۔ اب میں ان سب باتوں پر غور کرتا ہوں تو احساس ہوتا ہے کہ دان ہوزن میں سچ مچ کوئی تبدیلی یہیں کا تھی حالانکہ یہ کہنا بہت مشکل ہے کہ زندگی میں کہاں کوئی چیز شروع ہوتی ہے یا کہاں ختم ہوتی ہے۔ بہرحال اتنا ضرور ہوا کہ دان ہوزن کی بشاشت رخصت ہو گئی اور جب اس نے کھڑے ہو کر پہاڑوں کی طرف دیکھا ہے تو اس کے بشرے اور آنکھوں سے بھی عجیب طرح کی سنجیدگی اور دور رسی عیاں تھی۔

"خوب کہا کوخ، واقعی خوب کہا" وہ نمایاں طور پر کانپ گیا اور جبراً مسکرا کر بولا "کمال ہے یار کہ سورج طلوع ہونے کے بعد بھی ہوا اتنی سرد ہو گئی ہے۔"

لیکن اس وقت ہوا بند تھی۔

ہم ماجوڈا کے قریب پہنچے تو معلوم ہوا کہ پہاڑیوں میں گھڑسوار تھے۔ جونا س نے میری توجہ ان گھوڑ سواروں کی طرف مبذول کرائی لیکن وہ پہاڑوں کی چوٹیوں پر اور اتنی بلندی پر، اور اتنے فاصلے پر تھے کہ یہ دیکھنا اور کہنا مشکل تھا کہ وہ کون لوگ تھے۔ وہ گھڑسوار اتنے ہی فاصلے پر رہے اور جب ہم سڑک کی آخری ڈھلان چڑھ کر اوپر پہنچے ہیں تو وہ اوجھل ہو چکے تھے اور نیچے، ہمارے عین قدموں میں ایک گھاٹی میں ماجوڈا تھا۔

یہ بستی گاؤں سے کچھ ہی بڑی تھی۔ اس کے چاروں طرف کچی اینٹوں کی دیوار تھی جو تقریباً پندرہ فٹ بلند تھی، یہ اس دور کی نشانی ہے جب ہر دم ریڈ انڈین گردو گرد کی بستیوں پر حملے کیا کرتے تھے مسلسل اور متواتر حملے۔

دیوار کے محرابی دروازے میں سے بستی میں داخل ہوا جا سکتا تھا۔ ماجوڈا کی بستی تیس چالیس، کا ساس، یعنی کچے مکانوں پر مشتمل تھی، ایک گرجا تھا جو ٹوٹنے کے قریب تھا، اس کا ایک گھنٹہ مینار بھی تھا۔ گرجا کی دیواروں پر چونے کی سفیدی کے آثار تھے۔ اور پھر ایک عمارت ہوٹل کے قبیل کی تھی، یہ وہی ہوٹل تھا جس کا ذکر کورڈونا نے کیا تھا، بشرطیکہ اس دور افتادہ اور تنہا بستی میں، جس کا بیرونی دنیا سے رشتہ تقریباً کٹ گیا تھا، کسی ہوٹل کا ہونا ممکن ہو۔

ڈھلان اترتے وقت میں نے بڑی مہارت سے بھیڑوں کے ریوڑ سے کار بچا کر نکالی۔ تین بوڑھے چرواہے حیرت سے منہ کھولے ہماری طرف دیکھتے رہے۔

اور ہم دیوار میں بنے ہوئے دروازے کے ذریعہ بستی میں داخل ہوئے۔

اندر پہنچے تو بارہ تیرہ چیتھڑا حال اور ننگے پیروں والے بچے دکھائی دیئے جو تالیاں بجاتے اور شور مچاتے ہماری کار کے پیچھے بھاگنے لگے۔ جب میں نے ہوٹل کے سامنے کار روکی تو جوناس نے ان بچوں کو بکھیرنے کے لئے مٹھی بھر

ریزگاری ان کی طرف پھینک دی۔ بڑی واہیات جگہ تھی یہ۔ ہوٹل کے سامنے والا رُخ بالکل خستہ ہو رہا تھا۔ تیز دھوپ اسے چاٹ چاٹ کر کمزور کر رہی تھی، دیواریں جھکی جا رہی تھیں لیکن کسی کو اس کی پروا نہ تھی۔ دروازے پہ ایک تختہ لگا ہوا تھا جس پر لکھا تھا:۔

"کاسا ماجوڈا"

بن کار میں سے باہر آیا اور جوناس کے لئے، جواب میر آقا تھا، پچھلا دروازہ کھول کر مستعد کھڑا ہو گیا۔ بچے چند قدم دور نیم دائرہ بنائے خاموش کھڑے تھے۔ دفعتہ قریب کے مکانات میں سے تین چار عورتیں نکل آئیں اور انہوں نے چیخ چیخ کر بچوں کو وہاں سے ہٹا دیا۔

ہوٹل کے پورچ کے سائے میں اور دیوار سے ٹیک لگائے تین چار آدمی بیٹھے ہوئے تھے۔ مفلسی اور مزدوروں کا مکمل ترین نمونہ۔ غلیظ کپڑے اور تھکے ہوئے مضمحل چہرے پر وقت سے پہلے ہی جھریاں پڑ گئی تھیں۔ یہ لوگ عمر بننے سے پہلے ہی بوڑھے ہو گئے تھے، افلاس کی اٹل اور نمایاں علامت، یہ وہ لوگ تھے جنھوں نے اپنا پیٹ پالنے اور زندہ رہنے کے لئے بچپن سے سخت مشقت کی تھی۔ ان کی زندگی کا آغاز مفلسی میں ہوا تھا اور انجام بھی اسی میں ہو گا۔

ہوٹل میں نیم تاریکی اور ٹھنڈک تھی۔ فرش پر پتھر جڑے ہوئے تھے۔ دو تین میزیں اور کرسیاں بے ترتیبی سے رکھی ہوئی تھیں اور ایک بار کاؤنٹر تھا جس کی سطح کو کپڑے سے رگڑ رگڑ کر صاف اور چمکدار بنا دیا گیا تھا۔ کاؤنٹر کے پیچھے بوتلوں کی قطار تھی۔

وہاں کوئی نہ تھا۔ نہ کوئی گاہک اور نہ ہی ہوٹل کا مالک یا کوئی ملازم۔

جوناس نے اپنی چھتری کاؤنٹر پر کئی دفعہ بجائی اور پھر ایک کرسی میں ڈھے گیا۔ پسینہ اس کے چہرے سے ٹپکنے لگا۔

دفعتہً حیرت کی ایک ہلکی سی چیخ سنائی دی۔ میں نے چونک کر ادھر گھوم کر دیکھا۔ بار کے بائیں طرف والے کھلے دروازے میں ایک عورت کھڑی ہوئی تھی۔ اس کی عمر چالیس کے لگ بھگ تھی اور ہمیں دیکھ کر وہ خوفزدہ ہو گئی بلکہ سہم گئی تھی۔ اس عورت میں سب سے زیادہ حیرت انگیز اور نمایاں بات یہ تھی کہ وہ حاملہ تھی اور سب سے بڑی بات تو یہ تھی کہ وہ اس دور سے گذر رہی تھی جب اس کا بچہ کسی بھی وقت، اس وقت بھی جب وہ دروازے میں کھڑی ہوئی تھی، پیدا ہو سکتا تھا۔ اگر میرا یہ اندازہ غلط تھا تو پھر میں نے میڈیکل کالج میں جھک ماری تھی۔

اس عورت کے عقب میں ایک مرد نمودار ہوا جو کوٹ پہن رہا تھا۔ دبلا پتلا اور بلند قامت، ادھیڑ عمر کا، بال تانبے کی طرح سرخ اور گھنی مونچھیں بھی اسی رنگ کی تھیں۔ اس نے نیچی آواز میں عورت سے کچھ کہا، تو عکیل کر اسے واپس اندر بھیج دیا اور خود باہر آ گیا۔

"کیا حکم ہے سینور؟" اس نے کہا۔

"اور تم کون ہو بھلا؟" جوناس نے پوچھا۔

"رانیل مانیو، سینور۔ میں یہ ہوٹل چلاتا ہوں اس کے علاوہ میں ماجوڈا کا میئر بھی ہوں۔"

"اچھا۔ اچھا" جوناس نے اپنے چہرے پر سے پسینہ پونچھا۔ "میرا نام جانوس ہے اور یہ میرے ساتھی ہیں (سینور کورنخ)۔ ہم ڈان انجیل دی لا پلاٹا کے بلاوے پر ان کی کان کا معائنہ کرنے آئے ہیں۔"

ماریو ایسا مجبور تھا کہ اس نے کچھ نہ کہا چنانچہ جوناس نے بگڑ کر کہا۔
"یہ کیا اُلوؤں کی طرح صورت تک رہے ہو؟ ہمیں قیام کے لئے کمرے چاہئیں۔ دو کمرے"
عین اس وقت وان ہوزن دروازے میں سے گزر کر اندر آ گیا۔ اور اسے دیکھ کر ماریو کے بشرے سے جس قسم کی حیرت، خوف اور سناٹے کا اظہار ہوا وہ بس دیکھنے سے ہی تعلق رکھتا تھا۔ وہ بے اختیار ایک قدم پیچھے ہٹ گیا اور اس نے اپنے سینے پر صلیب کا نشان بنایا۔
"یہ پادری صاحب وان ہوزن ہمارے ساتھ ہی آئے ہیں۔ جب انھیں پیڈیلا میں پتہ چلا کہ ہم کہاں جا رہے ہیں تو انھوں نے ہم سے درخواست کی کہ ہم انھیں ماجوڈا پہنچا دیں۔" جوناس نے ماریو کو مطلع کیا "آدمی بہت اچھے ہیں جیسا کہ ہر پادری کو ہونا چاہئے۔ اب مناسب ہوگا کہ تم انھیں پادری خانے تک پہنچا دو یا وہاں کا راستہ بتا دو"
"پادری خانہ؟" ماریو نے اُلو کی طرح آنکھیں پٹپٹائیں "لیکن سینور! یہاں کوئی پادری خانہ نہیں ہے۔ ماجوڈا میں کوئی پادری ہے ہی نہیں"
"لیکن اب آ گیا ہے بیٹے" وان ہوزن نے حیرت انگیز نرمی سے کہا "تمھارے یہاں گرجا تو ہے ہی اور اب میں بھی آ گیا ہوں"
ماریو کے بشرے سے انتہائی خوف و ہراس ٹپکنے لگا۔
"لیکن فادر! یہاں کوئی پادری نہیں رہ سکتا۔ اس کی اجازت نہیں ہے"
اس نے اپنے دونوں ہاتھ پھیلا دیئے "اور یہاں کوئی کمرہ نہیں ہے۔ ہوٹل بھرا ہوا ہے۔ سمجھے آپ؟ اب آپ لوگ جائیں یہاں سے۔ آپ سب جائیں۔ چلے جائیں ماجوڈا سے اور فادر! آپ سب سے پہلے رخصت ہو جائیے" اور پھر ماریو

بڑی بے مروتی کا ثبوت دیتے ہوئے چلا گیا اور دھڑ سے دروازہ بند کر دیا۔

گہری خاموشی چھا گئی۔ چند ثانیوں تک ہم بت بنے رہے۔ پھر میں کاؤنٹر کے پیچھے پہنچا۔ میں نے جام نکالے اور قریب رکھی ہوئی ڈولی میں ٹھنڈے ہوتے ہوئے لبوتر سے جگ میں کی بیر سے تینوں جام بھر دیئے۔

"میرا تو خیال تھا کہ اسے مطلع کر دیا گیا ہوگا کہ ہم آ رہے ہیں" میں نے کہا۔

"یا مطلع کر دینا چاہئے" ڈان جوزن نے بیر کی ایک چسکی لے کر سر ہلایا "میں سمجھتا ہوں ہمارے ساتھ کوئی بے حد ذلیل کھیل کھیلا جا رہا ہے"۔

"تو پھر اب ہمیں کیا کرنا چاہئے" جونا من نے پوچھا۔

"وہی جو ان حالات میں کرنا مناسب ہے"

"یعنی؟"

"ہم اپنا اپنا پارٹ ادا کریں گے۔ تم دونوں مجھے میرے سامان کے ساتھ گرجا تک پہنچا دو۔

بظاہر یہ تمہارا اخلاقی فرض ہے......"

"پھر؟"

"پھر یہ کہ تم دونوں ڈوان اینجل کے پاس چلے جاؤ اور اپنی مشکل کا ذکر کرو۔ میں سمجھتا ہوں کہ وہ تم دونوں کے قیام کا انتظام کر دے گا"۔

"اس کا مطلب یہ کہ تم اکیلے رہ جاؤ گے" میں نے کہا۔

وہ مسکرایا اور اس نے چرمی بیگ، میری آنکھوں کے سامنے ہلا کر کہا:-

"جب تک یہ میرے پاس ہے مجھے کوئی فکر نہیں ہے۔ اچھا اب چلو"۔

جب ہم گرجا کے برآمدے میں، جو طرک کے رُخ تھا، پہنچے تو مردہ مٹی اور گھوڑے کی بو نے ہمارا استقبال کیا۔ گرجا کا دروازہ کھلا تھا اور اس کی وجہ یہ تھی کہ اس کا تالا توڑ دیا گیا تھا۔ وان ہوزن نے لات مار کر کواڑ کھولے اور اندر داخل ہو گیا۔

میں اور جونا اس کے پیچھے تھے۔

گرجا کباڑ خانہ بنا ہوا تھا۔ بنچیں اوندھی پڑی تھیں اور ٹوٹی پڑی تھیں سفید چونا پھری دیواروں پر کوئلے سے نہایت ہی فحش گالیاں اور عورت اور مرد کے جنسی اعضا کے نام لکھے ہوئے تھے۔ فرش پر فضلے کے انبار تھے۔ صرف مختلف قسم کے جانوروں نے ہی نہیں بلکہ انسانوں نے بھی اپنے پیٹ صاف کئے تھے حتیٰ کہ قربان گاہ کو بھی، جو ایک چوکور بھورے پتھر کی تھی، نہ بخشا گیا تھا۔ یار لوگ تو اس پر بھی اکڑوں بیٹھ کر فارغ ہوئے تھے۔

قربان گاہ کے پتھر پر اور سامنے کے رخ عورت اور مرد کے جنسی اختلاط کی تصویر کوئلے سے بنائی گئی تھی۔ آسن ایسا فحش تھا کہ کوکا پنڈت بھی دیکھ لیں تو شرما جائیں۔

وان ہوزن چند ثانیوں تک بت بنا اس تصویر کی طرف دیکھتا رہا اور پھر اس نے ہاتھ بڑھا کر آہستہ آہستہ سے قربان گاہ پر رکھ دیا۔

"بیچارے، جاہل اور بے وقوف لوگ" اس نے کہا "وہ یہ تک نہیں جانتے کہ وہ یہ سب کیا کر رہے ہیں۔ اس۔ اس۔ اس — اس کے لئے تو اس پوری عمارت کو نئے سرے سے اور بنیادوں سے اٹھانا ہوگا۔"

وان ہوزن نے پہلو کا دروازہ کھولا۔ ہم دوسری طرف پہنچے۔ معلوم ہوا کہ یہ گرجے کا توشہ خانہ ہے۔ اس کمرے میں ایک میز رکھی ہوئی تھی، ایک پرانی الماری

کھڑکی تھی اور ایک کونے میں چارپائی بھی تھی۔ البتہ اس پر بچھی ہوئی شطرنجی ایسی تھی کہ صاف معلوم ہوتا تھا کہ اس پر جو بھی سوئے گا وہ دنیا کے موذی سے موذی مرض میں فوراً مبتلا ہو جائے گا۔

دان ہوزن نے کہا:۔

"بس یہ کمرہ میرے قیام کے لئے ٹھیک ہے۔ لاؤ بھئی میرا ٹرنک یہاں پہنچا دو اور پھر تم دونوں اپنا کام کرنے چلے جاؤ۔"

میں اور دان ہوزن کا ٹرنک اٹھا کر اندر لے آئے اور جب ہم نے اسے ایک کونے میں رکھ دیا تو میں نے دان ہوزن سے پوچھا۔

"یہ تم جانتے ہو کہ تم کیا کر رہے ہو؟" میں نے پوچھا۔

اس نے سوالیہ نظروں سے میری طرف دیکھ کر بھوئیں اچکائیں۔

"میرا مطلب ہے تم جو کچھ کر رہے ہو سوچ سمجھ کر کر رہے ہو؟"

"میں ہر کام عموماً سوچ سمجھ کر ہی کیا کرتا ہوں" اس نے جواب دیا۔ "کار میں جو کمبل ہے اسے میں استعمال کر لوں گا۔ رہی شطرنجی تو وہ اور ایک لالٹین یادیا میں مارینچ سے مانگ لوں گا۔ یقین ہے کہ وہ یہ دونوں چیزیں دینے سے انکار نہ کرے گا۔"

وہ کچھ برہم معلوم ہوتا تھا۔ اس کے ہاتھوں کی بڑی بڑی مٹھیاں کھل رہی تھیں اور بند ہو رہی تھیں اور اس کی نظر بے تابی سے جھونپڑے سے گرجا میں ادھر سے اُدھر گھوم رہی تھیں۔ میں نے سوالیہ نظروں سے جوناس کی طرف دیکھا تو اس نے اپنے پہاڑ سے شانے اچکائے۔ چنانچہ ہم دان ہوزن کو اس کے حال پر چھوڑ کر باہر آ گئے۔

"ہمارا دوست اپنا پارٹ بڑی سنجیدگی سے بلکہ ڈٹ کر ادا کر رہا" جوناس

نے کار کی پچھلی سیٹ پر بیٹھتے ہوئے کہا۔

"پتہ نہیں" میں نے کہا" لیکن برا ہوا ہے"

"کیا؟"

"یہی ۔۔۔ اس گرجا کی حالت جیسی بنائی گئی ہے اسے دیکھ کر خود میرے دل پر اثر ہوا ہے ورنہ تم جانو اس آسو کی تصویر دیکھ کر میں تو ہنس پڑا ہوتا۔

لیکن میں نے جو کچھ کہا تھا اس پر خود مجھے اعتبار نہ تھا۔ کیونکہ میں اس جذبے کو بھولا نہ تھا جو مجھے ڈان ہوزن کے بشرے پر پل بھر کے لئے اس وقت نظر آ گیا تھا جب وہ تریا لنگاہ کے سامنے کھڑا ہوا تھا اس کے بشرے سے روحانی کرب عیاں تھا اور پھر ایک بار پھر اس کی آواز بھی بدل گئی تھی اور یہی سب سے زیادہ معنی خیز بات تھی۔

نقشہ کی رو سے ڈان انجل کی جائیداد ماجوڈا کے عقب میں اور تین میل دور تھی تاہم ایک میل کی مسافت کے بعد ہی اس کی زمین شروع ہو گئی۔ سڑک سے ہٹ کر اینٹوں کا ایک بلند محرابی دروازہ تھا جس کے ایک پتھر پر ڈان کی خاندانی علامت، یعنی زرہ بکتر اور اس کے عین نیچے "ڈی پلیٹا" کندہ کیا گیا تھا۔

اس دروازے میں داخل ہونے کے بعد ہماری کار ایسے میدانوں کے درمیان سے گزر رہی تھی جن میں چھدری چھدری گھاس اگی ہوئی تھی۔ اور گایوں کے ریوڑ اس جگہ چرتے نظر آ رہے تھے۔ جہاں کپاس کے پودوں کے جھنڈ تھے۔

دروازے میں داخل ہونے کے بعد ہم کوئی ایک میل آگے بڑھے تھے کہ

گرم فضا میں بندوق کا ایک دھماکا گونج گیا اور ساتھ ہی تین گھڑسوار اس ٹیلے نما زمین کی کوب پر نمودار ہوئے جو ہماری کچی سڑک کے متوازی تھی۔

ہم نے کار نہ روکی اور ان گھڑسواروں کے سردار نے اپنی رائفل کی نالی دوسرے ہاتھ کی کلائی پر رکھی اور دوسرا فیر کر دیا۔ گولی نے ہماری کار کے عین سامنے اور صرف چند انچ آگے دھول کا فوارہ سا اڑا دیا۔ اور اب میں نے بڑی عقلمندی کا ثبوت دیتے ہوئے کار روک لی۔

"ایک بات کہوں؟" جوناس نے کہا۔

"کیا ہے؟"

"چلتے وقت میں نے کورڈونا سے ایک پستول حاصل کر لیا تھا۔ اور گولی چلانے اور کسی کو بھی پہلی ہی گولی میں نشانہ بنانے کی میری قابلیت جوں کی توں موجود ہے۔ میرے مخدوم نے میرے جسم کے ساتھ زیادتی کی ہے۔ لیکن میری اس قابلیت کو گھن نہیں لگایا ہے۔ تو پھر کیا خیال ہے پھر؟"

اور جوناس نے ہماری طرف آتے ہوئے گھڑسواروں کی طرف دیکھا۔

"ابھی نہیں" میں نے کہا "اگر سیدھی انگلی سے گھی نکلتا ہو تو اسے ٹیڑھی کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔"

ان لوگوں نے میکسیکو کے گوالوں کا لباس پہن رکھا تھا۔ سر پر تنکوں کے سامبریرو تھے اور پیروں میں خام کھال کے ہاراتا تھے۔ لیکن وہ شخص، جو بقیہ سب کا سردار معلوم ہوتا تھا، آپ اپنی مثال تھا۔ اس کا قد کسی صورت وان ہوزن کے قد سے کم نہ تھا، بشرے سے کرختگی اور سنگدلی ظاہر تھی اور اس کے ہاتھوں کے پنجے میں نے کبھی کسی کے نہ دیکھے تھے۔

"یہ کیا مذاق ہے؟" جوناس گرجا۔

"یہ شخصی جائداد ہے" اس دیو نے جوناس کو مطلع کیا۔ اس کی آواز پرانے امراض اور کثرتِ شراب نوشی کی وجہ سے بگڑی ہوئی تھی۔

"اور میں اس جائداد کے مالک ڈان اینجل ری پلاڈا کے ضروری اور فوری بلاوے پر یہاں آیا ہوں" جوناس نے بڑے رعب سے کہا۔

"تمہیں جھوٹ بولنا بھی نہ آیا سینور" اس دیو نے کہا "میرا نام راڈل جوراڈو ہے اور میں ڈان اینجل کی جائداد اور مویشیوں کا نگراں ہوں۔ اگر واقعی تم بلاوے پر یہاں آئے ہو تو اس کی اطلاع سب سے پہلے ڈان کی طرف سے مجھے دی جاتی"

اور اس نے اپنا بازو اٹھا کر اور کہنی میں سے موڑ کر اس کی کلائی پر اپنی رائفل کی نالی لگادی۔ میری انگلیاں بھی میرے پستول کا دستہ پکڑ چکی تھیں لیکن پستول گھسیٹنے کی ضرورت پیش نہ آئی۔ کیونکہ جوناس نے کہا:۔

"میرے دوست تم بخوبی دیکھ رہے ہو کہ میرا ہاتھ میرے کوٹ کی جیب میں ہے اور میرے اس ہاتھ کی انگلیوں نے ایک بھرے ہوئے پستول کو دبوچ رکھا ہے۔ تم لحیم و شحیم ہو اور فاصلہ چونکہ کم ہے اس لئے میرا نشانہ خطا نہ کرے گا"

رائفل کی نالی بدستور ہماری طرف اٹھی رہی۔ رہا جوراڈو۔۔ تو اس کا چہرہ جیسے پتھر سے تراشا گیا تھا۔ اس سے ذرا بھی خوف یا گھبراہٹ کا اظہار نہ ہوا۔

میں نہیں کہہ سکتا کہ عین وقت پر ایک چوتھی ہستی نہ آگئی ہوتی تو یہ معاملہ کس صورت میں ختم ہوتا۔

ایک آواز نے چیخ کر کہا:۔

"جوراڈو! بیوقوف! یہ کیا کر رہے ہو!"

اور ایک عورت اسی ٹیکری پر نمودار ہوئی جس پر جوراڈو اور اس کے ساتھی نمودار ہوئے تھے اور پھر وہ گھوڑا بھگاتی ہمارے قریب آگئی۔

اس نے مردوں کی طرح ہی جوتے پہن رکھے تھے اور اس پر مثیل کی مہمیز لگا رکھی تھی۔ اس کے علاوہ اس نے کالے رنگ کی ہسپانوی اور سواری کی برجیس اور سفید ریشمی قمیص پہن رکھی تھی جو گلے پر سے کھلی تھی اس کے سر پر قرطبہ کی ہیٹ تھی جو اس کے زردی مائل بیضوی چہرے کو دھوپ سے بچانے کے لئے آگے کی طرف جھکی ہوئی تھی۔

"کیا ہو رہا ہے یہاں؟" اس نے پوچھا اور رائفل کی نالی پر تھپڑ مار کر اس کا رخ ہماری طرف سے پھیر دیا۔

"اجنبی لوگ" جوراڈو نے کہا "ہماری جائداد میں گھس پڑے ہیں۔"

"سینورا! مجھے اپنا اور اپنے ساتھی کا تعارف کرانے کی اجازت دیجئے" جوناس اٹھ کھڑا ہوا اور سینے پر ہاتھ رکھ کر کمر میں سے ذرا سا جھک گیا وہ موٹا اور کیا بھی تھا لیکن مجھے کہنا پڑتا ہے کہ اس کے انداز دل بھا لینے والے تھے۔ میرا نام پاؤل جوناسن ہے اور میں ہر براما مننگ کمپنی کا نمائندہ ہوں اور یہ صاحب سینور المیٹکرخ ہیں انجینئر ہیں یہ۔ میں ڈان انجیل دی لاپلاٹا کے نوری بلاوے پر یہاں آیا ہوں اور یہ شخص جانے کیوں ہم پر گولیاں چلا رہا ہے۔"

لڑکی کا چہرہ غصے کی شدت سے بگڑ گیا اس کا ایک ہاتھ ہوا میں بلند ہوا اور چابک کا ایک سٹراکا جوراڈو کے چہرے پر پڑا اس کے چہرے پر سرخ ترچھی لکیر ابھر آئی۔

"جانور!" اس نے غصے سے کانپتی ہوئی آواز میں کہا "یہ کیا گدھا پن ہے؟"

جوراڈو نے چابک کی دوسری ضرب سے بچنے کے لئے اپنا بازو چہرے کے سامنے کرتے ہوئے کہا۔

"سینوریتا! میں تو حکم کی تعمیل کر رہا ہوں۔"

"حکم!" اس نے یہ لفظ یوں تھوک دیا جیسے اس کا ذائقہ پسند نہ تھا "یہاں میرا حکم چلتا ہے۔ میرے بھائی کا نہیں۔ اب دور ہو جاؤ میری نظر کے سامنے سے اور میرا گھوڑا لیتے جاؤ۔"

وہ گھوڑے پر سے اتر آئی اور ایک ہاتھ کے ایک ہی جھٹکے سے لگام جوراڈو کی طرف اچھال دی۔ ایک لمحے تک مجھے ایسا معلوم ہوا کہ وہ لڑکی کے حکم کی تعمیل کرنے سے انکار کر دے گا۔ لیکن پھر اس کا ہاتھ سلام کرنے کے لئے اوپر اٹھ گیا۔ اور اس نے اپنے گھوڑے کی باگ موڑی اور لڑکی کا گھوڑا اپنے ساتھ لے کر چلا گیا اس کے دونوں ساتھی اس کے پیچھے تھے۔

لڑکی نے اپنی ہیٹ اتار لی اور میں نے دیکھا کہ میں نے اس کی عمر کا جو اندازہ لگایا تھا وہ غلط تھا۔ اس کی عمر میرے اندازے سے زیادہ تھی۔ کم سے کم تیس برس کی۔ اس کی جلد اتنی زرد تھی کہ اس میں سے تقریباً آر پار دیکھا جا سکتا تھا۔ اور اس کی بڑی بڑی اور کالی آنکھوں میں دنیا کے سارے اندھیرے اور غم سمٹ آئے تھے ایسی اداس اور غمناک۔ آنکھیں شاید ہی کسی کی رہی ہوں۔

"سینور مس! مجھے شیلا ڈسی لا ایلیا کہتے ہیں۔" اس نے کہا۔ "اب اگر آپ اجازت دیں تو میں آپ کے ساتھ اس مشین پر سوار ہو جاؤں اور اپنے باپ کے گھر تک آپ کی راہبری کروں؟"

گھوڑے اور مویشیوں کے تھانوں اور عمارتوں کا پورا احاطہ تھا جن میں سے زیادہ تر ٹوٹی پھوٹی تھیں یا پھر ٹوٹ رہی تھیں۔ رہائشی مکان ان اصطبلوں وغیرہ کے پیچھے تھا اور اس کے عقب میں سرو کے درختوں کی قطار تھی۔ یہ مکان

ایک منزلہ تھا، اس کی دیواریں بھورے پتھروں سے اٹھائی گئی تھیں اور وہ اسی طرز کا تھا جیسا کہ پرانے نو آباد کار بنایا کرتے تھے۔ مکان بذات خود بھی بے حد پرانا تھا جس کے سامنے کہ درت ستون تھے۔

جب میں نے پتھر کی چوڑی سیڑھیوں کے قدموں میں کار روکی تو سب سے پہلے جس چیز پر میری نظر پڑی وہ گولیوں کے وہ بے شمار نشانات اور خراشیں تھیں جو دیوار پر صاف نظر آرہی تھیں۔ چنانچہ یہ بات تو بہرحال صاف تھی کہ کسی زمانے میں یہاں بڑی زبردست لڑائی ہوئی تھی اور خوب گولیاں چلی تھیں۔
ہم شیلا کی معیت میں سیڑھیاں چڑھ کر نیم تاریک اور ٹھنڈے پیش کمرے میں آگئے۔ یہ کمرہ خاصہ وسیع و عریض تھا اور اس کی دیواروں پر جنگلی بھینسوں اور سوروں کے سر لگے ہوئے تھے۔ اس پیش کمرے کی بائیں دیوار میں آگ کا ایک کافی بڑا دروازہ تھا اس پر بھی گولیوں کے ایک دو نشانات تھے۔ شیلا نے یہ دروازہ کھولا اور ہم اس کمرے میں آگئے جو اس بڑے دروازے کے پیچھے تھا۔ اور یہ کمرہ حقیقت میں دلکش تھا۔

یہ کمرہ اٹھارھویں صدی کے ہسپانوی اور سیاہ شاہ بلوط کے فرنیچر سے سجا ہوا تھا۔ فرش صنوبر کی پالش شدہ لکڑی کا تھا جس پر یہاں وہاں انڈین قالین کے رنگین ٹکڑے بچھے ہوئے تھے ایک دیوار میں پتھر کا بڑا آتشدان تھا جو اس وقت سرد پڑا ہوا تھا۔ یعنی اس میں آگ نہ جل رہی تھی

بسینور س: آپ یہاں انتظار کریں۔ میں اپنے والد کو لے کر آتی ہوں، شیلا نے کہا اور باہر چلی گئی تھی۔

"کسی زمانے میں اس دی پلیلیا خاندان کا شاہانہ ٹھاٹھ رہا ہوگا۔" جوناس نے کہا۔ اور وہ دھپ سے ایک آرام دہ کرسی میں بیٹھ کر تعریفی نظروں سے ایک

ایک چیز کا جائزہ لینے لگا۔

کمرے کے انتہائی سرے پر ایک بہت بڑی کھڑکی تھی۔ میں اس کے سامنے جا کھڑا ہوا اور باہر دیکھنے لگا۔ اس طرف ایک بڑا باغ تھا جس کی اپنی چار دیواری تھی کسی زمانے میں یہ باغ شاندار اور دلخوش کن رہا ہو گا۔ لیکن اب اجاڑ پڑا ہوا تھا۔ اور آپ جانئے دنیا میں اگر کوئی اداس ترین منظر ہے تو اجڑے ہوئے باغ کا ہی منظر ہے۔

دروازہ ہلکی سی آواز سے کھلا اور شیلا ایک پہیوں والی کرسی ڈھکیلتی آگئی اس کرسی میں ایک سوکھا مارا اور بیمار نظر آتا ہوا آدمی بیٹھا ہوا تھا جس کے سر کے بال اتنے لانبے تھے کہ اس کے شانوں تک آتے تھے۔ اس بوڑھے اور شیلا کے چہرے میں کوئی شباہت نہ تھی۔ کیونکہ اس کا چہرہ لمبوترا اور استخوانی تھا۔ آنکھیں بھوری تھیں جو جیسے دنیا کو حیرت اور دہشت سے دیکھ رہی تھیں۔ اس نے اپنی ٹانگوں پر اونی کمبل ڈال رکھا تھا اور صاف ظاہر تھا کہ اس دنیا میں اس کے دن اب قریب الختم تھے۔

"سینورس :" "یہ میرے والد ڈان انجیل دی لا پلیٹا"

اس نے اپنا خشک اور بے جان ہاتھ جوناس کی طرف بڑھا دیا۔

"سینور جوناس ؟"

جوناس نے اثبات میں سر ہلایا۔

" میں بیان نہیں کر سکتا کہ آپ کا خط موصول ہوا تھا تو مجھے کس قدر مسرت حاصل ہوئی تھی" ڈان انجیل نے کہا۔ "اوہ! بے حد مسرت حاصل ہوئی تھی۔ آپ کے لئے سب کچھ تیار ہے۔ چند ہفتوں سے میں نے آدمی وہاں کام پر لگا دیئے ہیں میرا مطلب ہے کان میں ـــــ چند ہفتوں سے۔ چند ہفتوں سے۔ اور مجھے یقین

ہے کہ اب آپ کان دیکھ کر خوش ہو جائیں گے۔ خوش ہو جائیں گے۔ خوش ہو جائیں گے۔

ڈان اینجل بہت دیر تک اسی طرح بے ربط باتیں کرتا رہا اور یوں مسلسل بولتا رہا کہ جونا س کو اس سے میرا تعارف کروانے کا موقع بمشکل ملا۔ وہ بولتا رہا، الفاظ اور جملے بار بار دہراتا رہا اور یہ سب وہ شکی اور جھگڑالو عورت کی آواز میں کہتا رہا جو سراسر غیر صحت مند تھی۔

آخر کار شیلا بڑی کوششوں کے بعد یہ کہہ کر اسے خاموش کرنے میں کامیاب ہو گئی کہ کھانا دوسرے کمرے میں چن دیا گیا ہے۔

چنانچہ اس دفعہ بوڑھے کی پہیوں والی کرسی میں نے دھکیلی اور شیلا اپنی راہبری میں ہمیں واپس پیش کمرے میں اور وہاں سے مکان کے پچھواڑے سے لے آئی یہاں برآمدے میں، جو اجاڑ باغ کے سرے پر تھا۔ کھانے کی میز لگا دی گئی تھی۔

دو انڈین عورتیں ہمیں کھانا پیش کرنے لگیں۔ ان کے چہرے گمبھیر تھے اور وہ بھولے سے بھی ایک لفظ تک نہ کہہ رہی تھی البتہ ضرورت کے مطابق سامنے آجاتی اور غائب ہو جاتی تھیں۔

شراب کتنی تھی یہ میں نہیں کہہ سکتا کیونکہ اس کے ٹمبلر بھرے ہوئے تھے جام نہ تھے کہ مقدار کا اندازہ لگایا جا سکتا۔ اور جب میرا ٹمبلر خالی ہو جاتا تو خدمت گار انڈین عورتوں میں سے ایک اسے فوراً بھر دیتی۔ کھانا سادہ، مقوی اور وافر مقدار میں تھا۔ کھانا وہی تھا جیسا کہ دیہاتوں میں ہوتا ہے یعنی سرخ مرچوں میں پکے ہوئے فریجولس، گائے کے گوشت کے تلے ہوئے پارچے اور ایک ایک پارچہ قاب جتنا بڑا تھا اور بکری کے دودھ کا پنیر۔ ایسا عمدہ اور لذیذ پنیر میں نے پہلے کبھی نہ کھایا تھا۔

بڈھا انجیل ٹٹولتا رہا۔ وہ اپنی کتاب میں انگلیاں مارتا رہا لیکن اس نے کچھ نہ کہا۔ بلکہ اب تو اس کی زبان بھی بند تھی اور اس کی طرف سے شیلا گفتگو کر رہی تھی۔

"ہوٹیلا سے یہاں تک کا آپ کا سفر کیسا رہا؟" شیلا نے پوچھا۔

"بہت اچھا" جوناس نے جواب دیا "آپ جانیے موٹر گاڑی بڑے مزے کی چیز ہے۔ اس سے سفر بڑا آسان ہو جاتا ہے۔ اور وہ پادری صاحب تو بے حد خوش و مرعوب ہو گئے۔ ہے نا کوخ؟"

"پادری؟" شیلا نے بے تعلقی سے پوچھا۔

"جی ہاں۔ وہ ہمیں ہوٹیلا میں مل گئے تھے۔ بچارے ماچنڈا آنے کے لئے سواری کی تلاش میں سرگرداں اور پریشان تھے۔ فادر دان ہوزن نام ہے ان کا۔ امریکی ہیں۔ میں نے پوچھا نہیں لیکن میرا خیال ہے کہ کلیسا نے یہ علاقہ ان کے سپرد کیا ہے۔ اللہ والے تو ہی ہیں بچارے۔ ہم انھیں گرجا تک پہنچا کر آئے ہیں، اور براہ مانیئے سینیورا لیکن مجھے کہنا پڑتا ہے کہ یہاں کا گرجا افسوسناک حالت میں ہے۔"

"یقیناً ہوگا" شیلا کے ابرو پر بل پڑ گئے تھے "سینیور! میں آپ کے ساتھ ماچنڈا چلنا اور ان پادری صاحب سے ملاقات کرنا چاہتی ہوں۔ آپ کو کوئی اعتراض تو نہ ہوگا؟"

"اعتراض؟ بلکہ ہمیں تو خوشی حاصل ہوگی" جوناس نے کہا اور پھر کھنکھار کر اضافہ کیا "دراصل ہم کسی ایک مشکل میں پھنس گئے ہیں۔"

"کیسی مشکل؟"

"وہاں ہوٹل میں۔۔۔ آہم۔۔۔ ہم سے کہا گیا ہے کہ وہ لوگ وہاں ہمارے

قیام کا انتظام نہیں کر سکتے، کہتے ہیں کہ کوئی کمرہ خالی نہیں ہے۔

شیلانے بڑے سکون اور یقین سے کہا۔

"ہوٹل کے منتظم مارنیو سے میں بات کر دوں گی۔ آپ مطمئن رہیں آپ کے قیام کا انتظام ہو جائے گا۔"

"شکریہ۔ اور اب یہ بتایئے کہ ہم کان دیکھنے کب جائیں گے؟" میں نے پوچھا۔

"اگر آپ پسند کریں تو کل صبح چلیں۔ کان یہاں سے تین میل دور ہے اور راستہ ایسا ہے کہ آپ کی موٹر گاڑی نہیں جا سکتی وہاں تک۔ البتہ اگر آپ کو کوئی اعتراض نہ ہو تو گھوڑا گاڑی میں کان تک سینور؟"

جوناس نے کمرے میں سے قدرے تمیز ہو کر کہا۔

"میں تیار ہوں سینوریٹا۔ لیکن ایک بات ہے۔"

"وہ کیا؟"

اس نے بڑے بے ڈھنگے پن سے کھنکار کر اپنا گلا صاف کیا اور میں نے دل ہی دل میں اس عمدہ ایکٹنگ کی داد دی۔

"سینوریٹا! مناسب معلوم ہوتا ہے کہ میں سب کچھ آپ کو صاف صاف بتا دوں۔ ہمارے پاس اس علاقے کے ملٹری گورنر کرنل بونیلا تشریف لائے تھے اور مجھ سے کہا تھا کہ میں ماچوڈا جانے کا خیال ترک کر دوں۔ بلکہ زور دیا تھا کہ میں یہاں نہ آؤں۔ ان کے خیال میں یہاں میری اور میرے ساتھی کی زندگی کو خطرہ لاحق ہوگا۔"

"یہاں ایسا کوئی خطرہ نہیں ہے۔" شیلانے سپاٹ آواز میں جواب دیا۔ "کرنل بونیلا نے مبالغے سے کام لیا ہے۔ دراصل وہ حقیقت سے واقف نہیں ہیں۔"

"سینوریٹا!" جوناس نے بڑے سکون سے کہا۔ "معافی چاہتا ہوں کہ اس ایک موضوع کو چھیڑ رہا ہوں۔ لیکن ــــ اور ــــ مجھ سے کہا گیا ہے کہ آپ کے

بھائی، جن کے تعلقات حکومت سے بگڑے ہوئے ہیں، ہمارے معاملات میں دخل دینے کی کوشش کریں گے۔

"اپنے والد کی طرف سے یہاں کا انتظام میں کرتی ہوں اور یہاں میرا حکم چلتا ہے سینور" وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔ "یہاں میرے بھائی کو نہ تو کوئی اختیار حاصل ہے اور نہ ہی اسے دخل دینے کا حق حاصل ہے۔ اچھی بات ہے اب میں دو منٹ میں واپس آتی ہوں۔ پھر ہم ماجنڈا کی طرف روانہ ہو جائیں گے۔"

اور وہ کمرے سے باہر چلی گئی۔ میں نے سوالیہ نظروں سے جوناس کی طرف دیکھا تو اس نے آہستہ سے سر ہلایا اور پھر سگار جلانے میں مصروف ہو گیا۔

بوڑھا ڈان اینجل، جو اس تمام عرصے میں سر جھکائے خاموش بیٹھا رہا تھا۔ دفعتہ کسمسایا، اس نے سر اٹھا کر ہماری طرف دیکھا اور پھر ایک دم سے چیخ پڑا:۔

"کون ہو تم؟ کون ہو؟ کون ہو؟ کیا کر رہے ہو یہاں؟ یہاں؟ یہاں؟"

میں اور جوناس گھبرا کر اٹھ کھڑے ہوئے۔ ہمارے عقب میں دروازہ آہستہ سے کھلا اور شیلا آ گئی۔ اس عرصے میں بڑے میاں جوش میں آ کر نہایت فحش گالیاں بک رہے اور ہر گالی کو تین تین اور سات سات بار دہراتے رہے۔

شیلا نے ہمارے لئے دروازہ کھلا رکھا تو ہم باہر نکل آئے۔

خود شیلا کو گالیاں بکتے بڈھے کے پاس چھوڑ کر ہم کار کی طرف بڑھے اور جب میں سہارا دے کر موٹے جوناس کو پچھلی سیٹ پر بٹھا رہا تھا تو اس نے مسکرا کر اور اپنے ہونٹوں کے کونے سے آواز نکال کر کہا:۔

"اب یہ بات سمجھ میں نہیں آتی یار کہ بنیچ بونیلا نے جہاں ہمیں بہت سی باتیں بتا دیں وہاں یہ چھوٹی سی بات بتانا کیوں بھول گیا؟"

میں خود یہی سوچ رہا تھا لیکن ہم اس مسئلے پر مزید گفتگو نہ کر سکے کیونکہ شیلا آ گئی

تھی۔ وہ اب بھی گھڑ سواری کے لباس میں ملبوس تھی۔

وہ میرے قریب اگلی سیٹ پر بیٹھ گئی اور مسکرا کر کہا :۔

"چلئے"

مجھے حیرت اس بات پر تھی کہ اس نے اپنے باپ کی گالیوں کی نہ تو معافی مانگی اور نہ ہی اس کے متعلق کسی قسم کی صفائی پیش کی۔

اور جب میں نے کار اسٹارٹ کی ہے تو اس وقت میں بونیلا کے متعلق سوچ رہا تھا یہ کیا بات تھی کہ وہ مرد وقصداً اس بات کو چھپا گیا تھا کہ ڈان انجیل دی ملا پاتا نرا پاگل تھا؟ یہ بات اس نے ہمیں کیوں نہ بتائی؟ کیا مقصد تھا اس کا؟ وہ سور ہمارے ساتھ کون سا اور کس قسم کا کھیل کھیل رہا تھا؟"

آٹھواں باب

جب ہم بستی کے قریب پہونچے تو سہ پہر کی گرم فضا میں دھوئیں کے بادل سے اٹھتے اور پھیلتے نظر آئے۔

"کہیں آگ لگ گئی ہے شاید" جناس نے بڑے ٹھنڈے لہجے سے کہا۔ "کہیں یہ گرجا نہ ہو"

شیلا نے تیکھی اور کانپتی ہوئی آواز میں جلدی سے کہا :۔

"جلدی چلئے سینور ۔۔۔ رفتار بڑھا دیجئے"

لیکن جب ہم ڈھلان کی چوٹی پر پہنچے تو دیکھا کہ گرجا بدستور کھڑا ہوا تھا۔ ہم نے بستی پر بھی نظر دوڑائی۔ وہاں بھی کچھ نہ جل رہا تھا۔ دھواں گرجا کے کنگرہ مینار کے پیچھے سے اٹھ رہا تھا۔

ہم قریب پہونچے تو وہاں چالیس پچاس آدمی گروہ بنائے خاموش کھڑے ہوئے تھے۔ گرجا میں سے کسی چیز کے ٹوٹنے کا تڑاخہ سنائی دیا اور پھر وان ہوزن برآمدے میں نظر آیا۔ وہ اوپر کے دھڑ سے برہنہ تھا اور شانے پر دو چوبی تختے اٹھائے ہوئے تھا۔

"صفائی ہو رہی ہے فادر؟" میں نے آگے بڑھ کر بشاشت سے کہا

وہ مسکرایا۔

"یونہی سمجھ لو"

میں اس کے پیچھے ہی پیچھے گرجا کے عقب میں آگیا۔ یہاں بڑا زبردست الاؤ سا بھڑک رہا تھا۔ وان ہوزن نے وہ تختے، جنھیں وہ اٹھائے ہوئے تھا، اس الاؤ میں ڈال دیئے اور پھر میری طرف گھوم گیا۔

"جتنا کچھ بچا سکتا تھا میں نے بچا لیا ہے۔" وہ بولا "چند بنچیں اب بھی سالم ہیں سو میں نے رہنے دی ہیں۔ اب اس کے بعد گرجا کی دیواروں اور فرش کو اچھی طرح سے دھونا باقی رہ جاتا ہے؟"

"معلوم ایسا ہوتا ہے کہ اس نیک کام میں تم بڑی دلچسپی لے رہے ہو" میں نے کہا لیکن جب اس نے کوئی جواب نہ دیا تو میں نے اضافہ کیا۔ "دی لاپلیٹا کے ساتھ چھ کچھ بات چیت ہوئی ہے اس کی تفصیل بعد میں بتاؤں گا۔ اس وقت تو اس کی بیٹی ہمارے ساتھ ہے:

وان ہوزن نے گردن گھما کر پیچھے دیکھا اور کہا:۔

"سلام سینوریتا"

میں ایک دم سے پیچھے گھوم گیا۔ شیلا چند قدم دور کھڑی یہ سب کچھ دیکھ رہی تھی جو ناس اپنی چھڑی ٹیکتا آگے بڑھا۔

"گرمی میں بڑا گھوم گھام کر رہے ہو فادر" اس نے کہا۔ "مجھے تعارف کرانے کی اجازت دیجئے۔ آپ ہیں سینورتیا شیلا دی لا پلیٹا۔ اور سینورتیا! آپ ہیں فادر دان ہوزن جنہیں ہم ہوئیلا سے اپنے ساتھ یہاں تک لائے ہیں"۔

شیلا یوں آگے دعنس آئی جیسے میں اور جوناس وہاں موجود تھے ہی نہیں وہ دان ہوزن کے عین سامنے جا کھڑی ہوئی اور اس نے براہ راست اس کے چہرے پر نظریں گاڑ دیں۔ اور میں نے دیکھا کہ شیلا کا چہرہ سفید ہو گیا تھا اور آنکھیں وہ اندھیرے غاروں کی طرح معلوم ہوتی تھیں۔

"فادر! تم یہاں نہیں ٹھہر سکتے۔ تمہیں یہاں نہیں ٹھہرنا ہے۔ یقیناً تمہیں ہوئیلا میں یا کسی اور جگہ خبردار کر دیا گیا ہوگا"۔

"بہت سی باتوں سے مجھے خبردار کیا گیا ہے سینورتیا" دان ہوزن نے بڑی شفقت سے مسکرا کر کہا "لیکن میری جگہ یہیں ہے اور میرا مقام یہی ہے"۔

"فادر! یہاں لوگ پادریوں کو قتل کر دیتے ہیں" اس نے تقریباً چیخ کر کہا "اور کوئی وجہ نہیں ہے کہ وہ تمہارے ساتھ بھی ایسا ہی سلوک نہ کریں اور خود میں۔ — میں — اس کام میں ان کی شریک ہوں — مجبوراً — مجبوراً مجھے بے گناہ خون سے اپنے ہاتھ رنگنے پڑے ہیں۔ لیکن اب میں تھک گئی ہوں ان سب باتوں سے — فادر! سچ مچ تھک گئی ہوں۔ اب یہ بوجھ مجھ سے اٹھائے نہیں اٹھتا"۔

شیلا کی آواز میں جو کرب تھا اس کے جواب میں دان ہوزن نے عجیب اور حیران کن حرکت کی۔

اس نے اپنے ہاتھ میں آہستہ سے شیلا کا ہاتھ لے لیا اور دوسرے ہاتھ سے بالوں کی وہ لٹ ہٹائی جو شیلا کے ماتھے پر آ پڑی تھی۔ اس کے چہرے سے پتھر کو

پگھلا دینے والا استقلال عیاں تھا اور جب وہ بولا ہے تو اس کی آواز نرم لیکن جچی ہوئی تھی:۔

"اس معاملے کا بوجھ تمہارے سر نہ ہوگا بیٹی۔ یقین کرو، غلطی نہ ہوگا" اس نے کہا۔ "تم سمجھیں میری بات بی"

وہ حیرت سے دان ہوزن کی صورت تکنے لگی اور پھر، میں نے دیکھا، اس نے دان ہوزن کا ہاتھ اتنے زور سے دبایا کہ اس کی انگلیوں کی ہڈیاں کھال پر اُبھر آئیں۔ اس نے اپنی آنکھیں بند کرلیں اور اس کے منہ سے ایک ایسی زبردست آہ نکلی جس نے اسے سرتاپا کپکپا دیا۔

جب اس نے دوبارہ اپنی آنکھیں کھولی ہیں تو اس کے اعضا بہت حد تک سکون پذیر ہو چکے تھے۔

"نادر! — یہ — گاؤں والے تمہاری کوئی مدد نہ کریں گے" اس نے کہا۔ "وہ ڈرتے ہیں۔"

"جانتا ہوں"

"وہ سب کے سب میرے بھائی سے ڈرتے ہیں" شیلا نے کہا۔ "جسے دنیا کی ہر جاندار چیز سے نفرت ہے"

دان ہوزن مسکرایا اور اس نے آہستہ سے شیلا کا ہاتھ چھوڑ دیا۔

"سینوریتا! اب جاؤ۔ خدا تمہاری حفاظت کرے۔ ابھی مجھے بہت کام کرنے ہیں۔ جب گرجا کی حالت ذرا شدھر جائے گی تو اُمید ہے کہ اس وقت تم ایک بار پھر مجھ سے ملنے آؤ گی"

وہ پلٹ کر کار کی طرف چلی گئی۔ میں نے قدرے برہمی سے دان ہوزن کی طرف دیکھا لیکن وہ میری طرف متوجہ نہ ہوا اور تختہ اٹھا کر ملائکہ میں پھینکنے لگا۔ اس عرصہ

میں وہ وہاں میری موجودگی کو پوری طرح بھلا چکا تھا۔ چنانچہ میں ملیٹ، کو کار کی طرف

چل دیا۔

شیلا ایک بار پھر ملیٹ کروان ہوزن کی طرف بھاگ پڑی۔ میں نے جوناس کو سہارا دے کر پچھلی سیٹ پر بٹھا دیا اور کار کے پائیدان پر ایک ٹانگ رکھ کر کھڑا ہو گیا۔

"لو بھائی۔ اب کیا کہتے ہو؟" میں نے پوچھا۔

"غضب کی ایکٹنگ کرتا ہے تمہارا یہ دوست۔ بلکہ میرا تو یہ خیال ہے کہ وہ حقیقت میں اپنے آپ کو پادری سمجھنے لگا ہے"۔ جوناس نے کہا۔

"اگر ایسا ہی ہے یا ایسا ہوا تو کیا؟"

جوناس مسکرایا۔

"تو یہ قدرت کی بڑی ستم ظریفی ہوگی"۔ اس نے کہا

یہ اس نے کچھ گول گول سی بات کہی تھی لیکن اس موضوع پر مزید کچھ کہنے کا موقع نہ ملا کیونکہ عین اس وقت شیلا واپس آگئی۔ وان ہوزن اس کے ساتھ تھا۔

"میں نے فادر کو کل اپنے گھر بلایا ہے"۔ شیلا نے کہا۔ "میں انہیں اپنے والد سے ملانا چاہتی ہوں اگر تکلیف نہ ہو تو میں آپ سے یہ درخواست کروں گی کہ آپ فادر کو میرے گھر لے آئیں؟"

"اس میں تکلیف کی کیا بات ہے۔ بلکہ ہمیں تو مسرت حاصل ہوگی"۔ جوناس نے کہا۔ "کسی زمانے میں کافی خوبصورت گرجا رہا ہوگا یہ"۔

"دو سو سال سے زیادہ پرانا ہے"۔ شیلا نے کہا۔ "سینٹ مارٹن دی پورس سے منسوب تھا یہ گرجا۔ اس علاقے میں انہیں بڑے احترام سے یاد کیا جاتا ہے۔ آپ جانتے ہی ہوں گے کہ ان کی والدہ انڈین تھیں"۔

"جی ہاں"۔ میں نے کہا۔ "گزشتہ کل ہی فادر ہمیں اس سینٹ کے متعلق

بنا رہے تھے۔ ان کے پاس ان کا ایک بہت خوبصورت بت بھی ہے۔"

وان ہوزن کے ابرو پر بل پڑ گئے۔ اس وقت اس کی اس خفگی کی وجہ میں کچھ نہ سمجھ سکا تھا لیکن اب میں سمجھ سکتا ہوں۔ دراصل واقعات نے جو خلاف توقع موڑ لیا تھا اس کی تہہ میں اسے اتفاقات سے سوا کچھ نظر آ گیا تھا۔

"تو یہ گرجا سینٹ مارٹن دی پورس سے منسوب تھا؟"

"بالکل۔ میرا خیال تھا کہ آپ اس حقیقت سے واقف ہوں گے" شیلا نے کہا اور پھر قدرے ہچکچا کر پوچھا "آپ کے پاس جو یہ بت ہے۔ کیا میں اسے دیکھ سکتی ہوں؟"

"ہاں۔ ہاں۔ کیوں نہیں" وان ہوزن نے شیلا کا بازو پکڑ لیا اور پھر ہماری طرف دیکھ کر کہا "آپ حضرات کو زحمت تو ہوگی لیکن۔ آپ کو زیادہ انتظار نہ کرنا پڑے گا۔"

وان ہوزن اور شیلا گرجا میں چلے گئے اور جونا س نے کہا:۔

"اب اس سے تم نے کیا نتیجہ اخذ کیا کورنخ؟"

"میں تو صرف ایک بات جانتا ہوں"

"کیا؟"

"یہ عورت شیلا پوری طرح سے اور بری طرح سے اور حقیقت میں پھنس گئی ہے۔"

"بالکل اور یہ بڑی مبارک فال ہے۔ یعنی ابتدا اچھی ہوئی ہے۔ ہمارا دوست اپنے فن کا استاد ہے۔"

"وہ دوسری دفعہ وہ اس عورت سے اقرارِ گناہ سن رہا ہوگا"

جونا س چاندی کے چھوٹے سے چاقو سے سگار کی دم کاٹ رہا تھا۔ اس نے اپنا ہاتھ روک کر میری طرف دیکھا۔

"اور اس کی یہ حرکت تمہیں بری معلوم ہوگی" آتھی نے پوچھا۔

"ظاہر ہے؟"

"دیکھو یار یہ وان ہوزن یہاں ایک پارٹ ادا کرنے آیا ہے۔ اور اب تم اس بات پر معترض نظر آتے ہو کہ وہ بڑی خوبی سے اپنا پارٹ ادا کر رہا ہے؟"

یہ اس نے غلط نہ کہا تھا تاہم میں اپنے معدے کی گہرائیوں میں ایک عجیب طرح کی اور سمجھ میں نہ آنے والی بوجھل ٹھنڈک محسوس کر رہا تھا۔ اور میں دیکھ اور محسوس کر رہا تھا کہ واقعات ایسے نہ ہو رہے تھے جیسے کہ ہم نے سوچے تھے۔ حالات ایک بنا خلاف توقع اور الجھا دینے والا موڑ لے رہے تھے۔

جب وہ دونوں گرجا سے نکل کر دھوپ میں آئے تو وان ہوزن گمبھیر اور سنجیدہ تھا اور شیلا کا رنگ زرد تھا۔ غیر معمولی طور پر زرد۔ وان ہوزن نے اپنا ایک ہاتھ شیلا کے شانے پر رکھ دیا، اسے "وائٹ دیں" اور پھر گرجا میں چلا گیا۔

"کیوں سینوریتا! بت کیسا معلوم ہوا؟" جب میں نے کار اسٹارٹ کی تو جونا س نے پوچھا۔

لیکن شیلا نے کوئی جواب نہ دیا۔ بلکہ میرے خیال میں اس نے جوناس کا سوال سنا ہی نہیں۔ وہ خاموش بیٹھی اپنے سامنے خلا میں تکتی رہی اور میں سمجھتا ہوں وہ صرف وہ دیکھ رہی تھی جو اس کے دماغ کے نہاں خانے میں پوشیدہ تھا۔ شاید اس کے تحت الشعور کے تہہ خانے کی بہت سی تجوریوں نے اپنے دہانے کھول دیئے تھے۔

جب ہم ہوٹل میں پہنچے تو اس وقت تک وہ سنبھل کر اپنے آپ میں آ چکی تھی۔ وہ بڑی تیزی سے سیڑھیاں چڑھ گئی۔ اس کے جوتوں میں لگی ہوئی گھنٹیاں ٹن ٹن ٹنانے لگیں۔

ماریو بار کے پیچھے کھڑا گلاس صاف کر رہا تھا۔ جب اس نے شیلا کو دیکھا

تو وہ ایک میلے کپڑے سے ہاتھ پونچھتا اس کے استقبال کے لئے آگے بڑھ آیا۔
صاف ظاہر تھا کہ وہ شش و پنج میں پڑا ہوا تھا۔
"کیا حکم ہے سینوریتا؟" اس نے پوچھا۔
"یہ حضرات میرے والد کے بلاوے پر یہاں آئے ہیں رافیل۔ اور یہاں دو دن یا شاید تین دن قیام کریں گے۔ اپنے ہوٹل کے دو بہترین کمرے انھیں دیدو"
اس کے چہرے سے اسی خوف کا اظہار ہو رہا تھا جو اجنبی مردوں کو دیکھ کر ہوا تھا۔
"لیکن سینوریتا" اس نے تقریباً سرگوشی میں کہا "یہ میں کیسے کرسکتا ہوں؟
اس کی اجازت نہیں ہے"
"ایک بات بتاؤ رافیل" شیلا نے کہا۔
"فرمایئے"
"اس کا مالک کون ہے؟"
"آپ کے والد"
"تو پھر بات صاف ہے۔ یا تو تم ایسا ہی کرو گے جیسا میں کہتی ہوں ورنہ میں تمہیں نکال دوں گی۔ بولو۔ اب کیا پسند ہے تمہیں؟ یہاں رہنا ہے یا سڑکوں پر بھیک مانگنا ہے۔
وہ پھڑپھڑایا۔ مکڑی کے جالے میں پھنسی ہوئی بے بس مکھی کی طرح۔
"سینوریتا جانتی ہیں کہ میری بیوی کی حالت ایسی ہے کہ۔۔۔۔۔"
"بالکل" شیلا نے بڑی بے رحمی سے کہا "یہ فیصلہ میرا ہے رافیل، تمھارا نہیں۔ خیر بہرحال اطمینان رکھو تمھیں کوئی نقصان نہ پہنچے گا۔ نہ جانی اور نہ مالی۔
مارٹینیز تو بالکل ہی ڈھیلا پڑ گیا۔
"بہت اچھا سینوریتا۔ اگر کچھ ہوا تو اس کی ذمہ داری آپ پر عائد ہوگی۔

"تب تو بڑے دلچسپ جگہ ہو گی وہ" میں نے اسے چھیڑنے کی غرض سے کہا۔

"اپاچی لوگ بنی نوع انسان کے بدترین دشمن کہے جاتے ہیں" جوناس نے کہا "لیکن وہ بھی یاکوئی لوگوں سے ڈرتے ہیں۔ کیونکہ چار سو سال سے، جب ہسپانیہ والوں نے اس ملک پر حملہ کر کے اسے اپنے قبضے میں کر لیا تھا، یہ لوگ حملہ کرنے والوں سے لڑ رہے تھے اور ان کا ناک میں دم کر رکھا ہے۔ چنانچہ حکومت مایوس ہو کر اور جھنجھلا کر ان کی بیخ کنی کرنے کی کوشش کر رہی ہے۔ بڑے ہی ظالم اور وحشی لوگ ہیں یہ یاکوئی کو بخ۔ وہ لوگ جو اپنے دشمنوں کی لاشیں مسخ کر دیتے ہیں۔

"میں نے مہذب لوگوں کی جنگ میں انسانوں کی لاشوں کو بموں سے مسخ ہوتے دیکھا ہے جوناس پھر صرف یاکوئی ہی ظالم اور وحشی کیوں ہیں؟"

اور میں نے بریک پر پوری قوت سے پاؤں دبا دیا۔ کیونکہ ایک گھڑ سوار ایک ٹیلے سے اتر کر سڑک کے عین بیچ میں آ کھڑا ہوا تھا اور اس نے ہمارا راستہ روک لیا تھا۔

میں نے اسے دیکھتے ہی پہچان لیا کیونکہ وہ اور کوئی ہو ہی نہ سکتا تھا۔ وہ اپنے گھوڑے پر تنا بیٹھا تھا۔ چھریرے بدن کا اور بلند قامت۔ کالی سامبریرو کے نیچے جو چہرہ تھا وہ کسی راندۂ درگاہ ولی کا سا تھا۔ ویران اور تپتے ہوئے میدانوں اور پہاڑوں نے اسے جھلس کر رکھ دیا تھا۔ زردی مائل نیلی آنکھیں کسی بھی قسم کی چمک سے عاری تھیں۔ ان میں کچھ نہ تھا۔ نہ محبت، نہ ہمدردی اور نہ ہی سنگدلی۔

اس نے بڑے سکون سے اپنا تعارف کرایا۔

"ماجو! مجھے تامس دی لا پلیا کہتے ہیں۔"

"بڑی مسرت ہوئی آپ سے مل کر" جوناس نے کہا "میرا نام......"

"میں جانتا ہوں کہ آپ کون ہیں اور یہ بھی جانتا ہوں کہ آپ کیوں یہاں آئے ہیں۔ میرے بوڑھے اور بیوقوف باپ کا ایک احمقانہ خواب آپ کو یہاں لے آیا ہے"
پہلی نظر میں تو وہ نہتہ معلوم ہوا تھا لیکن جب وہ ذرا آگے کی طرف جھکا۔ تو مجھے اس کے پستول کی جھلک نظر آگئی جو اس کی بائیں بغل کے نیچے لٹک رہا تھا۔
میں نے کہا "آپ کے باپ کا خواب احمقانہ ہے یا نہیں۔ یہ تو ہم کان کے معائنے کے بعد ہی کہہ سکتے ہیں۔
اس نے آہستہ سے سر ہلایا اور پھر کہیں خلا میں گھورتا رہا۔ اس کے چہرے سے بے چین کر دینے والا سکون ظاہر تھا جیسے وہ کسی بات کا انتظار کر رہا ہو۔
اسے ختم کر دینے کا اس سے بہتر موقع آ ہی نہ سکتا تھا۔ ہمارا شکار سامنے تھا اور میں بغیر کسی مشکل کے اسے ڈھیر کر سکتا تھا۔ میرا ہاتھ میرے پستول کی طرف آہستہ آہستہ رینگنے لگا۔
دفعتہ ٹیلے پر کی جھاڑیوں میں سے پرندے پھڑ پھڑا کر اڑے۔
پہلے بھی ایک دفعہ ایسا ہوا تھا۔ خانہ جنگی کی ابتدا کے فوراً بعد کلیر کے باہر ایک گاؤں میں ایسا ہی واقعہ ہوا تھا۔ لیکن میں نے یوں گھبرا کر جھاڑیوں پر سے اڑتے ہوئے پرندوں کی طرف کوئی دھیان نہ دیا تھا۔ نتیجہ یہ ہوا تھا کہ مشین گن نے ہمارے نصف سے زیادہ آدمیوں کو بھون کر رکھ دیا تھا۔
عقلمند وہ ہے جو اپنی غلطیوں، لغزشوں اور ٹھوکروں سے سبق حاصل کرتا ہے
"آپ کی بہن نے کان کے معائنے کے لئے ہمیں کل صبح بلایا ہے۔ میں نے بڑے اخلاق سے کہا۔
تاس نے بغیر کسی تمہید کے کہا۔

"دو دن ۔۔ صرف دو دن اور پھر تم یہاں سے چلے جاؤ گے" چونکہ یہ دھمکی آمیز حکم تھا اس لئے "آپ" کی جگہ "تم" نے لے لی تھی۔" اور دیکھو میری بہن کو اپنی رپورٹ دکھانے سے پہلے مجھے دکھانی ہوگی۔ سمجھ گئے ؟"

اس نے اپنا ہاتھ بلند کیا اور فوراً ہی ٹیلے پر کی جھاڑیوں میں سے کوئی چھ سات سوار نکل آئے۔ ان میں سے ہر ایک کے ہاتھ میں بندوق تھی۔ انھوں نے ہماری کار کو نرغے میں لے لیا۔ وہ سب کے سب گندے تھے، انھوں نے مزدوروں کا سا لباس پہن رکھا تھا لیکن سب کے سب پوری طرح سے مسلح تھے۔

"وہ پادری جسے تم اپنے ساتھ لائے ہو" ٹامس دی لاایلیٹا نے کہا۔ "سو وہ بھی تمھارے ساتھ جائے گا اور وہ بھی محض اس لئے کہ اس وقت میرا مزاج بگڑا ہوا نہیں ہے۔ یہ بات میری طرف سے کہہ دینا اس عرصے میں اگر اس نے ماجھڈ اوالو کے پاس جا کر تبلیغ کی تو پھر جو کچھ ہوگا اس کی ذمہ داری خود اس پادری پر عائد ہوگی۔ کسی قسم کی کوئی مذہبی رسم نہیں، کوئی پروپیگنڈہ نہیں اور کوئی تبلیغ نہیں۔ یہ باتیں میرے علاقے میں نہ ہوں گی۔"

جوناس نے کھنکھار کر اپنا گلا صاف کیا۔

"دیکھئے سینور!" اس نے کہا۔ "پادری آپ اپنی مرضی کا مالک ہے۔ ہم اس کے ذمہ دار نہیں ہیں۔"

"تاہم کیا تم اس کے ماتم کرنے والے بننا پسند کرو گے؟" وہ مسکرایا۔ "سینور اس شخص کے لئے اور کوئی راستہ نہیں ہے۔ اگر وہ تمھارے ساتھ نہ گیا یا تم اسے اپنے ساتھ نہ لے گئے تو وہ مارا جائے گا۔ یہاں پادریوں کا ایسا ہی حشر ہوتا ہے۔"

اور پھر اس نے اپنے گھوڑے کو ایڑ ماری اور جس طرح آیا تھا اسی طرح چلا

گیا۔ اس کے ساتھی بھی چلے گئے۔

جوناس نے ایک لمبا سانس لے کر کہا:۔

"لمحہ بھر کے لئے مجھے ایسا معلوم ہوا تھا کہ تم اسی جگہ اس مردود کو گولی مار دو گے اور اگر تم نے ایسا کیا ہوتا کو رخ تو اس وقت کوّے ہماری لاشوں پر اتر رہے ہوتے تم جانتے تھے کہ اس کے ساتھی وہاں جھاڑیوں میں موجود تھے۔

"اگر جھاڑیوں کے پرندے گھبرا کر نہ اڑے ہوتے تو مجھے پتہ نہ چلتا" میں نے کہا۔

جوناس خوشی سے جھوم کر بولا:۔۔۔

"خدا کی قسم تم بہت ہوشیار ہو یار۔"

جب میں نے کار اسٹارٹ کی اور وہ ایک جھٹکے سے آگے بڑھ کر بستی کی طرف بھاگنے لگی تو میرے جسم سے پسینہ چھوٹ رہا تھا۔ اور اسٹیرنگ وہیل پر میرے ہاتھ کانپ رہے تھے۔

میں نے جوناس کو "توت" کا سامان چھوڑا میں چھوڑا اور خود بستی میں گشت کو نکل پڑا۔ میں سگریٹ منہ میں دبائے ہوئے تھا اور جو بھی راستے میں مل رہا تھا اسے نہایت اخلاق سے سلام کر رہا تھا۔ لیکن ایسے بے مروت لوگ تھے یہاں کے کہ کسی بھلے آدمی نے میرے سلام کا جواب نہ دیا۔

یہ لوگ غریب تھے اور بڑی قابلِ رحم زندگی گزار رہے تھے۔ انقلاب سے پہلے ان کی حالت نسبتاً بہتر رہی ہو گی چنانچہ یہ خیال ہی بڑا مضحکہ خیز تھا کہ یہ لوگ کیا اسی' اور ایسی ہی زندگی کے لئے لڑے تھے؟ سچ تو یہ ہے کہ اس

زندگی میں کوئی تبدیلی آئی ہی نہیں ایک کھلی ہوئی بدرو بازاں کے عین بیچ میں سے گزر رہی تھی، بستی کے بچے وہاں کھیل رہے تھے اور پیشاب اور فضلے کی بو دماغ پراگندہ کر رہی تھی۔

یہ بدرو بازار عبور کر کے ایک میدان میں پہنچ گئی تھی۔ اس میدان میں ایک کنواں تھا۔ اور ایک بڑھیا، جو اتنی بوڑھی تھی کہ حیرت ہوتی تھی کہ وہ زندہ کس طرح ہے، پتھر کی ایک تھلیا اٹھانے کی کوشش کر رہی تھی۔

میں نے یہ تھلیا اٹھائی اور عورت ہرچند کہ منع کرتی رہی لیکن میں تھلیا اٹھا کر اس کے ساتھ چل دیا۔ وہ پلٹ کر تقریباً بھاگتی ہوئی ایک جھونپڑے میں گھس گئی۔ مجھے کمر سے جھک کر اس جھونپڑے میں داخل ہونا پڑا اس سے آپ اس کی تنگی اور نیچے پن کا اندازہ لگا سکتے ہیں کیونکہ میں بتا ہی چکا ہوں کہ میں بلند قامت نہ تھا۔ اندر کی متعفن فضا میں میرا دم گھٹنے لگا۔

میری نظر جب اندر کے اندھیرے کی عادی ہوئی تو میں نے دیکھا کہ اس جھونپڑے میں ایک بھی کھڑکی نہ تھی۔ اور فرنیچر کے نام، بستر جسے ہم اسے بے نام دے سکیں، کمبلوں کا انبار کونے میں پڑا ہوا تھا۔ یہی بچھونا اور یہی اوڑھنا تھا۔ بڑھیا چولہے کے قریب دبک گئی۔ جیسے وہ خوفزدہ ہو اور حقیقت میں وہ خوفزدہ تھی۔ میں نے تھلیا ایک طرف رکھی، پانچ پیسوں کا ایک سکہ بڑھیا کے ہاتھ میں، بلکہ یوں کہئے کہ مٹھی میں جبراً دھکیلا اور جھونپڑی سے باہر آگیا۔

میں باہر آیا تو دیکھا کہ وان ہوزن گرجا کے برآمدے میں کھڑا میری طرف دیکھ رہا تھا۔ اس نے ایک بار پھر پادریوں کا چغہ پہن اور کالر لگا لیا تھا۔

"شام بخیر فادر" قریب پہونچ کر میں نے بلند آواز میں کہا
"مسٹر کوخ" اس نے کہا اور مجھے گرجا میں لے آیا۔ "کیا کر رہے تھے تم جھونپ

اور بے سہارا لوگوں کی مدد؟"

"اس جھونپڑے میں تو خدا کی قسم کتا بھی رہنا پسند نہ کرے" میں نے کہا۔ "غربت اور افلاس کے نمونے میں نے دیکھے ہیں لیکن ماجوڈا لوگوں کی حالت ایسی ہے کہ ڈبلن کی گندی سے گندی بستی اور اس کی گندی سے گندی جھونپڑی ان لوگوں کو محل معلوم ہو"

"کیا کہا تھا میں نے؟ بڑا ہی واہیات علاقہ ہے یہ" اس نے کہا "خیر وہ تباہ کر دی لا ایلیا کے وہاں کیا ہوا؟"

چنانچہ میں نے اسے شروع سے لے کر آخر تک، یعنی جوراڈو کے واقعہ سے لے کر تامس کے واقعہ تک کی تفصیلات بتا دیں۔ جب میں خاموش ہوا تو وہ توشہ خانے کی میز کے کنارے پر بیٹھا کہیں خلا میں گھورتا رہا۔ اس کے ماتھے پر سلوٹیں ابھر آئی تھیں۔

"دو دن" اس نے کہا۔ "چنانچہ بہت کم وقت ہے ہمارے پاس"

"میں پوچھتا ہوں بونیلا نے یہ بات ہم سے کیوں چھپائی کہ بڈھا سالا پاگل ہے؟ تمھارے خیال میں کیا وجہ ہو سکتی ہے اس کی؟ وہ سو رتقیناً جانتا تھا اس کے متعلق وہ اس خاندان کے متعلق سب کچھ جانتا ہے تو کوئی وجہ نہیں کہ بڈھے کے پاگل پن کے متعلق نہ جانتا ہو۔ پھر اس نے ہمیں بتایا کیوں نہیں؟"

وان ہوزن نے میری طرف دیکھ کر بھویں اچکائیں۔

"میں سمجھتا ہوں کہ اس سوال کا جواب خود تم نے معلوم کر لیا ہے"

"سیدھی سی بات ہے" میں نے کہا "اگر تم جاننا ہی چاہتے ہو تو کہتا ہوں" "کہو"

"میرے خیال میں اس معاملے میں سب سے زیادہ اہم کردار تم ادا کر رہے ہو

حالانکہ خود لوئیلا نے یہ بات نہیں کہی لیکن وہ چاہتا تھا اور اس کا سے یقین بھی تھا کہ اس معاملے میں تم چارے کا کام دو گے"

"اسے بھٹ میں سے نکال کر یہاں لانے کے لیے کہ تم اس پر گولی چلا سکو؟"

اس نے شانے اچکائے" جہاں تک میرا تعلق ہے۔ میرے لیے اس سے کوئی فرق نہیں پڑ جاتا۔ موقع ملا تو یقین کرو پہلی گولی میری چلے گی۔ اس کا میں تم سے وعدہ کرتا ہوں"

"تو پھر تم اس نے جو کچھ کہا ہے اس کے خلاف کرو گے؟"

"کوخ! نہ تو میں اس کا غلام ہوں اور نہ ہی اس کے حکم کی تعمیل مجھ پر فرض ہے۔ یہاں میں اس سے دو دو ہاتھ کرنے آیا ہوں اور خود اس کے علاقے کے سر سے میں ایک بڑی نحوست دور کر دوں گا۔"

"اور اس عورت کا کیا قصہ ہے؟"

"کون عورت؟"

"شیلا دی لا پلیٹا۔ اس کے ساتھ تم کیا کھیل رہے ہو؟"

"اس کے ساتھ میں کیا کھیل کھیل سکتا ہوں کوخ؟" وہ سچ مچ الجھ گیا "یہاں میں پادری بن کر آیا ہوں اور مجھے پادری بن کر ہی رہنا ہے۔ اس میں تمہیں کیا برائی نظر آئی؟ تمہارے متعلق جہاں تک میں اندازہ لگا سکا ہوں وہ یہ ہے کہ مذہب کی طرف تم نے کبھی کوئی دھیان دیا ہی نہیں۔"

"اس کی ضرورت ہی کیا ہے" میں نے جواب دیا "لیکن اتنا ضرور جانتا ہوں کہ ایک بار پھر تم بدل گئے ہو۔"

"میں سمجھا نہیں۔"

"خدا کے لئے یار ـــــ میں تمہیں سمجھ ہی نہیں۔ شیلا کے ساتھ تم نے کچھ

اس طرح باتیں کیں اور کچھ ایسی شرافت کا مظاہرہ کیا کہ خود میں نے یقین کر لیا کہ تم سچ مچ پادری بن گئے ہو۔ میں تو صرف یہی کہنا چاہتا ہوں کہ تم اپنا یہ پارٹ اتنی سنجیدگی سے ادا نہ کرو کہ خود تمہارے ساتھیوں کو دھوکا ہو جائے اور وہ الجھن میں پڑ جائیں"۔

میں توشہ خانے سے نکل کر گرجا میں آ گیا۔ خدا جانے کیوں میری ٹانگیں کانپ رہی تھیں۔ وان ہوزن لپک کر میرے پیچھے آیا" اس نے ہاتھ بڑھا کر میرا بازو پکڑا، اور اپنی زبردست جسمانی قوت سے ایک جھٹکے کے ساتھ اور بڑی آسانی سے مجھے اپنی طرف گھما دیا۔

"کوخ! میں خونی اور چور ہوں۔ میں نے کئی خون اور چوریاں کی ہیں۔ اور تم جانو خدا کا وجود مجھ جیسے انسانوں کے لئے ہوتا ہی نہیں"۔

"اگر ایسا ہی ہے" میں نے کہا" اگر واقعی خدا نہیں ہے یا کم سے کم تمہارے لئے نہیں ہے تو پھر جو برے کام کئے ہیں ان کا خیال تمہیں ڈستا کیوں ہے؟"

اور یہ پہلی اور آخری دفعہ میں نے اس کی دکھتی رگ کو چھو لیا تھا۔ اس کا چہرہ بلکہ وہ نقاب جو اپنے چہرے پر اس نے چڑھا رکھی تھی ایک دم سے پگھل گئی اور اس نقاب کے نیچے مجھے جو انسان نظر آیا وہ ایک زبردست روحانی عذاب میں مبتلا تھا۔ سخت عذاب میں۔ اس نے دفعۃً اپنے دونوں بازو بڑھا کر اور اس کے دونوں ہاتھوں نے میرے کوٹ کا گریبان پکڑ لیا۔ ایسی بسیط اور زبردست جسمانی قوت سے میرا سابقہ پہلے کبھی نہ پڑا تھا۔ اس نے مجھے یوں آسانی سے اوپر اٹھا لیا جس طرح بچے ربڑ کی ہلکی پھلکی گیند اٹھا لیتے ہیں اور میں نے سمجھ لیا کہ میرا آخری وقت آ گیا تھا۔ لیکن پھر دفعتہً جیسے کسی قسم کے تشنجی دورے نے اسے جھنجھوڑ دیا اور اس نے مجھے چھوڑ دیا۔

"اور تم کیا ہو کورٹ؟ اپنے متعلق تم کیا کہتے ہو؟" اس نے کہا "تم وہ ہو جس کی زندگی کا کوئی مقصد نہیں، جس کا اعتبار ہر چیز پر سے اٹھ گیا ہے۔ حتیٰ کہ خود اپنی ذات پر سے بھی۔ تمہاری ساری حسیں مر چکی ہیں۔ نہ تم محبت کر سکتے ہو اور نہ نفرت تم ایک لاش ہو کورٹ، لاش جو چل پھر رہی ہے"

وہ پلٹ کر چل دیا اور توشہ خانے میں گھس کر دھڑ سے دروازہ بند کر دیا۔ اور میں جہاں تھا وہیں بے حس و حرکت کھڑا رہا۔ ایک عجیب طرح کا شدید خوف میرے رگ و ریشے میں سرایت کر گیا تھا۔ کیونکہ اس نے میرے متعلق جو کچھ کہا تھا وہ لفظاً بہ لفظ وہی تھا جو خود میں نے تامس دی لاپیلیا کے متعلق سوچا تھا۔

میں وہاں سے بھاگنے لگا تھا کہ میرے پیر فرش پر گڑ سے گئے۔ میں نے دیکھا کہ قربان گاہ کے پتھر پر عورت مرد کے اختلاط کا جو نقش آسن بنایا گیا تھا وہ اب وہاں نہ تھا۔ اسے صاف کر دیا گیا تھا اور قربان گاہ پر ایک چوبی صلیب نصب تھی۔ یہ صلیب مرحوم پادری کے کالے ٹرنک میں میں دیکھ چکا تھا۔ اس پر لٹکتے ہوئے مسیح کا مجسمہ چاندی کا تھا۔ غروب ہوئے سورج کی آخری کرن مصلوب مسیح پر پڑ رہی اور اسے خونی رنگ دے رہی تھی۔ میں پلٹ کر یوں بھاگا جیسے دوزخ کے تمام آتشی کتے میرے پیچھے چھوڑ دیئے گئے ہوں۔

ہوٹل کے کمرے ایسے ہی تھے جیسی کہ مجھے توقع تھی۔ سفید دیواروں والے اور سارے پلنگ لوہے کے اور پرانی طرز کے تھے اور فرنیچر بھی ما جوڈا میں ہی بنوایا گیا تھا اور اسے بنانے والا بھی اناڑی تھا۔ کوئی معمولی سا بڑھئی ہوگا۔ نیم حکیم اور نیم ملا قسم کا۔

جو اس پلنگ کے پہلو میں اور کھلی ہوئی کھڑکی کے قریب بیٹھا ہوا تھا۔ اس نے اپنے گھٹنوں پر رومال بچھا رکھا تھا اور اپنا پستول صاف کر رہا تھا۔ یہ پوائنٹ تھرٹی ایٹ کا سمتھ اینڈ ویسن کا پستول تھا۔

"وان ہوزن سے ملے؟" اس نے پوچھا۔

میں نے اثبات میں سر ہلایا۔

"ہاں ملا"

"اور جھگڑا کر کے آئے۔ کم سے کم تمہارے لہجے سے تو ایسا ہی معلوم ہوتا ہے"

"کچھ ایسا ہی سمجھ لو۔ یہ اہم بات نہیں ہے۔ لمحہ بھر کے لئے میں نے آئینے میں دیکھا اور وہاں جو کچھ نظر آیا اس کی طرف نہ تو میں نے کوئی دھیان دیا اور نہ ہی اس کی پروا کی"

"اور یہ سب بیکار ہے میرے دوست۔ جو ہونا ہے وہ تو ہو کر رہے گا۔ خیر آؤ۔ اب ہوٹل والے کے پاس چلتے ہیں۔ وہ واہیات اور بے مروت آدمی شاید ہمیں شراب دینے پر تیار ہو جائے۔ اس کے بعد تمہارا مزاج ٹھکانے آ جائے گا"

مارینو بے شک ہم سے خفا تھا تاہم وہ ہمیں بھوکوں مارنا نہ چاہتا تھا۔ چنانچہ اس نے ہمیں ہوٹل کے عقبی اور اپنے نجی کمرے میں پہنچا دیا جہاں اس کی بیوی ہمیں کھانا پیش کرتی رہی۔ اس بچاری کو، چونکہ وہ پورے دنوں سے تھی، اٹھنے، بیٹھنے، چلنے پھرنے اور جھکنے میں بڑی تکلیف ہو رہی تھی اور بے اختیار اس کے منہ سے "اوں۔ اوں" کی آواز نکل جاتی تھی۔ میرا جی چاہا کہ اس سلسلے میں مارینو کو جھاڑ دوں لیکن پھر سوچا کہ یہ میرا معاملہ نہ تھا اور نہ ہی اس سے میرا کوئی تعلق تھا اس کے علاوہ اس ملک میں خصوصاً ان دور افتادہ بستیوں میں عورت کی حیثیت بار برداری کے جانور سے زیادہ نہیں ہوتی۔ یہاں جب سے لڑکی ہوش سنبھالتی تھی تب سے لے کر

مرنے تک مزدوری ہی کرتی رہتی ہے۔"

کھانا ختم ہوا تو مارنیو کی بیوی اپنا پھولا ہوا پیٹ سہلاتی اور ڈولتی ہوئی کمرے سے باہر چلی گئی۔

"یہ عورت تو کچھ زیادہ ہی بیمار معلوم ہوتی ہے۔" جوناس نے کہا۔

"اگر وہ اسی طرح کام کاج کرتی رہی تو بڑی مصیبت میں پھنس جائے گی۔" میں نے جواب دیا۔

"ارے ہاں۔ میں تو بھول ہی گیا تھا۔" جوناس نے کہا۔ "تم نے ڈاکٹری کی تعلیم حاصل کی ہے۔ لیکن ڈاکٹر کیوں نہ بن گئے؟"

"تعلیم مکمل کرنے میں ایک سال باقی رہ گیا۔"

"اور یہ واقعی بڑے افسوس کی بات ہے۔ تعلیم مکمل کرنے کے مسئلے پر غور کیا ہے کبھی؟"

"کہاں ڈبلین میں؟" میں ہنسا۔ "ہاں گیا تو تعلیم ایک طرف رہ جائے گی اور میں سلاخوں کے پیچھے نظر آؤں گا۔ آؤ۔ بار میں چلیں۔ دیکھیں مارنیو ہمیں کچھ پینے کو دیتا ہے کہ نہیں۔"

اور یہ موضوع ختم کرنے کا سیدھا اور بہترین طریقہ تھا۔ جوناس نے بھی سمجھ لیا کہ میں اس موضوع پر بحث کرنا نہ چاہتا تھا۔ بڑا ہی ہوشیار اور کائیاں تھا وہ۔

ہم وہاں پہنچے تو مارنیو بار میں تھا اور یہ ہماری خوش قسمتی تھی کیونکہ جب میں خود کاؤنٹر کے پیچھے پہنچا تو وہاں وسکی کافی مقدار میں نظر آئی۔ اور بہت

عمدہ وہسکی تھی یہ۔ میں جانتا تھا کہ یہ قیمتی شراب کس کے لئے محفوظ رکھی گئی تھی۔ تاہم میں نے ایک بوتل دو۔ دو جام نکال لئے۔ عین اسی وقت مارنیو آگیا اور میں نے دیکھا کہ وہ احتجاج کرنے ہی والا تھا لیکن پھر کچھ سوچ کر خاموش ہو رہا۔

"کسی اور چیز کی ضرورت ہے سینور س ؟" اس نے پوچھا۔

"تاش کی ایک گڈی بلکہ دو گڈیاں" جوناس نے پر امید نظروں سے میری طرف دیکھا "تم شاید بسکٹ تو کھیل لیتے ہو گے۔"

"نہیں۔ لیکن ایک دفعہ مجھے ایک انگریز کے ساتھ ایک فارم میں روپوش رہنا پڑا تھا۔ جرنل تھا وہ جسے ہم نے بطور یرغمال پکڑ رکھا تھا۔ اس نے مجھے ایک معمولی سا شیطانی کھیل سکھایا تھا جس کا نام پکیٹ تھا۔"

برناس کا چہرہ دمک اٹھا۔

"خدا کی قسم یار میں نے تو کہا تھا کہ اب میں تاش کا کوئی شریفانہ کھیل کبھی کھیل نہ سکوں گا"

اس نے مجھے ایک سگار پیش کیا اور جب ہم اپنے سگار سلگا رہے تھے تو مارنیو تاش لے کر آگیا۔ اس نے گڈیاں میز پر رکھ دیں اور قدرے ہچکچاہٹ کے بعد کہا:۔

"میرے خیال میں سینورس کو عقبی کمرے میں آرام اور سکون رہے گا۔ یہاں تو گاہک آئیں گے اور آپ کو تکلیف ہو گی اور کھیل کا مزہ کرکرا ہو جائے گا"

"نہیں بھائی۔ ہم جہاں ہیں وہاں مزے میں ہیں" جوناس نے تاش پھینٹتے ہوئے کہا "اب تم جا سکتے ہو۔"

میں نہ جانتا تھا کہ جوناس تاش کا بادشاہ ہے لیکن اس سے مسلسل ہارتے رہنا بھی ایک بے حد دلچسپ تجربہ تھا۔ چنانچہ میرا دھیان بٹ گیا اور میرے

دماغ پر سے تفکرات ہٹ گئے اور جب ایک گھنٹے کے کھیل کے بعد میں نے تاش پر سے نظریں ہٹائیں تو یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ بار میں کوئی بارہ پندرہ گاہک بیٹھے ہوئے تھے۔

ان لوگوں کے لیے ہم دونوں ناخواندہ مہمان تھے اور ان کی دلچسپیوں میں مخل ہو رہے تھے یہ بات تو بہر حال صاف تھی۔ چنانچہ وہ لوگ خاموش بیٹھے تھے یا کبھی کبھار آپس میں سرگوشیاں کر لیتے تھے اور بس یہ لوگ بستی کے ہی باشندے تھے سیدھے سادے اور مزدور پیشہ چنانچہ سراسر بے ضرر تھے۔

ہم تیسری بازی کھیل رہے تھے کہ بار کا بیرونی دروازہ کھلا اور مانوئل جوراڈو داخل ہوا۔ اس کے مہمیز اس کے ہر قدم کے ساتھ "چھن۔ چھن" بج رہے تھے اس کے ساتھ دو دوسرے آدمی بھی تھے جنہوں نے گوالوں کا لباس پہن رکھا تھا، پشکول میں لبے پستول اڑسے ہوئے تھے۔ ان دو میں سے ایک وہ تھا جسے میں تاس کے ساتھ دیکھ چکا تھا۔

جوراڈو کے ماتھے پر بل پڑ گئے اور وہ چند ثانیوں تک کھڑا خشمناک نظروں سے ہماری طرف دیکھتا رہا اس کے بائیں ہاتھ کی کلائی سے بندھا چمڑی چابک لٹک رہا تھا۔ اس کا بس چلتا تو وہ ہمیں اٹھا کر باہر پھینک دیتا یا اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ بڑی خوشی سے ہمارا خاتمہ کر دیتا لیکن ایسا کرنے سے اسے اس نے منع کر دیا تھا جو حقیقت میں اس کا آقا تھا۔

وہ بار کے کاؤنٹر کی طرف بڑھا اور اپنے اور اپنے ساتھیوں کے لیے شراب لانے کا حکم دیا۔ میں دیکھ رہا تھا کہ مارینو غریب حد سے زیادہ خوفزدہ تھا۔

ایک منٹ بعد دروازہ پھر کھلا اور آسیوردا ہونسن داخل ہوا۔

بار میں دفعتہ موت کی سی خاموشی چھا گئی۔ تمام نگاہیں وان ہوزن کی طرف اٹھ گئیں اور ہر ایک کے چہرے پر جو حیرت تھی وہ بس دیکھنے سے ہی تعلق رکھتی تھی۔

وان ہوزن نے بڑی بشاشت سے کہا۔

"شام بخیر"

"شام بخیر نادر" یہ صرف میں تھا جس نے جواب دیا۔

وان ہوزن نے اپنا چغہ پہن رکھا تھا اور سر پر وہی بڑے چھجے والی ہیٹ تھی اور اس نے اپنی بغل میں کمبل میں لپٹا ہوا ایک گٹھر دبا رکھا تھا۔ وہ سیدھا کاؤنٹر کے قریب پہنچا اور ماریو کو مخاطب کر کے کہا۔

"سینور! تکلیف دہی کی معافی چاہتا ہوں لیکن مجھے ایک دو چیزوں کی سخت اور فوری ضرورت ہے اور امید ہے کہ اس معاملے میں تم میری مدد کرو گے۔"

ماریو بت بنا وان ہوزن کی صورت تکنے لگا۔ اور جوراڈو نے گردن گھمائی۔ اس کی آنکھوں میں شیطانی چمک تھی۔

"مجھے پہلے تو ایک چٹائی چاہئے اپنی چارپائی پر بچھانے کے لئے" وان ہوزن نے بڑے سکون اور لاپرواہی سے کہا۔ "پھر ایک لالٹین یا جیسا بھی دیا ہو گا چلے گا اور بہت سا چونا گرجا کی دیوار پر پھیرنے کے لئے اور ہاں ایک دو برش بھی چاہئیں۔"

"تمہیں یہاں سے کچھ نہیں ملے گا" جوراڈو نے کہا۔ "دفع ہو جاؤ یہاں سے"

وان ہوزن نے بڑی ملائمت سے کہا۔

"دیکھو بھائی۔ میں غریب آدمی ہوں اور جب تک چندے کا روپیہ نہیں آجاتا تب تک میں کسی بھی چیز کی قیمت ادا نہ کرسکوں گا۔ لیکن ہوسکتا ہے کہ تب تک آپ یہ چیز گروی رکھ لیں"۔

اس نے کمبلوں کا گٹھر کھولا اور اس میں سے سینٹ مارٹن ڈی پورس کا بت نکال کر کاؤنٹر پر رکھ دیا۔ لوگ چونکے، ان کے سانس رک گئے اور کوئی جھٹکا کر اٹھ کھڑا ہوا تو ایک کرسی بڑی آواز کے ساتھ فرش پر گری دو آدمی گھٹنوں کے بل جھک گئے اور دوسروں نے اپنے سینے پر صلیب کے نشان بنائے۔

"راحم خدا!" آخر کار مارنیو نے کہا "لیکن ۔۔ یہ کہاں سے ملے تمھیں فادر؟"

"پہچانتے ہو انھیں؟"

"ہاں" مارنیو نے بڑے اعتقاد سے اپنے سینے پر صلیب کا نشان بنایا "یہ یہیں کے ہیں۔ یہ ۔۔ یہ ۔۔ تو ہمارے یہاں کے گرجا میں اس وقت سے کھڑے ہوئے تھے جب سے گرجا بنا ہے۔ کوئی دو سو سال سے ۔۔

فادر! یہ ہمارے ہیں، اس بستی کے لوگوں کے ہیں۔ انقلاب کے زمانے میں انھیں یہاں سے لے جایا گیا تھا یہ اپنے ساتھ ہماری خوش بختی بھی لے گئے"۔

"یہ ایک بار پھر تمھارے ہوں گے، میرے دوست" ال ہوزن نے کہا ایک بار گرجا کی صفائی ہو جائے اور اسے پاک و صاف کر دیا جائے تو یہ پھر واپس اپنی جگہ پر پہنچ جائیں گے"۔

"فادر! میں آپ کی ضرورت کی چیزیں اسی وقت آپ کو دیے دیتا ہوں" مارنیو نے کہا "تشریف لائیے اس طرف"

جو رانڈو کا چابک سٹراک سے کاؤنٹر پر پڑا۔

"لیکن میں کہتا ہوں کہ نہیں" وہ گرجا۔

دان ہوزن اس کے سامنے جا کھڑا ہوا

"اور میں پوچھ سکتا ہوں کہ تمہیں منع کرنے کا کیا حق ہے"؟

"یہ حق کافی نہیں ہے سینور پادری؟"

اور جوراڈو نے اپنا پستول گھسیٹ لیا، اپنا بازو لمبا کیا اور پستول کی نالی دان ہوزن کے پیٹ پر رکھ دی۔ رکھ کیا دی کھبا دی۔

میرے ہاتھ نے کوٹ کے گریبان میں داخل ہو کر پستول کو گرفت میں لے لیا تھا کہ فوراً پستول گھسیٹ سکوں۔ لیکن اس کی ضرورت ہی پیش نہ آئی۔

دان ہوزن نے بڑے اطمینان سے پستول کی نالی آہستہ سے ایک طرف ڈھکیل دی۔

"سینور! یہ مقابلہ تو غیر منصفانہ ہے۔ تم دیکھ رہے ہو کہ میں نہتا ہوں میں نے تو تمہیں شریف اور بہادر سمجھ رکھا تھا"۔

جوراڈو نراگدھا تھا کہ دان ہوزن کے جال میں پھنس گیا۔ اس نے شرارت بار نظروں سے دان ہوزن کی طرف دیکھا، پھر چاروں طرف دیکھا جیسے لوگوں پر اپنا رعب ٹھونس رہا ہو اور پھر اس نے پستول واپس خول میں رکھتے ہوئے کہا۔

"تمہارا مطلب یہ ہے ہم دونوں میں کسی قسم کا مقابلہ ہو جائے؟"

"کیا حرج ہے اس میں؟" دان ہوزن نے کہا۔ "تھوڑا سا اور بے ضرر قسم کا کھیل۔ کسی کا کچھ نہ بگڑ جائے گا اس سے۔ تو تو تک ناپ نکل آئے گی اگر میں جیت گیا تو پھر تم مارنیو کو مجھے ضرورت کی چیزیں دینے کی اجازت دے دو گے"

"اور اگر تم ہار گئے تو؟"

وان ہوزن نے شانے اچکائے۔

"تو پھر تمہیں اختیار حاصل ہوگا جیسا سلوک مجھ سے چاہو کرو"۔

جوراڈو نے ایک قہقہہ لگایا اور اپنے ایک ساتھی کے سینے پر ہاتھ زور سے مارا کہ وہ لڑکھڑا کر کئی فٹ تک الٹے پیروں ہٹتا چلا گیا۔

"فٹوں کی ناپ اور وہ بھی میرے ساتھ؟" اس نے کہا "بڑی مضحکہ خیز بات کہی ہے یہ تو" وہ وان ہوزن کی طرف گھوم گیا "کیا تجویز کرتے ہو تم؟"

"انڈین کشتی" وان ہوزن نے کہا۔

جوراڈو نے بڑا سا منہ بنایا۔

"انڈین کشتی؟ بچوں کا کھیل ہے یہ تو"

جوراڈو کو غصہ آگیا تھا کیونکہ اس کے خیال میں وان ہوزن اس کا مذاق اڑا رہا تھا۔

وان ہوزن نے کہا "اسے دلچسپ بنانے کے لئے ہم اس میں کچھ اضافہ کر لیتے ہیں۔ دیکھو۔ یوں"

بار کے پیچھے شمعدانوں میں کئی موم بتیاں جل رہی تھیں۔ اس نے مارینہ سے دو موم بتیاں مانگ لیں۔ اس نے یہ دو جلتی ہوئی موم بتیاں میز پر آمنے سامنے چپکا دیں۔ میں نے اور اکثر لوگوں نے بھی اس کا مقصد سمجھ لیا۔ انڈین کشتی میں حریف ایک دوسرے کے مقابل بیٹھ جاتے ہیں، کہنیاں میز پر ٹکا کر ہاتھوں کی انگلیاں آپس میں پھنسا لیتے ہیں اور پھر ایک دوسرے کا ہاتھ زور لگا کر مخالف سمت میں دباتے ہیں اور جس کا الٹا ہاتھ میز کی سطح سے چھو جاتا ہے وہ ہار جاتا ہے۔ چنانچہ وان ہوزن کے اضافے کا مطلب تھا کہ ہارنے والے کے ہاتھ کی پشت کو سلگتی ہوئی موم بتی بری طرح سے جلا دے گی۔

جوراڈو نے ہنس کر ایک کرسی گھسیٹ لی۔

"ہاں۔ آہ۔ یہ مجھے پسند ہے۔ بہت اچھے۔ لیکن میں تمہیں خبردار کیے دیتا ہوں سینور کہ شاید میں ہاتھ چھوٹنا بھول جاؤں۔"

دان ہوزن اس کے سامنے بیٹھ گیا۔ انھوں نے اپنی کہنیاں میز پر ٹکا کر ایک دوسرے کے پنجے دبوچ لئے، جوراڈو اس طرح مسکرا رہا تھا کہ اس کے دانت نظر آ رہے تھے۔ دان ہوزن کی پشت میری طرف تھی چنانچہ میں اس کی صورت دیکھ نہ سکتا تھا۔

جوراڈو کے چہرے کے پٹھے کھنچ گئے اور اس کی مسکراہٹ سکڑ گئی کیونکہ اسے پتہ چل گیا تھا کہ اس نے اپنے حریف کی طاقت کا اندازہ لگانے میں غلطی کی تھی۔ دان ہوزن کا ہاتھ جھکنے لگا، آہستہ آہستہ لیکن یقینی طور پر موم بتی کے شعلے کی طرف۔

جوراڈو کے بشرے سے فتحمندی کے آثار ظاہر ہوئے۔ وہ بڑی آواز سے ہنسا لیکن پھر اس کی ہنسی نے دم توڑ دیا اور اس کے ہونٹ بھنچ گئے کیونکہ اب اس کا ہاتھ اوپر اٹھنے لگا تھا، وہ سیدھا ہو گیا اور اب وہ موم بتی کی طرف جھکنے لگا اور اب ہم نے اور سب نے دیکھا کہ دان اس سے اب تک کھیل رہا تھا

دان ہوزن نے اس کا ہاتھ موم بتی کے شعلے پر دبا رکھا اور جوراڈو کے بشرے سے کرب کے آثار ظاہر ہوئے اور پھر تکلیف کی شدت سے اس کا چہرہ بگڑ گیا۔ پسینے کے قطرے اس کے ماتھے سے ٹپکنے لگے لیکن اب بھی وہ نہ چیخا، وہ دانت بھینچے خاموش رہا اور پھر دان ہوزن نے اس کا ہاتھ چھوڑ دیا۔ اور اٹھ کھڑا ہوا۔

ایک دفعہ فرانس کے ایک زبردست بادشاہ نے کہا تھا جو شخص خوف

سے واقف نہ ہوا سے چاہیے کہ اپنی چٹکی سے موم بتی بجھانے کی کوشش کرے۔ بے شک اس کا انحصار تمھاری مہارت پر زیادہ ہے۔

اور اس نے اپنے انگوٹھے اور شہادت کی انگلی کو زبان پر پھیرا اور پھر دونوں موم بتیوں کے شعلے چٹکی سے دبا کر بجھا دیئے۔

جوراڈو کھڑا دان ہوزن کی طرف دیکھتا رہا۔ اس کے چہرے سے شدید کرب ظاہر تھا اور وہ اپنا جلا ہوا ہاتھ سہلا رہا تھا۔ پھر وہ پلٹا اور پیر پٹختا بار سے باہر چلا گیا۔ اس کے دونوں ساتھی اس کے ساتھ تھے۔

دان ہوزن نے کاؤنٹر پر سے سینٹ ارمن ذی پورس کا بت اٹھا کر کمبلوں میں لپٹیا۔ بار میں خاموشی طاری تھی۔ پھر وہ آگے بڑھا، مارینو نے دوڑ کر اس کے لئے دروازہ کھولا اور دان ہوزن باہر چلا گیا۔ اس کے باہر جاتے ہی بار میں لوگ بھنبھنانے لگے۔ میں نے آگے کی طرف جھک کر جوناس سے کہا:۔

"اب اس سالے کے ارادے کیا ہیں؟"

"خدا ہی بہتر جانتا ہے لیکن اتنا تو میں بھی جانتا ہوں کہ دوسری دفعہ اسے پستول کی ضرورت پڑے گی" جوناس نے جواب دیا اور تاش سمیٹ لئے "ایک رات کے لئے اتنی دلچسپی کافی سے زیادہ ہے چنانچہ میں تو جا کر سوتا ہوں"

میں اسے جاتے دیکھتا رہا۔ پھر اٹھا اور برآمدے کی طرف بڑھا۔ وہاں دو تین آدمی بیٹھے ہوئے تھے میں برآمدے میں پہنچا تو وہ خاموش ہو گئے میں زینے کے سرے پر پہنچا تو کھڑکھڑاہٹ کی آواز سنائی دی۔ مارینو ایک ٹھیلا ڈھکیلتا آ رہا تھا۔ دان ہوزن اس کے ساتھ چل رہا تھا۔

میں سیڑھیاں اتر کر نیچے پہنچا، دان ہوزن کو آواز دی، وہ ٹھہر گیا لیکن

مازینیو کو آگے بڑھنے کا اشارہ کرکے مجھ سے پوچھا۔

"کیا بات ہے؟"

"وہاں بارمین تم نے یہ کیا حماقت کی تھی؟ کیا مطلب تھا اس کا؟"

"کچھ نہیں، اپنا انتظار کر رہا تھا۔ آج صبح اس عورت نے مجھے اس بت کی تاریخ بتائی تھی تو میں نے سمجھ لیا تھا کہ میرے ہاتھ بڑے کام کی چیز آئی ہے لیکن سوال اسے ظاہر کرنے کا تھا اور میں اطمینان بخش طور پر یہ کام کر چکا ہوں۔ اچھا۔ صبح ملاقات ہوگی"

وہ آگے بڑھ کر اندھیرے میں غائب ہوگیا۔ میں جہاں تھا، وہیں کھڑا اس کے قدموں کی چاپ سنتا رہا جو کبھی حل ہونے والا نہ تھا۔

میں ایک عجیب طرح کی بے چینی اور بے قراری محسوس کر رہا تھا اور جانتا تھا کہ ابھی مجھے نیند نہ آئے گی۔ چنانچہ میں سڑک پر آگیا۔ دماغ پر اگندہ کر دینے والی بدبو نے میرا استقبال کیا۔ بدرو سے بدبو کے بھبکے اور ابخرات اٹھ رہے تھے میں ناک پر رومال رکھ کر بستی کے اس دروازے کی طرف بڑھا جو فصیل میں تھا۔

میں بستی سے باہر آگیا۔ یہاں ہوا تازہ اور فرحت بخش تھی، آسمان میں تارے چمکے ہوئے تھے اور پہاڑ کی بلند چوٹیوں کی برف پر چاندنی کرد ملیر بدل رہی تھی ڈھلان کی چوٹی پر اور جھاڑیوں میں الاؤ جل رہا تھا اور اس کی زرد اور لرزاں روشنی میں خچر اور گھوڑے چرتے نظر آتے تھے۔ کسی قافلے کا پڑاؤ تھا وہ۔ کسی جانور کے گلے میں بندھی ہوئی گھنٹی کی سریلی آواز ہوا کے دوش پر تیرتی ہوئی آئی اور میرا دل زور زور سے دھڑکنے لگا۔

میرے قدم خود بخود اس پڑاؤ کی طرف اٹھ گئے۔

میں پہلے ایک اور پھر دوسرے سنتری کے قریب سے گزرا۔ دونوں میں سے کسی ایک نے بھی مجھے نہ ٹوکا۔ الاؤ کے قریب ایک شخص کمبل میں لپٹا سو رہا تھا۔ الاؤ

کے دوسری طرف ناشیتا منھ میں پائپ دبائے اور پالتی مارے بیٹھا تھا۔ ونچسٹر بندوق حسب معمول اس کی گود میں دھری ہوئی تھی۔

الاؤ کی کانپتی ہوئی روشنی میں ناشیتا کا چہرہ جوان معلوم ہوتا تھا۔ اس نے نظریں اٹھا کر میری طرف دیکھا۔ عین اس وقت خیمے کا پردہ اٹھا کر وہ باہر آگئی وکٹوریہ ملبوزا۔ خاموش اور خنک اور چاندنی رات میں وہ ایک دیوی کی طرح معلوم ہوتی تھی۔ زمانۂ قدیم میں لوگ دیویوں کی پرستش کرتے تھے تو غلط نہ کرتے تھے۔

وہ مسکرائی۔ اس کی یہ مسکراہٹ میرے لئے، صرف میرے لئے تھی۔ چنانچہ میں آگے بڑھا اور اس کے قریب سے گزرتا ہوا خیمے میں داخل ہوگیا۔ اڑی بلّی سے ایک لالٹین لٹک رہی تھی۔ وکٹوریہ نے پردہ گرا دیا۔ دنیا باہر چھوٹ گئی۔ ہم دونوں اکیلے تھے۔ دنیا سے کٹ گئے تھے۔ وہ گھٹنوں کے بل بیٹھ گئی۔

میں اس کے سامنے بیٹھ گیا۔

وہ اپنی چوٹی کھولنے لگی۔ اور پھر اس کے بال ایک ریشمی ڈھیر کی صورت میں اس کی کمر تک بکھر گئے۔ اور پھر اس نے وہ حرکت کی جس نے مجھے حیرت میں ڈال دیا۔ اس نے ایک چپٹا چوبی بکس کھولا۔ اس میں سے اس نے ایک نوٹ بک اور پنسل نکال کر نوٹ بک کے صفحہ پر کچھ لکھا اور پھر نوٹ بک میری طرف بڑھا دی۔

اس نے بے حد صاف اور خوبصورت خط اور ہسپانوی میں صرف ایک سطر لکھی تھی:۔

"تمہارا خیال تھا کہ میں تمہیں چھوڑ دوں گی؟"

اس سوال کا جواب بہت مشکل تھا۔

لیکن جواب دینے کی کوئی ضرورت نہ تھی۔ کیونکہ وکٹوریہ نے اٹھ کر لالٹین بجھا دی۔

نواں باب

کئی برس تک میری زندگی ایسی گزری تھی جس میں ہر ضرورت کی چیز کو مقاصد اور اصولوں پر بھینٹ چڑھانا پڑا تھا۔ چنانچہ اس دور میں اور میری اس وقت کی زندگی میں عزت، دوستی، محبت اور کسی بھی قسم کے ایسے انسانی تاثر یا جذبہ کے لئے دل میں کوئی جگہ نہ تھی جسے کمزوری سمجھا جائے۔

چنانچہ اس قسم کے احساسات کے انسان پر جو ذمہ داریاں آ پڑتی ہیں اور جو بے قراری محسوس ہوتی ہے میں ان کا عادی نہ تھا۔ میں تنہائی پسند اور تنہا آدمی تھا اور ہر طرف سے بے پرواہ کیونکہ میری زندگی کا کوئی بھروسہ نہ تھا۔ جو دن گزرتا تھا غنیمت تھا اور میں یقین سے کہہ نہ سکتا تھا کہ دوسرے دن میں زندہ رہوں گا بھی کہ نہیں۔

لیکن اب وکٹوریہ میری زندگی میں آ گئی تھی اس دن سے آ گئی تھی جب میں نے پہلی دفعہ اسے تاشو کے سرائے میں دیکھا تھا۔ جب اس نے سہمے ہوئے اور خوفزدہ بچے کی طرح ڈر کر میرا دامن پکڑ لیا تھا۔ ہاں اسی وقت سے وہ میری زندگی میں داخل ہو گئی تھی۔

"سینور! اب یہ آپ کی حفاظت میں ہے۔"

تاشو کے یہ الفاظ مجھے یاد آ گئے اور مجھے آسیب بن کر پریشان کرنے لگے۔ لیکن میں سوچ رہا تھا کہ معاملہ اس کے برعکس تھا۔ وہ میری بجائے خود اپنی حفاظت بھی کر سکتی تھی۔ اپنے آدمیوں میں پہنچنے کے بعد اس میں حیرت انگیز فوری تبدیلی آ گئی تھی۔ وہ صوفی صدیا کوئی جن گئی تھی۔ ڈان ہوزن نے کہا تھا کہ پہلی دفعہ اگر اس

نے بستر میں مجھے پسند نہ کیا تو وہ چاقو نکال کر بلا جھجک عضو تناسل کاٹ لے گی۔
لیکن ایسا نہ ہوا تھا۔ بلکہ گزشتہ رات اس نے اپنی حرکتوں اور پیار سے۔ مجھے یقین دلا دیا تھا کہ وہ اپنا چاقو مجھ پر نہیں بلکہ بلا جھجک اس بدنصیب پر استعمال کرے گی جس سے مجھے ذرا بھی اور کسی قسم کا بھی نقصان پہنچے گا۔
مطلب یہ کہ دوسرے دن صبح جب میں کار ڈرائیو کر کے بستی سے باہر آیا تو اس وقت وکٹوریہ پوری طرح سے میرے دل و دماغ پر چھائی ہوئی تھی۔
دان ہوزے میرے قریب اور جوناس حسب معمول پچھلی سیٹ پر بیٹھا ہوا تھا۔ اور جب میں نے اس ڈھلان پر اور چشمے کے کنارے وکٹوریہ کا پڑاؤ اور چولہے سے دھواں اٹھتے دیکھا تو میرا دل ایک عجیب طرح کی وجد آفریں مسرت سے پر ہو گیا۔
وکٹوریہ چند منٹ پہلے قریب ہی کھڑی کا تھی۔ چولہے پر ایک برتن چڑھا ہوا تھا اور وہ اس پر جھکی ہوئی تھی۔ ناشینا نے اس سے کچھ کہا اور اس نے سر اٹھا کر اور اپنی آنکھوں پر ہتھیلی کا چھجہ رکھ کر ہماری طرف دیکھا۔
اور پھر اس نے ایک عجیب حرکت کی۔
وہ قریبی گھوڑے کی طرف دوڑ گئی، چھلانگ لگا کر اس کی ننگی پیٹھ پر سوار ہوئی اور پھر اسے سرپٹ بھگا دیا۔
گھوڑے کے لگام نہ تھی اس کی گردن میں صرف رسی پڑی ہوئی تھی لیکن وکٹوریہ بڑی منجھی سوار تھی چنانچہ ایک منٹ بعد ہی اس کا گھوڑا ہماری کار کے ساتھ ہی دوڑ رہا تھا اس نے گردن گھما کر میری طرف دیکھا۔ وہ ہنس رہی تھی شاید اس لئے کہ صبح بہت زیادہ حسین تھی لیکن میں نے سوچا کہ وہ میرے لئے ہنس رہی تھی۔ میں نے اس کی طرف ہاتھ ہلایا۔ اور جب ہماری کار آگے بڑھ گئی

تو اس نے اپنا گھوڑا پھیرا اور پڑاؤ کی طرف چلی گئی۔

"کیا کہا تھا میں نے کوچ کرو، وہ تمھارا پیچھا نہ چھوڑے گی" دان ہوزن نے کہا۔

"اور میں نے کب کہا تھا کہ میں اس سے پیچھا چھڑانا چاہتا ہوں" میں نے جواب دیا۔

دان ہوزن کے بشرے سے حیرت کے آثار ظاہر ہوئے لیکن اس نے صرف اتنا کہا۔

"تو بیٹے تم خود اپنے ہی راستے سے جہنم میں جا رہے ہو"

"بالکل" جونا اس نے سر ہلایا۔ "اچھا بھئی اب تم دونوں کے پاس وقت ہو تو ہم آج کے پلان پر بحث کر لیں"۔

"سیدھی سی بات ہے" دان ہوزن نے کہا "میں یہاں تامس کو بہر حال ٹھکانے لگانے آیا ہوں اور خودکشی کرنے نہیں آیا"

"میں گزشتہ کل اسے گولی مار سکتا تھا" میں نے کہا "لیکن دوسرے ہی منٹ اس کے آدمی خود مجھے ٹھکانے لگا دیتے"

"بالکل چنانچہ اب ہمیں اسے براہ راست مقابلے میں لانا ہے چاہے اس اکیلے کو یا اس کے اتنے ساتھیوں کے ساتھ جن سے ہم نمٹ سکیں"

"اور یہ ہم کیسے کر سکتے ہیں؟"

"میرا مشورہ یہ ہے کہ تم آج کاؤن کا معائنہ کرو اور پھر لڑکی اور اس کے پاگل باپ سے کہو کہ تم ہر پہلو پر غور کرنے کے بعد آج ہی سہ پہر کے وقت اپنی رپورٹ پیش کر دو گے۔ چنانچہ یقینی ہے کہ آج ہی تامس کو وہ صورت حال پر بحث کرنے یا معاملہ طے کرنے کے لئے تمھیں بلائے گی"

"اور تمھارا خیال ہے کہ اس وقت تامس صاحب بھی ظہور فرما ہو جائیں گے؟"

جو یاس نے پوچھا

"وہاں یا ہوٹل میں کیونکہ وہ معلوم کرنا چاہے گا کہ تمہاری رپورٹ میں کیا ہے۔ کہو کورخ میرا خیال غلط تو نہیں ہے؟"

میں نے سر ہلایا۔

"اگر وہ نہ آیا تو یہ واقعی حیرت انگیز بات ہو گی لیکن سوال یہ ہے کہ کیا وہ اکیلا آئے گا۔"

اس نے اپنا سگار سلگایا، اطمینان سے ٹیک لگا کر بیٹھ گیا اور جیب سے ایک کتاب نکال کر پڑھنے لگا۔ یہ سینٹ اگسٹی کی کتاب "شہر خداوند" تھی مجھے حیرت زدہ ہو جانا چاہئے تھا لیکن وان ہوزن کی کسی بھی حرکت اور عمل پر میں نے متعجب ہونا ترک کر دیا تھا۔

صحن میں پہنچ کر اور سیڑھیوں کے قدموں میں میں نے کار روک لی تو شیلا دروازے میں نمودار ہوئی اس نے گزشتہ کل کی طرح ہی گھڑسواری کا لباس پہن رکھا تھا یعنی چرمی برجس، جوتے اور آنکھوں پر جھکی ہوئی ہیٹ۔ اس کے بائیں ہاتھ میں چابک تھی جسے وہ اپنی ٹانگ پر ہیجانی انداز میں مسلسل مار رہی تھی۔ وہ تھکی ہوئی اور مضمحل معلوم ہوتی تھی اور رنگ کچھ زیادہ ہی زرد تھا۔

وہ سیڑھیاں اتر کر ہمارے پاس آئی۔ اس کے ہاتھ میں ڈوری سے بندھا ہوا ایک فولیو تھا اس نے یہ فولیو ہمیں دیتے ہوئے کہا:۔

"اس میں جانچ پڑتال کی رپورٹیں اور پچھلے سال کی ہیں جن سے آپ

کو پتہ چل جائے گا کہ کان پانچ سال سے کھلی ہے اور اسی میں وہ دو سرکاری پوڈینیا بھی ہیں جو شاید آسیب دیکھنا چاہیں گے۔"

جو اس نے اپنا ہیٹ اتار کر بڑے اخلاق سے پوچھا۔

"آج آپ کے والد کی طبیعت کیسی ہے؟"

"کچھ زیادہ اچھی نہیں ہے۔ سچ مچ بستر سے لگ گئے ہیں" اور وہ وان ہوزن کی طرف گھوم گئی۔

"فادر! آج ان کی حالت ایسی ہے کہ وہ کسی سے مل نہیں سکتے۔ چنانچہ مجھے افسوس ہے کہ میں نے آپ کو خواہ مخواہ تکلیف دی۔ میں اس کی معافی چاہتی ہوں"

"کوئی بات نہیں۔ میں سمجھ سکتا ہوں" وان ہوزن نے کہا۔

اور پھر لمحہ بھر کے لئے ان دونوں کے درمیان یگانگت اور انسیت کی وہ عجیب برقی رو دوڑ گئی جسے میں گرجا میں ان دونوں کی پہلی ملاقات کے وقت بھی دیکھ چکا تھا۔

دفعتہ شیلا کی آنکھوں میں چمک اور چہرے پر دمک آگئی۔

"اگر آپ ہمارے ساتھ کان تک چلیں تو کیسا رہے؟" اس نے پوچھا "اس وقت گاؤں کے بہت سے لوگ وہاں کام کر رہے ہیں۔ آپ یقیناً وہاں بیزار نہ ہوں گے۔"

"یقیناً نہ ہوں گے؟"

"آپ گھوڑے پر سوار ہو لیتے ہیں فادر؟"

"لوگ تو کہتے ہیں۔"

وہ اس انداز سے مسکرائی کہ اگر میرا اندازہ غلط نہیں ہے تو وہ کئی برسوں سے اس طرح نہ مسکرائی تھی۔ یہ بڑی عجیب بات تھی تاہم حقیقت تھی کہ ان

دونوں نے یہ گفتگو اس طرح کی تھی گویا دہ جوناس وہاں موجود ہی نہ تھے ۔

راستہ دشوار گزار تھا ۔ اوّل تو اس لئے کہ وہ جس خطے سے گزر رہے تھے وہ ناہموار اور خراب تھا اور دوم اس لئے کہ یہ راستہ مدتوں سے زیر استعمال نہ تھا چنانچہ جگہ جگہ سے کٹ پٹ گیا تھا ۔ چنانچہ اب اگر کوئی شخص کان میں حصہ دار بن جاتا یا کوئی کمپنی اسے خرید لیتی تو اسے سب سے پہلے اس راستے کی مرمت کرنا تھی ۔

سب کے آگے شیلا تھی ، اس کے پیچھے وان ہوزن کے اور میرے گھوڑے تھے اور سب کے آخر میں جوناس تھا جو پہیوں کی ایک گاڑی میں بیٹھا ہوا تھا اسے دو گھوڑے کھینچ رہے تھے اور انہیں شیلا کے باپ کا ایک ملازم ہنکا رہا تھا ۔

اب ہم ڈھلانی علاقے میں اتر آئے ۔ یہاں کچھ نہ تھا سوائے جھلسی ہوئی اور ٹوٹی ہوئی چٹانوں اور تنگ اور بل کھاتے ہوئے نالوں کے ۔ ڈھلانوں پر صحرائی درخت تھے ، ہم اوپر پہنچے تو وہ خاص لیکٹس نظر آئے جو انگشت کی شکل کے لیکن خاردار تھے ۔

ایک ڈھلان چڑھ کر ہم سطح مرتفع پر پہنچے تو یہاں چھ آدمی اپنے گھوڑوں پر سوار راستے میں صف باندھے کھڑے تھے ہر ایک نے بائیں ہاتھ میں اپنے گھوڑے کی لگامیں اور دائیں میں بندوق پکڑ رکھی تھی ۔ بالکل سپاہیوں کا سا انداز تھا لیکن مجھے یاد آیا کہ جوناس فوج میں افسر رہ چکا تھا ۔

اور پھر میا نے والی ڈھلان سے انگشت نما کیکٹس کے جھنڈ سے چھتے ہوئے جوناس

نمودار ہوا۔ اپنے سنجیدہ چہرے کی وجہ سے اور کالے لباس میں وہ مذہبی جماعت کا نمائندہ معلوم ہوتا تھا۔

شیلا بہ یک وقت خوفزدہ بھی ہوگئی اور غصہ بھی۔

"کیا مذاق ہے یہ؟" اس نے چیخ کر کہا "کیا چاہتے ہو تم؟ تم نے مجھ سے وعدہ کیا تھا اور دو دنوں کی مدت دی تھی۔"

تامس کے ایک ساتھی نے اپنے گھوڑے کو ایڑ مار کر آگے بڑھایا، وہ میرے قریب آیا، اس نے اپنا ایک ہاتھ میرے کوٹ کے گریبان میں ڈال کر میرا پستول نکال لیا۔ صاف ظاہر تھا کہ اسے پہلے سے بتا دیا گیا تھا کہ میں اپنا پستول کہاں رکھتا ہوں۔

"تامس!" شیلا چلائی۔ اس کی آواز میں ایک طرح کا کرب تھا۔

"بے شک میں نے وعدہ کیا تھا اور میں اس پر قائم ہوں" تامس نے کہا "تم جاؤ کان کی طرف۔ جب تک میں تمہارے دوستوں سے نپٹ لوں گا تو وہ بھی آجائیں گے۔ اس کا بھی وعدہ کرتا ہوں۔"

غالباً وہ اپنے بھائی سے واقف تھی اور یہ بھی جانتی تھی کہ اس سے بحث کرنا فضول تھا۔ تاہم جب اس نے اپنا گھوڑا کان کی طرف موڑ کر بھگایا ہے تو اس کا چہرہ غصے کی شدت سے سفید ہو رہا تھا اور ہونٹ سختی سے بھینچے ہوئے تھے۔

گاڑی ابھی ہمارے پیچھے اور بہت دور تھی چنانچہ جو تامس ابھی اس مصیبت سے محفوظ تھا۔

تامس نے اپنی ہیٹ پیچھے ڈھکیل دی۔ اب وہ اس کے شانوں پر پڑی ہوئی تھی۔ وہ چند ثانیوں تک ہماری طرف دیکھتا رہا۔ اس کے بال بھورے تھے اور یہ واقعی عجیب بات تھی کیونکہ کسی بھی میکسیکن کے بال بھورے نہیں ہوتے

آنکھیں نیلی تھیں اور اس کا چہرہ جو خاصہ قبول صورت تھا، پُرسکون اور خالی تھا۔
جی ہاں۔ اس کے لئے "خالی" سے بہتر لفظ مل ہی نہیں سکتا۔

"مسٹر کونخ! یہاں آیئے" اس نے کہا" اور پادری کو بھی اپنے ساتھ لایئے"
چنانچہ ہم نے ایسا ہی کیا جیسا کہ ہم سے کہا گیا۔ اس سے آپ یہ نہ سمجھ لیں کہ اس کے علاوہ ہمارے لئے کوئی چارہ ہی نہ تھا۔ جی نہیں۔ بلکہ وقت کا تقاضہ ہی یہ تھا۔ ہم دونوں گھوڑوں پر سے اتر کر ٹیلے پر چڑھ گئے۔ وہاں تامس ایک درخت سے ٹیک لگائے کھڑا تھا اور سگریٹ پھونک رہا تھا۔

ابتدا میں تو وہ میری طرف یوں متوجہ ہوا جیسے وان ہوزن کا وجود ہی نہ ہو۔
"مسٹر کونخ! تم کان کے متعلق اپنی رائے کب تک تیار کر لوگے؟" اس نے پوچھا۔
"یہ تو میں یقین سے نہیں کہہ سکتا" میں نے جواب دیا" آج صبح میں کان کا معائنہ کروں گا۔ سہ پہر کے وقت ان نقشے اور رقم کا مطالعہ کروں گا جو تمہاری بہن نے دی ہے اور پھر اپنی رپورٹ تیار کروں گا"

"آج شام تم میری بہن اور میرے والد سے ملنے جا رہے ہو؟"
"نہیں۔ مجھ سے کہا گیا ہے کہ تمہارے والد بیمار ہیں اور کسی سے بھی ملنے کے قابل نہیں۔ وہ بستر سے لگ گئے ہیں"
"جب تم اپنی رپورٹ مکمل کر لو تو میں اسے دیکھنا چاہتا ہوں۔ سمجھ گئے؟"
"صورت حال کے پیشِ نظر میرا تو خیال تھا کہ اس معاملے کا تعلق براہ راست تمہاری بہن سے ہے نہ کہ تم سے" وان ہوزن نے بڑے سکون سے اسے مطلع کیا۔
اور اب تامس بولا ہے تو اس کے لہجے میں خوفناک اور لرزہ خیز سکون تھا۔
"یاد پڑتا ہے کہ میں نے تمہیں بولنے کی اجازت نہیں دی لیکن اب چونکہ تم بیچ میں ٹپک ہی پڑے ہو اس لئے میں ایک بات بتا دینا ضروری سمجھتا ہوں۔ سنو پادری صاحب

میں نے اپنی بہن کے مجبور کرنے پر ہی تمہیں دو دن تک زندہ رہنے کی اجازت دے دی ہے۔ ان دو دنوں میں نہ تو تمہیں تبلیغ کرنی ہے، نہ بستی کے آدمیوں کے پاس جانا ہے اور نہ ہی پادریوں کی قسم کی کوئی شرارت کرنی ہے۔ صرف دو دن اور اس کے بعد تم ان لوگوں کے ساتھ واپس چلے جاؤ گے۔ اگر تم نے میرے اس حکم سے سرتابی کی تو میں تمہیں زندہ نہ چھوڑوں گا۔"

"اور اس سے تمہیں خوشی حاصل ہوگی؟" دان ہوزن نے پوچھا۔

"تمہیں مار کر مجھے اتنا بھی افسوس نہ ہوگا جتنا کہ تل چٹے کو ایڑی تلے کچل کر ہوتا ہے۔" اب وہ میری طرف گھوم گیا۔ "تم ہوئیلا میں کرنل بونیلا سے ملے تھے اور اس نے تمہیں میری طرف سے خبردار کر دیا تھا؟"

"ہاں۔"

"اور اس نے کیا کہا تھا میرے متعلق؟"

"انھوں نے کہا تھا کہ لوگوں نے بغاوت کی اور انقلاب لے آئے۔ اب لوگوں اور ملک کو امن و سکون کی ضرورت ہے کہ وہ ترقی کی راہ پر گامزن ہو سکے چنانچہ اب اس ملک میں تم جیسے آدمیوں کے لئے کوئی جگہ نہیں ہے۔"

میں نہیں جانتا کہ یہ الفاظ میں نے کیوں کہے اور اس طرح بغیر کسی لاگ لپیٹ کے کیوں کہے یہ میں نہیں جانتا۔ لیکن یہ الفاظ میرے منہ سے نکل چکے تھے اور میں انھیں واپس نہیں لا سکتا تھا۔

وہ ایک دم سے میری طرف گھوم گیا اور اس کی آنکھوں کا رنگ جیسے بدل گیا۔ اب وہ اس کے زرد چہرے میں برف کی دو ڈلیوں کی طرح چمک رہی تھی۔

"لوگ؟" اس نے کہا۔ "لوگوں کے متعلق کہتے ہو تم؟ میں بتاؤں کیا ہیں لوگ؟ زمین میں پڑے ہوئے گوبر کے انبار ہیں — ہاں — ایسے ہیں لوگ۔ میں ان

کی خاطر جیل گیا، یاؤنڈان کے جنگل میں تین سال اس جگہ گزارے جہاں سیاسی قیدیوں کو رکھا جاتا ہے۔ میں نے ہر ذلت گوارا کی اور ہر تکلیف برداشت کی میں نے اپنی زندگی لوگوں کو آزادی دلانے کے لئے وقف کر دی اور انہیں آزادی مل گئی۔ ہاں۔ قتل وغارت کی آزادی، عورتوں کی عصمت دری کرنے کی آزادی، آگ لگانے کی آزادی چنانچہ لوگوں نے، آزادی کے ان علم برداروں نے اس ملک کو لاش خانہ بنا کر رکھ دیا۔"

"یہ لوگ مدت مدید تک غلام رہے تھے" میں نے کہا۔ "چنانچہ اس کا یہ ردعمل ہونا ہی تھا"

"اچھا۔ اچھا؟" وہ یوں کانپ گیا جیسے اسے جاڑا چڑھ آیا ہو۔ اس نے اپنی نظریں پہاڑ پر جما دیں اور پھر جیسے اپنے آپ سے کہا "سینور! یہ سب کچھ میرے ہاتھوں نہیں ہوا۔ دس سال تک آزادی کی جنگ لڑتے رہنے کے بعد میں گھر آیا تو میرا باپ ٹوٹ چکا تھا اور پاگل ہو چکا تھا اور اس کی یہ حالت آزادی کے علمبرداروں نے کر دی تھی اور میری بہن ... کو اس حالت میں پایا کہ اگر کسی مرد کا کپڑا تک اسے چھو جاتا تو وہ خوف سے چیخ اٹھتی۔ کتنا زنا کیا گیا ہوگا اس کے ساتھ کہ وہ مرد کے سائے سے بھی لرز لرز اٹھتی تھی۔"

خادم منجمد تھی۔ البتہ ہوا کے پنکھے سے جھونکے تھے جو گیٹس میں سرسرا رہے تھے چنانچہ لمحوں کے لئے وہ بھی تھم گئے اور ایسی بے جھل خاموشی مسلط ہو گئی کہ مجھے وحشت سی ہونے لگی۔

"پینتیس کے آخری مہینے میں ایک رات وہ لوگ میرے گھر آئے۔ جانتے ہو کون لوگ تھے؟ انقلاب کے پرستار سپاہی، آزادی کے متوالے لوگ اور ان کا کمانڈر تھا ... جس کا نام داؤ تھا اور جو بڑا بہادر تھا۔ ...

نے میرے باپ کو مار مار کر ادھ موا کر دیا اور پھر اسے مردہ سمجھ کر چھوڑ دیا لیکن آزادی کے متوالوں نے باری باری سے میرے بے شدھ پڑے ہوئے باپ پر پیشاب کر دیا۔ اب رہ گئی میری بہن۔ تو سب سے پہلے اس جانور درگا نے اسے ہر طرح سے استعمال کیا۔ جس ذریعہ سے بھی اس کی عزت خاک میں ملا سکتا اور جسے ذلیل کر سکتا تھا وہ ہر وحشیانہ ذریعہ اس نے استعمال کیا۔ جب وہ جی بھر کر اپنا منہ کالا کر چکا تھا تو اس نے میری بہن کو اپنے آدمیوں کے سپرد کر دیا اور وہ قطار لگا کر کھڑے ہو گئے اور باری باری سے میری بہن سے اپنی ناپاک خواہشات پوری کرتے رہے۔"

یہ بڑی عام سی لیکن بڑی ہی خوفناک کہانی تھی۔ میں اسی قسم کے بے شمار واقعات سے واقف تھا اور اپنی آنکھوں سے بھی دیکھ چکا تھا اور ان کی تفصیلات لرزہ خیز تھیں۔

یہ انسان ہوزن تھا جس نے زبان کھولی۔ اس کی آواز غصے سے کانپ رہی تھی۔

"اور کسی نے اس بربریت کو روکنے کی کوشش نہ کی؟ کوئی اس کی مدد کو نہ آیا؟"

"ماجوڈا کے بزدل لوگ بیٹھے ہوئے کتوں کی طرح گھروں کے دروازے بند کر کے بیٹھے رہے۔ اور اس وقت کا پادری، ماجوڈا کے لوگوں کا روحانی پیشوا، سوائے دو میں صرف دو چیزوں کی ضرورت رہا کرتی تھی اور ان کے علاوہ اسے کسی بات کی پروا نہ تھی۔ ایک تو ٹیکو شراب کی بوتل اور اس بیوہ کا بدبودار بستر جو اس کا کام کاج کیا کرتی تھی۔ اب تم سمجھ سکتے ہو کہ وہ حقیقت میں فادر یعنی باپ تھا۔ ان بچوں کا جو اس بیوہ کے بطن اور اس پادری کے نطفے

سے پیدا ہوئے حرامیوں کے باپ۔"

"اور اس وجہ سے تم دنیا کے دشمن بن گئے؟"

"کبھی میں فہم و شعور میں یقین رکھتا تھا۔ لیکن اب نہیں رکھتا۔ انسان کو میں نے اس کے اصلی روپ میں دیکھ کر ایک نہ بھولنے والا سبق حاصل کر لیا ہے۔ وارگا کو میں نے خود اپنے ہاتھ سے ذبح کر دیا اور اس وقت کے پادری کو اور اس کے بعد آنے والے پادری کو بھی پھانسی پر لٹکا دیا۔ اب رہے لوگ تو ان کا تو یہ ہے کہ اگر میں انھیں حکم دوں تو وہ خود اپنی غلاظت چاٹ لیں گے۔"

"اور اس نے تمھیں خوش قسمت آدمی بنا دیا ہے؟" وان ہوزن نے پوچھا۔

تامس نے شعلہ بار نظروں سے وان ہوزن کی طرف دیکھا، اس کی آنکھیں پھیل گئیں اور اندھیری ہو گئیں۔ اور جب اس نے اپنے بائیں ہاتھ کی دو انگلیاں پھیلائی ہیں تو اس کا نرم ہاتھ کانپ رہا تھا۔

"صرف دو دن پادری، دو دن۔" وہ میری طرف گھوم گیا" اور سینور۔ مقررہ وقت پر تمھیں میرا پیغام مل جائے گا۔ بس۔ اب جاؤ۔"

جب ہم ڈھلان اتر رہے تھے تو تامس کے آدمی اپنے گھوڑے ڈھلان پر چڑھا رہے تھے۔ تھوڑی سی دھول اڑی، فضا میں دبی دبی ٹاپوں کی آواز بکھر گئی اور تامس اپنے آدمیوں کے ساتھ جا چکا تھا۔

میرا پستول ایک پتھر پر پڑا ہوا تھا۔ میں نے اسے اٹھایا، چیمبر کھول کر دیکھا اور اسے خول میں رکھ لیا۔

وان ہوزن کا رنگ فق تھا۔ اس نے کہا۔

"میں تمھارے بارے میں تو نہیں جانتا لیکن اس معاملے نے مجھے تو دہشت زدہ کر دیا ہے۔ وہ تو یار حد سے گزر گیا ہے۔"

"بالکل" میں نے سر ہلایا۔

عین اس وقت جونا اس کی گاڑی ڈھلان کے پیچھے سے نمودار ہوئی اور قریب آکر ٹھہر گئی۔ جونا اس نے چیخ کر کہا:۔

"میرا تو خیال تھا کہ تم وہاں پہنچ گئے ہو گے لیکن اب تک تم یہیں ٹامک ٹوئیاں مار رہے ہو۔ کیا ہوا؟ کسی مصیبت میں پھنس گئے تھے؟"

"آ۔ ہاں یونہی سمجھ لو" میں نے جواب دیا۔

اور دان ہوزن ہنسنے لگا لیکن اس کی یہ ہنسی سپاٹ اور مصنوعی سی تھی۔

ہماری آخری منزل ایک زبردست پہاڑ کے پہلو میں تھی یہ ایک چھوٹا سا سطح مرتفع تھا۔ شیلے ہم سے ملنے کے لئے گھوڑا بڑھا کر آگئی تھی اور راب دان ہوزن کے ساتھ ساتھ چل رہی تھی جو ہم سے آگے تھا۔

اس نے کچھ کہا جو میں نہ سن سکا لیکن دان ہوزن نے بازو لمبا کر کے اس کا ہاتھ پکڑ لیا اور کہا:۔

"سب ٹھیک ہے۔ فکر کی کوئی بات نہیں۔ وہ اپنے وعدے پر قائم ہے"

شیلا کے بشرے سے اطمینان کا اظہار ہوا۔ وہ اپنی راہبری میں ہمیں سطح مرتفع پر لے آئی، اپنے گھوڑے کی لگام کھینچی اور اس پر سے اتر پڑی۔

یہ سنگستانی کان تھی۔ اس میں داخل ہونے کے [illegible]

میں ایک بہت بڑا اور بلند [illegible]

کھڑا گرم فضا میں، بھتی بھتی بو [illegible]

پہاڑ کی ڈھلان پر کئی ایک نالیاں بنی ہوئی تھیں جن کے ذریعہ پانی

نیچے اتار کر ایک کافی بڑے چوبی نالے میں پہنچایا جا رہا تھا۔ یہ چوبی نالا پانا تانا ایک ٹوٹے پھوٹے سائبان میں انڈیل رہا تھا۔ یہ سائبان دونوں طرف سے کھلا تھا اور اسی میں کچی دھات کو مٹی سے الگ کرنے کا کام ہو رہا تھا۔

یہاں بڑی سرگرمی نظر آرہی تھی۔ فوراً ہی ایک ٹھیلا کان کے دہانے سے نکلا اسے دو مزدور زنگ آلود پٹری پر دھکیلتے ہوئے سائبان میں لے آئے اور وہاں اسے اوندھا دیا۔

سائبان میں مشین کے نام بھاپ سے چلنے والا صرف ایک کرشر تھا جس کی بھٹی سے ایسی گرمی نکل رہی تھی کہ وہاں کام کرنا تو ایک طرف وہاں کھڑے رہنا مشکل تھا۔ پانی ایک تالاب میں کھولا کھول کر رہا تھا جس کے کنارے لیپ پوت کر ٹھیک کئے گئے تھے اور پھر وہی قدیم طرز کی بڑی بڑی چھلنیاں اور تسلے تھے جن میں چھان کر مٹی اور کچی چاندی کو الگ کیا جا رہا تھا۔ کوئی چھ سات آدمی، جو دھڑ سے ننگے تھے، یہاں کام کر رہے تھے اور ایک کم عمر لڑکا بالٹیاں بھر بھر کر پانی لا رہا تھا اور ان کام کرنے والوں پر ڈال رہا تھا۔

"آپ دیکھ ہی رہے ہیں" شیلا نے کہا "کہ ہمارے کام کرنے کے طریقے آپ لوگوں کے جدید طریقوں کے مقابلے میں بے حد قدیم اور دقت طلب ہیں۔"

"منافع کی امید ہو تو یہاں بھی جدید طریقے رائج کئے جا سکتے ہیں" جانسن نے کہا۔ "اور یہ کوئی مشکل کام نہیں ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ ہم سب سے پہلے یہاں بالکل نئی مشین ہی لگوائیں گے۔"

"دوسری دفعہ کام شروع کرنے کے بعد آپ کو سب سے بڑی کون سی مشکل سے واسطہ پڑا ہے؟" میں نے پوچھا۔

"چٹانیں اتنی دفعہ گری ہیں کہ مجھے ان کا شمار تک یاد نہیں رہا۔"

"تو پھر ٹیکنیس کمزور ہو گی" جوناس نے کہا "اتنے عرصے تک بیکار پڑے رہنے کے بعد ٹیکنیس کمزور ہو ہی جاتی ہیں۔ یہاں کان کنی کا کوئی ماہر آپ کو نہیں ملا؟"

"جب یہ کان پوری طرح سے کام کر رہی تھی تو بہت سے گاؤں والے یہاں کام کر رہے تھے۔ ہوٹل کا منیجر مارنیو اپنی جوانی سے یہاں فورمین ہے اور جوراڈو منڈولا کا بقدم" اور ان دونوں کا تعین یقیناً اس کے بھائی تاس نے کیا ہو گا لیکن جوناس نے یہ بات کہنا مناسب نہ سمجھا۔

"سنورتیا! میں بلا جھجک اپنی کمزوری کا اعتراف کئے لیتا ہوں" جوناس نے بڑی خوش دلی سے مسکرا کر کہا "بچپن سے ہی مجھے بند جگہوں سے وحشت ہوتی ہے میرے پیشے اور کاروبار کے پیش نظر آپ کو یہ بات عجیب معلوم ہو گی لیکن میں نے کہا نا کہ یہ میری کمزوری ہے۔ چنانچہ یہی وجہ ہے کہ میں مسٹر کورخ جیسے ماہروں کو اپنے یہاں بھاری تنخواہ پر رکھ لیتا ہوں کہ ان کے مفید مشوروں کی روشنی میں فیصلہ کر سکوں"

"جس کا مطلب یہ ہوا کہ تم یہاں مزے سے بیٹھے سگار پھونکتے رہو گے اور معائنے کا کام مجھے کرنا ہو گا" میں نے کہا۔

"بالکل۔ بڑے عقلمند ہو تم" جوناس مسکرایا "مسٹر کورخ! میری جسامت کی طرف دیکھو اور پھر یہ بھی نہ بھولو کہ میں تمہارا سیٹھ ہوں۔ چنانچہ میں یہاں بیٹھ کر اس خوبصورت منظر کا نظارہ کرنا اور بطن زمین کے اندھیرے میں بھٹکتے ہوئے مسٹر کورخ کے متعلق سوچتا رہوں گا"

شیلا مسکرائی۔

"تو پھر آپ آئیے میرے ساتھ مسٹر کورخ" اس نے کہا "اور فادر آپ بھی چل رہے ہیں؟"

چنانچہ ہم تینوں نے جوناس کو باہر بیٹھا چھوڑا اور بطن زمین کے اندھیرے میں اتر گئے۔"

ہربوساوڈ کان میں، جہاں میں نے کام کیا تھا، چھٹے ہوئے بدمعاش، خونی اور سزا یافتہ مجرم کام کیا کرتے تھے اور بقیہ وہ لوگ تھے جنہیں انقلابی فوج سے پنشن دے دی گئی تھی چنانچہ وہ کان چولہے پر چڑھی ہوئی اس ہنڈیا کی طرح تھی جو ہر دم کھدبد کرتی اور ابلتی رہتی ہے۔

ہربوساپیچی ان لوگوں کو اس وقت تک نہ بخشتی تھی جب تک کہ وہ کام کرتے کرتے کان میں دم نہ توڑ دیتے تھے۔ اس کے باوجود ایک ضرورت کی طرف خصوصیت سے دھیان دیا جاتا تھا یعنی تازہ ہوا کی آمدورفت کے لئے روشندان بنانا۔ یہ بے حد ضروری تھا۔ آپ اگر کسی کان میں گئے ہوں گے تو جانتے ہی ہوں گے کہ وہاں بھی آدمی کو ہوا کی ضرورت ہوتی ہے، نہیں تو وہ مر جاتا ہے۔

اس کان کی سرنگ میں میں چند قدم ہی آگے بڑھا تھا کہ سخت حبس اور گھٹن نے مجھے دبوچ لیا اور مجھے کان کے انجینئر کا پارٹ بخوبی ادا کرنے اور اپنی مہارت کا سکہ بٹھانے کا موقع مل گیا۔

"روشندان کو کیا ہوا؟" میں نے پوچھا۔

"روشندان تو ہیں لیکن ہوا کی آمدورفت کی جو سرنگ تھی وہ چٹان کے گرنے سے بند ہو گئی ہے۔ یہ ایک ہفتے پہلے کا واقعہ ہے۔"

"اور تب سے وہ بند ہی ہے؟"

"مارنیو کا کہنا ہے کہ اس کی صفائی میں خاصہ وقت لگ جائے گا اور آدمی بھی

بہت زیادہ درکار ہوں گے۔ چنانچہ فی الحال ہم نے اس کے بغیر ہی کام چلانے کا فیصلہ کیا ہے۔

"اور مارنیہ نے یہ نہیں بتایا کہ یہ کس قدر خطرناک ہے؟"

"سینور! ہمارے پاس ہر چیز کی کمی ہے وقت کی بھی اور پیسے کی بھی۔ چنانچہ ہم جلد از جلد اور جتنی ممکن ہو سکی دھات نکال لینا چاہتے ہیں کہ سرمایہ حاصل کر سکیں۔ مجھے اعتراف ہے کہ بڑا ہی نامناسب طریقہ ہے۔"

ہم ایک موڑ مڑے تو روشنی نے پیچھے ہٹ کر ہمیں اندھیری سرنگ میں اپنے حال پر چھوڑ دیا۔ یہاں چٹانوں میں طاقچے بنے ہوئے تھے اور ان طاقچوں میں موم بتیاں جل رہی تھیں چنانچہ اندھیرے میں جگہ جگہ روشنی کے چند نقطے ابھرتے۔ دو بے حد تھکے ہوئے مزدور ایک ٹھیلا زنگ آلود پٹریوں پر دھکیلتے ہوئے آئے تو ہم تینوں انہیں راستہ دینے کے لیے چھپکلیوں کی طرح دیوار سے چپک گئے۔

"جیسا کہ آپ دیکھ رہے ہیں کہ یہ کام دقیق تھکا مارنا ہے اور انہیں بالکل ہی ٹھنڈا کر دیتا ہے۔ یہ لوگ زیادہ سے زیادہ ایک گھنٹے تک یہاں کی گرمی اور گھٹن میں کام کر سکتے ہیں اور پھر کان سے نکلنے پر مجبور ہو جاتے ہیں" شیلا نے کہا۔

"چنانچہ انہیں تازہ ہوا اور اس کے لیے مناسب روشندانوں کی سخت ضرورت ہے جیسا کہ مسٹر کوغ نے کہا ہے" وان ہوزن نے کہا۔

ہم ایک دوشاخے پر پہنچ گئے اور یہاں پہنچ کر شیلا ٹھہر گئی۔

"آپ کس طرف جانا پسند کریں گے؟" شیلا نے پوچھا۔ "دونوں سرنگوں میں کام ہو رہا ہے اس وقت۔"

"مناسب ہو گا کہ میں مارنیہ سے چند باتیں کر لوں" میں نے کہا۔

"تو پھر ہم اس سرنگ میں چلتے ہیں" جسے ہم بوڑھی عورت کہتے ہیں۔ مارنیو عموماً وہیں ہوتا ہے۔

ایک آنکڑے سے سرنگی دولٹین لٹک رہی تھی۔ شیلا نے وہ لالٹین اتار کر اپنے ہاتھ میں لے لی اور ہمارے آگے آگے سرنگ میں داخل ہوگئی۔ سرنگ تنگ تھی چنانچہ ہمیں جھک کر چلنا پڑ رہا تھا۔ ایک طرح کی جھنجھناتی ہوئی آواز سرنگ میں گونج رہی تھی جو اس بات کا پتہ دیتی تھی کہ کہیں قریب ہی کدالیں اپنا کام کر رہی تھیں۔ دور پر روشنی نظر آئی۔ ہم اس روشنی کی طرف ہی بڑھ رہے تھے۔

اور پھر ہم ایک غار میں آگئے جو بہت سی سرنگی لالٹینوں سے روشن تھا۔ بارہ پندرہ آدمی چھوٹے دستوں والی کدالوں سے چٹانوں کا پہلو توڑ رہے تھے، دوسرے چار پانچ آدمی سنگ ریزوں اور مٹی میں ملی ہوئی کچی دھات کو ٹوکریوں میں بھر بھر کر اس ٹھیلے میں انڈیل رہے تھے جو وہیں کھڑا ہوا تھا۔ اڑتی ہوئی دھول اور گرمی کی وجہ سے یہاں سانس لینا مشکل تھا۔ ایک شخص اٹھ کر ہماری طرف آیا۔ دھول سے بچنے کے لئے اس نے اپنے سر اور ناک پر رومال باندھ رکھا تھا اس کے باوجود میں نے اسے پہچان لیا۔ یہ مارنیو تھا۔

"سینورتیا!" وہ شیلا کے سامنے بڑے بے ڈھنگے پن سے جھک گیا۔

"مارنیو! سینور کو خ تم سے چند سوالات پوچھنا چاہتے ہیں۔ مجھے امید ہے کہ تم ان کے ہر سوال کا جواب اطمینان بخش طور پر دو گے" شیلا نے کہا۔

وہ میری طرف گھوم گیا۔ صاف ظاہر تھا کہ وہ کچھ گھبرا گیا تھا۔ دفعتہ غار کے کونے میں بہت سی مٹی اور پتھر برس پڑے اور ایک مزدور دفن ہونے سے بچنے کے لئے وہاں سے بھاگ کر غار کے بیچ میں آگیا۔

"ٹیکنوں کو ٹھیک طور سے لگایا جا سکتا ہے" میں نے کہا۔

مارنیو نے اپنی جیب سے چاقو نکالا، اسے کھولا اور قریبی ستون میں پھل ڈال کر ستون کا ایک موٹا اندر بڑا سا چھلکا اتار لیا۔

"تم خود دیکھ سکتے ہو کہ لکڑی بہت پرانی ہے اور خشک ہو کر تقریباً اسفنج بن گئی ہے" اس نے کہا "پورا پہاڑ ہمارے سروں پر ٹوٹ پڑنے کا منتظر ہے جب کوئی آدمی ہلکے سے کھانستا بھی ہے تو پتھر اور سنگریزے ٹپک پڑتے ہیں"

"اوہ ۔۔۔ ہوں ۔۔۔ تو اسی لئے تم یہاں مشینری کا استعمال نہیں کرتے ؟" میں نے پوچھا۔

"جی ہاں ۔ ذرا سا ارتعاش اور پورا پہاڑ گردھم سے بیٹھ جائے گا۔"

اس کے بعد میں نے کچی چاندی کے ڈلوں اور ان کے نمونوں وغیرہ کے متعلق اس سے بڑے عقلمندانہ اور ٹھیٹھ پیشہ ورانہ قسم کے سوالات پوچھے۔ اور ہم وہاں سے چل کر واپس سرنگ میں آگئے اور اس جگہ پہونچ گئے جہاں دوشاخہ تھا۔

"اب آپ دوسرا غار دیکھنا پسند کریں گے جس کا نام پاگل آدمی ہے ؟" شیلا نے پوچھا۔

سچ تو یہ ہے کہ میرا دم گھٹ رہا تھا اور اس اندھیرے جہنم سے جلد از جلد نکل جانا چاہتا تھا۔ لیکن "پاگل آدمی" کو بھی دیکھ لینا ضروری تھا کیونکہ میں یہ نہیں چاہتا تھا کہ شیلا کو یا کسی کو بھی ہم پر شک ہو جائے۔

"ایک نظر دیکھ لینا ضروری سمجھتا ہوں سینوریتا" میں نے کہا۔

وہ دان سوزن کی طرف گھوم گئی۔

پاگل آدمی تک جاتی ہوئی سرنگ اکثر جگہ چار چار فٹ تک تنگ ہو جاتی ہے چنانچہ یہ سفر آپ کے لیے تکلیف دہ ثابت ہوگا اور میرے خیال میں وہاں

آپ کا آنا ایسا کچھ ضروری بھی نہیں ہے"

وان ہوبزن نے سر ہلا دیا۔

"ٹھیک ہے" اس نے کہا "تو میں اسی جگہ تم لوگوں کا انتظار کرتا رہوں"

کوئی اور وقت ہوتا تو میں وان ہوبزن کو بے وقوف یا خود غرض کہہ دیتا لیکن جیسا کہ میں کہہ چکا ہوں وہ عظیم الجثہ آدمی تھا اور ایسی تنگ اور پیچدار سرنگوں میں چلنے پھرنے کے لئے بنا ہی نہ تھا۔ چنانچہ جب وہ اس عورت کے ساتھ سرنگ میں چلتے وقت اس کا سر کئی دفعہ چھت سے ٹکرا گیا تھا۔ یہ اور بات تھی کہ اس نے شکایت نہ کی تھی۔

چنانچہ ہم نے وان ہوبزن کو وہیں چھوڑا اور دوسری سرنگ میں داخل ہو گئے یہ سرنگ بھی پہلی کی طرح ہی تنگ تھی فرق تھا تو صرف یہ کہ اس کی چھت میری توقع کے خلاف چند قدم بعد ہی بہت نیچے جھک گئی تھی۔ اس سرنگ میں بھی ارتعاش تھا جو کدالوں کی کھٹ کھٹ کا نتیجہ تھا۔ ہم نے یہاں بھی دیوار سے چپک کر آتے ہوئے ٹھیلے کے لئے راستہ چھوڑ دیا جس کا اوپری کنارہ، سرنگ کی چھت کو تقریباً چھو رہا تھا۔ جب یہ ٹھیلا آگے بڑھ گیا تو ہم بھی اس روشنی کی طرف بڑھے جو دور سے نظر آ رہی تھی۔

غصے میں بھری ہوئی چیخیں سنائی دیں جو بند جگہ میں کچھ زیادہ ہی کان خراش معلوم ہو رہی تھیں۔ اور جب ہم سرنگ میں سے نکل کر غار میں پہنچے تو ان چیخوں کا سبب معلوم ہوا۔ یہ جوبراڈو تھا۔ اس کے چہرے پر پسینے اور دھول کی نقاب سی چڑھی ہوئی تھی اور اس کے ایک ہاتھ میں کوڑا تھا۔

وہ یہ کوڑا ان مزدوروں کی ٹانگوں پر برسا رہا تھا جو کدالوں سے کریدیں میں کچھ دھات بکھیر رہے تھے۔

"جلدی کرو — سارے سمندر، الو پٹھو — جلدی کرو"

دان ہوزن کی طرح جوراڈو بھی اس قسم کے کام کے لئے نہ بنا تھا چنانچہ اس کا ڈیل ڈول اس بند اور تنگ جگہ میں خود اس کے لئے باعث تکلیف بنا ہوا تھا۔ غصہ اور جھنجھلاہٹ اس کی آنکھوں سے جھانک رہی تھی۔ اندر تک بھیگا ہوا کپڑا، جوراڈو کا چہرہ اور سینہ دھول سے اٹا ہوا تھا۔

جب ہم غار میں پہنچے تو اس نے مجھے قطعی نظر انداز کرتے ہوئے شیلا کی طرف دیکھ کر اور جھکے سے سر ہلا کر سلام کیا۔

"سینور کوخ؟ آپ کچھ پوچھنا چاہتے ہیں؟" شیلا نے پوچھا۔

"میرے خیال میں اس کی کوئی ضرورت نہیں" میں نے کہا "یہاں کی حالت بوڑھی عورت سے مختلف نہیں"

شیلا جوراڈو کی طرف گھوم گئی۔

"سب ٹھیک ٹھاک ہے نا؟"

"ہو جائے گا بشرطیکہ یہ سینور ذرا محنت کریں۔"

"اس گھٹن میں آدمی زیادہ کام کر ہی نہیں سکتا" میں نے کہا "چنانچہ کوڑے کا استعمال میرے خیال میں تو فضول ہے۔"

"تم ان لوگوں سے اتنے واقف نہیں ہو جتنا کہ میں واقف ہوں۔ یہ لوگ کوڑے کی زبان ہی سمجھ سکتے ہیں۔"

ایک شخص نے کچی دھات کا بھرا ہوا ٹوکرا ایک جھٹکے کے ساتھ اٹھایا، دم لینے کے لئے ذرا رکا، ٹوکرے پر اس کی گرفت ڈھیلی پڑ گئی اور ٹوکرے کا کل اثاثہ غار کے فرش پر ڈھیر ہو گیا۔ جوراڈو ماں کی ایک گالی کے ساتھ آگے بڑھا اور اس شخص کو کوڑے کے ٹھوس دستے سے ٹھوکنے لگا۔

شیلا نے لپک کر اس کا ہاتھ پکڑ لیا اور چیخ کر بولی :۔

"بس ۔ رک جاؤ جورا ٹو ڈو ۔ یہ میرا حکم ہے"

وہ غصے میں ایسا اندھا اور بے قابو ہو رہا تھا کہ اس نے اپنا گھونسہ چلا دیا جو شیلا کے جبڑے پر پڑا ۔ شیلا لڑکھڑا کر پیچھے ہٹی اور میری باہوں میں آ پڑی۔

اسی وقت بد قسمت مزدور نے مار سے بچنے کے لئے بھاگنے کی کوشش کی ۔ جورا ٹو ڈو نے لچک کر اس پر کوڑا چلایا لیکن اس کے زور میں خود ہی آ رہا ' اپنا توازن کھو بیٹھا اور ایک چوبی ٹیکن سے ٹکرا گیا ۔ اس کے زبردست جسم کے دھکے کو چوبی ٹیکن برداشت نہ کر سکا اور اپنی جگہ سے ہٹ گئی ۔

غار کے اوپر اندھیرے میں سے پتھروں ، کنکروں اور مٹی کا آبشار سا گرا ۔ کام کرتے ہوئے مزدور خوف کی چیخوں کے ساتھ اپنا کام چھوڑ کر اٹھ کھڑے ہوئے اور سرنگ کی طرف بھاگے لیکن وقت گزر چکا تھا ۔

ایک تڑاخے کے ساتھ چھت کے نیچے لگا ہوا اور ٹیکنوں کے سہارے جما ہوا بیس مربع فٹ کا چوبی تختہ عین بیچ میں سے پھٹ گیا ۔

اور پہاڑ ہمارے سروں پر دھنس آیا ۔

ہوا دھوں کے بل کھاتے ہوئے مرغولوں میں تبدیل ہو کر اتنی گاڑھی بن گئی کہ سانس لینا تقریباً ناممکن تھا ۔ میں غار کے فرش پہ چت پڑا ہوا تھا ۔ یہاں تک تو خیر ٹھیک تھا لیکن سب سے زیادہ لرزہ خیز انکشاف یہ ہوا کہ میری ٹانگیں پھنس گئی تھیں ۔ میں نے دیوانہ وار انھیں کھینچا تو وہ ایک دم سے آزاد ہو گئیں ۔ معلوم ہوا کہ میری ٹانگوں پر اور کچھ نہیں صرف مٹی اور سنگریزوں کا انبار

لگ گیا تھا۔

میں دھول کے بادل میں اندھوں کی طرح ٹٹولتا اس طرف بڑھا جہاں غرفی پر روشنی نظر آ رہی تھی۔ قریب پہنچا تو معلوم ہوا کہ یہ سرنگی لالٹین تھی جو نصف سے زیادہ دھول مٹی میں دفن تھی۔ میں نے اسے گھسیٹ کر لیمپ لگائے۔ اس کی روشنی میں ذرا اضافہ ہوا تو اسے اپنے سر سے اوپر اٹھا کر ادھر ادھر نظریں دوڑائیں۔

شیلا اپنے گھٹنے اور ہتھیلیاں زمین پر ٹیک کر بیٹھی ہوئی تھی اور بے حد خوفزدہ اور چکرائی ہوئی معلوم ہوتی تھی۔ اس کے رخسار پر خون کی لکیر تھی جو تھوڑی تک لمبی ہوتی چلی گئی تھی اور وہاں سے خون فرش پر ٹپک رہا تھا ایک طائرانہ نظر ڈالی تو پتہ چلا کہ زیادہ تر کان کن صحیح سلامت تھے۔

جو راڈو چٹانی دیوار سے ٹیک لگائے کھڑا تھا۔ اس کے بشرے سے انتہائی حیرت کے آثار ہویدا تھے جیسے اسے جو کچھ ہو رہا تھا اس پر یقین نہیں آ رہا تھا بلکہ وہ یہ تک سمجھنے سے قاصر تھا کہ یہ کیا ہو رہا تھا۔

میں نے لالٹین اور اوپر اٹھائی اور اس کی روشنی غار کے انتہائی کونے تک پہنچ گئی تو جو راڈو کے منہ سے غراہٹ کی سی آواز نکلی اور وہ آگے بڑھ کر ہاتھ یوں کہنا مناسب ہوگا کہ لپک کر ملبے کے اس ڈھیر پر چڑھ گیا جس نے چھت میں سے گر کر سرنگ میں داخل ہونے اور باہر نکلنے کا راستہ بند کر دیا تھا۔

وہ دیوانوں کی طرح اپنے پنجوں سے ملبے کو ہٹانے لگا۔ کئی ایک کان کنوں نے دوڑ کر اس کی تقلید کی وہ سب دھول اور مٹی کے بادل میں بری طرح سے کھانس اور کھنکھار رہے تھے۔

شیلا بھی کوششوں کے بعد اٹھ کر کھڑی ہو گئی اور پھر وہیں کھڑے کھڑے ڈولنے لگی۔ جیسے اس کا توازن برقرار نہ ہو۔ اسے سہارا دینے اور سنبھالنے کے لئے میں نے

اپنا ہاتھ اسکی طرف بڑھایا تو گھبرا کر ملکہ سہم کر حیرت انگیز پھرتی سے پیچھے ہٹ گئی۔ یہاں زندگی اور موت کا سوال تھا، صورت حال نازک تھی تاہم وہ اس صورت حال میں بھی مردوں کے لمس کے خیال سے بھی خوفزدہ تھی۔ اس کے بھائی نے یہ غلط نہ کہا تھا کہ وانگا اور اس کے وحشی ماتحتوں کو چھوڑ کر باقی اس کی بہن شیلا، کو کسی مرد کا سایہ بھی اس سے چھو جاتا تو لرز اٹھتی تھی۔

اس سے پہلے کہ میں کچھ کہہ سکتا یا کر سکتا چودا نے کی ایک سیٹی ہوئی چیخ تھا، کی گھٹی گھٹی فضا میں گونج گئی۔

جب وہ لالٹین لئے ملبے کے ڈھیر پر چڑھ کر اس کے قریب پہنچا تو دیکھا کہ چھت اور ملبے کے انبار کے درمیان ایک چھوٹا سا سوراخ پیدا ہو گیا تھا اور ہوا اس سے اندر آ رہی تھی۔ یہ بڑی امید افزا بات تھی۔ کالے کن دلیوانہ وار مٹی ہٹانے لگے ۔۔۔ میں ملبے پر سے اتر آیا اور اس دفعہ میں نے شیلا کا بازو مضبوطی سے پکڑ لیا۔

وہ پھر سہم گئی اور اپنا بازو چھڑانے کی کوشش کرنے لگی لیکن میں نے اپنی گرفت ڈھیلی نہ کی اور دوسرے ہاتھ سے اس کے گال پر ایک تھپڑ رسید کر دیا۔

" یہ کیا حماقت ہے؟ میری بات سنو گی اب؟ گھبرانے کی کوئی بات نہیں ۔۔ ہم بچ جائیں گے "

اس نے اپنا بازو چھڑانے کی کوششیں ترک کر دیں اور میری طرف خالی خالی نظروں سے دیکھنے لگی جیسے کچھ بھی سمجھنے سے قاصر ہو۔ عین اسی وقت چالاک کو بھی جوش آ گیا اور اس نے غار کے انتہائی سرے پر پتھروں اور سنگریزوں اور دھول کا ایک اور آبشار گرا دیا۔

اور شیلا میری بانہوں میں آ گئی اور مجھ سے لپٹ گئی۔

اس کے کچھ ہی دیر بعد جیرالڈ نے مجھے آواز دی۔ میں نے شیلا کو ٹپائی دیوار کے قریب آہستہ سے بٹھا دیا اور ملبے کے پھیلتے ہوئے ڈھیر پر چڑھ گیا۔

دوسرا سوراخ، جو پہلے چھوٹا سا تھا، اب کوئی ایک فٹ چوڑا ہو گیا تھا اور دوسری طرف سے روشنی اور اس کے ساتھ آوازیں بھی ہماری طرف آ رہی تھیں۔

دوسری طرف سے دان ہوزن کو اپنی طرف جھانکتے دیکھ کر مجھے کوئی حیرت نہ ہوئی۔

دونوں طرف کی یعنی ہماری اور دان ہوزن کی طرف سے بھی کوئی ایک گھنٹے کی ان تھک کوشش اور سخت مشقت کے بعد سوراخ تقریباً دس فٹ لمبا اور دو فٹ چوڑا ہو گیا۔ اب ہم لوگ باری باری سے لیکن بڑی احتیاط سے اور دب دبا کر اس سوراخ میں سے نکل سکتے تھے۔ عین اس وقت پہاڑ کراہنے سے لگا اور چھت میں لگے ہوئے تختے چٹخنے لگے۔ گویا پہاڑ کو افسوس تھا کہ ہم زندہ نکل جانے والے تھے۔

پہلے جیرالڈ دوسری طرف نکل گیا۔ اس کے سوراخ میں گھٹنے اور گزرنے کی وجہ سے راستہ قدرے صاف اور آسان ہو گیا۔ شیلا اس کے بعد سوراخ میں داخل ہوئی۔ سب کے آخر میں میں دوسری طرف پہنچا تو دیکھا کہ وہاں مارنیو اور دوسرے دو تین آدمی کھڑے ہوئے تھے جنہوں نے مجھے باہر گھسیٹ لیا۔

خادمہ دان ہوزن سینوریتا کے ساتھ آگے چلے گئے ہیں۔ مارنیو نے مجھے مطلع کیا۔ "وہ بہت زیادہ پریشان معلوم ہوتے ہیں۔"

صورت حال کے پیش نظر مارنیو کی یہ بات خوب عجیب تھی لیکن اس وقت میرا دماغ ماؤف ہو رہا تھا اور میں کھلی ہوا کے لیے مرا جا رہا تھا۔

آخر کار میں لڑکھڑاتے قدموں جب باہر پہنچا تو وہاں سب کو موجود پایا۔ نہ صرف کان کنوں کو بلکہ تاس کو بھی۔ بعد میں مجھے معلوم ہوا کہ تاس خطرے کی گھنٹی

سن کر جو سائبان میں لگی ہوئی تھی اور حادثے کے وقت بجائی جاتی تھی، آگیا تھا۔
شیلا اس کے گھٹنے پر بیٹھی ہوئی تھی، تامس کا ایک ساتھی پانی سے بھرا ہوا
ڈول لئے انکے قریب کھڑا ہوا تھا۔ تامس کپڑے کا ایک ٹکڑا ڈبو رہا اور پھر اس
سے شیلا کے چہرے پر سے دھول اور مٹی پونچھ رہا تھا۔

ڈان ہوزن ایک طرف کھڑا یہ کارروائی دیکھ رہا تھا۔ اس نے اپنی قمیص
اتار لی تھی۔ چنانچہ وہ اوپری جسم سے برہنہ تھا اور اپنے ایسے چوڑے سینے اور
ایسے گٹھے اور ابھرے ہوئے پٹھوں کی نمائش کر رہا تھا جو کسی بھی باکسر کو رشک و
رقابت میں مبتلا کر سکتے تھے۔ جو راڈو، جو اس حادثے کا باعث تھا، ایک طرف
کچھ خجل سا کھڑا ہوا تھا۔ اس کی آنکھوں سے وحشت برس رہی تھی۔

جب میں باہر پہنچا تو تامس نے سر اٹھا کر میری طرف دیکھا۔ غصے کی شدت
سے اس کا چہرہ سفید ہو رہا تھا۔

"مسٹر کورنچ!" اس نے غرا کر کہا" اب تو تمہیں معلوم ہو ہی گیا ہوگا کہ
یہ کتنی نمیت ہے۔ اور کس حالت میں ہے۔ اب تمہاری رپورٹ وغیرہ کی کوئی ضرورت
نہیں۔ تمہاری اس حماقت کی وجہ سے میری بہن کی جان چلی گئی تھی۔"

یہ بڑی عجیب بات تھی کہ اس وقت بھی اس نے زور خود اپنے مفاد پر
دیا تھا یعنی رپورٹ کی کوئی ضرورت نہ تھی، نہ کہ اس پر کہ اس کی بہن کی جان بچ گئی
تھی۔ اور دوسری دلچسپ بات یہ تھی کہ جو کچھ ہوا تھا اس کا الزام اس نے میرے
سر منسوب دیا تھا نہ کہ جو راڈو کے سر حالانکہ قصور جو راڈو کا تھا کہ تامس اسے اس
کی سزا دیتا اور اس کے ٹکڑے اڑا کر بھیڑیوں کے سامنے پھینک دیتا۔

مجھے اس پر بھی تعجب ہوا کہ شیلا نے بھی میری صفائی میں کچھ کہنے کی کوشش نہ
کی۔ اس نے آنکھیں کھول دیں اور کہا تو صرف یہ کہ :

"تامس ! مجھے گھر پہنچا دو"

جواب میں تامس کچھ بڑبڑایا جو کسی اور کے نہیں صرف شیلا کے کانوں کے لئے تھا۔ اس نے اپنی بہن کے ماتھے پر بوسہ دیا' اسے اٹھا کر اپنے گھوڑے تک لے گیا' اسے گھوڑے پر بٹھا دیا' خود اس کے پیچھے بیٹھا اور اپنے آدمیوں کو لے کر روانہ ہو گیا۔

جب تامس اور اس کے ساتھی چلے گئے تو اس خاموشی کو جو تامس نے توڑا اور بڑی مثالی بات کہی اس نے "خدا کی قسم کو خ! تم کیسی بھی خطرناک صورت حال ہو' بہرحال حیرت انگیز طور پر بچ جاتے ہو"۔

"سچ کہتے ہو۔ میں سچ مچ موت کے منہ میں سے نکل کر آیا ہوں۔ میں نے مسکرا کر جواب دیا۔ میری یہ مسکراہٹ بے اختیاری نہ تھی" کادر! اس سوراخ میں جڑا ہوا چہرہ تمہارا' بڑا حسین معلوم ہوتا تھا"۔

میں قریبی ناند کے قریب پہنچا' اپنا سر دھویا' اپنے شانوں پر پانی ڈالا اور وہیں دھوپ میں بیٹھ گیا۔

"شکر ہے کہ میں زندہ ہوں" میں نے سوچا۔ "زندگی بڑی چیز ہے اور صرف ایک دفعہ ملتی ہے"۔

مازیو کان گنوں کو شمار کر رہا تھا۔ چند ثانیوں بعد وہ میرے سامنے آ کھڑا ہوا "سینور! ہمارا ایک آدمی کم ہے" اس نے کہا۔

میں تھکے ہوئے انداز میں اٹھ کھڑا ہوا اور دوان ہوزن' جو ناند میں جھکا ہاتھ دھو رہا تھا' ایک دم سے مازیو کی طرف گھوم گیا۔

"یقین سے کہتے ہو؟"

"ہاں سینور جوز جارڈونا۔ پیچھے ہی رہ گیا ہے"۔

جوراڈو، جو سائبان کی دیوار سے ٹیک لگائے بیٹھا ہوا تھا، اٹھ کر ہمارے قریب آیا اور بولا:۔

"اب تک وہ مر چکا ہوگا"

"یہ یقین سے نہیں کہا جا سکتا" میں نے کہا "ہمیں کوان میں کچھ جانا ہے۔ یہ ضروری ہے۔"

"یہ حماقت ہے" جوراڈو نے کہا "ہم کتنی دیر تک غار میں رہے تھے؟ کم سے کم ایک گھنٹہ۔ اس عرصے میں کسی نے بچاؤ کے لئے پکارتے سنا ہے؟"

اور وہ سیموڈا کی طرف جو پاس کھڑے ہوئے تھے، اُن کی طرف گھوم گیا۔ کسی نے اس کا جواب نہ دیا۔ بلکہ سر تک نہ ہلایا۔ وہ پھر میری طرف گھوم گیا۔

"وہ ملبے تلے دفن ہو چکا ہوگا"

میں نے ماریو سے کہا:۔

"تم چلو گے میرے ساتھ؟"

ماریو کے چہرے سے انتہائی خوف کے آثار ظاہر ہونے۔ وہ حقیقت میں خوفزدہ تھا اور یہ ظاہر ہے کہ وہ جوان اور جوشیلا بھی نہ تھا۔ تاہم وہ بے ڈھنگے پن سے میرے سامنے جھک کر بولا:۔

"جو حکم ڈسینور۔ لیکن ہم کسی اور کو ساتھ نہ لیں گے۔ کیونکہ کچھ کہا نہیں جا سکتا کہ نیچے کیا ہو۔"

یہ بڑا ہی حوصلہ شکن خیال تھا، تاہم ماریو کا مشورہ مناسب تھا۔ ہم دونوں کان کی طرف بڑھتے تو جوراڈو نے لپک کر میرا بازو پکڑ لیا۔

"حماقت نہ کرو" اس نے کہا "پہاڑ اب بھی دھنس رہا ہے۔"

لیکن اسے مجھ سے زیادہ اپنی جان کی فکر تھی۔ چنانچہ جب میں اپنا بازو چھڑا کر

مارنیو کے پیچھے چل دیا تو جوراڈ وجہاں تھا وہیں کھڑا رہا۔ جیسے ہی مارنیو کے قریب پہنچا ہوں، تو اس نے دوسری لالٹینیں جلالی تھیں۔ ایک لالٹین اس نے مجھے دے دی۔ دوسری اس نے اپنے ہاتھ میں لٹکالی۔

اور جب ہم سرنگ میں اس جگہ پہنچے ہیں جہاں دوشاخہ تھا تو وان ھوزن بھی ہم سے آملا۔

ملبے اور چھت کے درمیانی سوراخ میں گھس کر رینگنا بڑا ہی تکلیف دہ ثابت ہوا کیونکہ اب چھت کچھ زیادہ ہی نیچے دب آئی تھی۔ چنانچہ کئی دفعہ میری پیٹھ پر گھستے لگ گئے اور میں اپنی پیٹھ پر سخت سوزش محسوس کرنے لگا لیکن میں نے اس کی پروا نہ کی۔ اور پھر صورت حال بھی حوصلہ شکن تھی کیونکہ ملبے کی دوسری طرف سے، یعنی غار میں سے، پتھروں کے گرنے کی مسلسل آوازیں آرہی تھیں۔

میں غار میں پہنچا تو دیکھا کہ وہاں کی حالت پہلے سے زیادہ بگڑ گئی تھی۔ صاف ظاہر تھا کہ یہاں سے ہمارے نکلنے کے بعد کئی دفعہ پتھر گرے تھے اور ابھی ابھی پتھروں، سنگریزوں اور دھول کا تازہ آبشار گرا تھا۔ نتیجہ یہ ہوا تھا کہ نصف کے قریب غار میٹ گیا تھا، چھت کے تختے اور اس کی ٹیکنیں دیا سلائی کی تیلیوں کی طرح ٹوٹ گئی تھیں

اس غار میں گھسنا خطرناک اور اس میں رینگنا اس سے بھی زیادہ خطرناک تھا۔ لیکن اس کے بغیر چارہ بھی نہ تھا کیونکہ ہم کسی کو کراہتے سن رہے تھے۔ صاف ظاہر تھا کہ کراہنے والا سخت تکلیف میں مبتلا تھا۔

یہ آواز غار کے انتہائی سرے کی طرف سے آرہی تھی۔ جہاں پہلی دفعہ پہاڑ دھنس گیا تھا۔

اور وہاں جوز ایک ٹن یا اس سے زیادہ پتھروں کے نیچے دبا پڑا تھا۔ وہ پورا کا پورا پتھروں کے اس انبار میں دفن تھا۔ صرف اس کا ایک بازو اور سر باہر تھا۔ اس کے چہرے پر پسینے اور دھول کی موٹی اور چکنی تہ چڑھی ہوئی تھی۔ میرا خیال ہے اور یقیناً غلط نہیں ہے، کہ جب یہ ملبہ اس پر آ پڑا تو وہ بے ہوش ہو گیا اور جب تک ہم غار میں رہے وہ بیہوش ہی رہا۔ جوز اڈونے یہ کہا تھا کہ پہاڑ دھنسنے کے بعد ہم ایک گھنٹے تک غار میں رہے تھے اور ہم نے کسی کو پکارتے یا چیختے نہ سنا تھا تو اس کی وجہ یہی تھی۔ یعنی جوز بیہوش ہو گیا تھا۔

مارنیو بڑی احتیاط سے اور آہستہ آہستہ جوز پر سے پتھر اور ملبہ ہٹانے لگا کیونکہ ذرا سی بد احتیاطی اور ذرا سی غلطی خود ہمیں زندہ دفن کر سکتی تھی۔

چند ثانیوں بعد مارنیو نے سر گھما کر میری طرف دیکھا اور نفی میں سر ہلایا۔ جوز مر رہا تھا۔ اس کے بچنے کی کوئی امید نہ تھی۔ یہ بات معجزے سے کم نہ تھی کہ وہ اب تک زندہ تھا۔ اس کی ہڈیاں چورا ہو گئی تھیں۔

اس نے اپنی آنکھیں کھول دیں اور پھر ایک حیرت انگیز بات ہوئی۔ اس کے ہونٹ ہلے اور اس نے بے حد صاف اور ٹھہری ہوئی آواز میں پوچھا۔

"یہ تم ہو نادر؟"

دان جوزن ایک دم سے میرے قریب آ گیا۔ اس نے ایک بار پھر اپنی قمیص اتار دی تھی اور اس کا چہرہ دھول میں اٹا ہوا تھا۔ اس نے اپنی آنکھوں پر اپنے ہاتھ کی پشت یوں پھیری جیسے انھیں صاف کر رہا ہو اور پھر وہ جوز کی طرف بڑھا۔

"میں نے تم کو وہاں دیکھا تھا" گرجا میں" جوز نے کہا" وہاں۔ وہاں سے آگ لگ گئی تھی۔"

اس نے اپنی آنکھیں بند کر لیں، تکلیف محسوس کر کے کانپ گیا۔ پھر آنکھیں کھولیں اور مردہ آواز میں کہا:۔

"میں مر رہا ہوں نادر میں نے بہت برے کام کئے ہیں۔ اور اب میں ہار جا رہا ہوں جہاں پتہ نہیں کیا ہے"۔

دفعتہ ایک گڑگڑاہٹ کی آواز سنائی دی جیسے کہیں دور بادل گرج رہے ہوں۔ میں نے اپنے دونوں ہاتھ اوپر اٹھا کر خطا ماہی تھا کہ اوپر سے پتھر اور کنکر برس پڑے۔

جوزف کے ہونٹوں پر خون تھا۔ اس نے خون تھوک کر بے حد کمزور آواز میں کہا:۔

"نادر! مجھے چھوڑ کر نہ جاؤ"۔

وان ہوزن نے جوزف کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے لیا۔ ایک تڑاخے کے ساتھ چھت کا تختہ پھٹ گیا اور غار کے انتہائی سرے پر کی چھت بیٹھ گئی۔ وان ہوزن نے سر گھما کر ہماری طرف دیکھا اور کہا:۔

"تم دونوں کا یہاں ٹھہرنا مناسب نہیں۔ تم جاؤ"۔

مادنیو غریب کے چہرے پر تو ہوائیاں چھوٹ رہی تھیں جیسے اسے یقین ہو کہ کوئی دم میں اپنے پیدا کرنے والے کے پاس لوٹ جانے والا ہے۔ اس کے باوجود کوئی اندرونی لہر یا غدا جانے جذبہ اسے وہاں سے ہٹنے کی اجازت نہ دے رہا تھا۔

"مسٹر نور! جوزف میرا بھتیجہ ہے" اس نے کہا۔ "چنانچہ ایسے وقت میں میرا اس کے قریب رہنا ضروری ہے"۔

میں نے لالٹین اٹھا کر کہا:۔

"اندھیرے کے خلاف تھوڑی سی روشنی نادر۔ آپ اپنا کام کیجئے"۔

وان ہوزن نے مزید بحث مباحثے میں وقت ضائع کرنا مناسب نہ سمجھا۔ وہ جوز پر جھک گیا اور بے حد ٹھہری ہوئی اور پرسکون اور گمبھیر آواز میں کہا:۔

"جوز! اپنے گناہوں سے توبہ کرو، معافی طلب کرو اور کہو میرے ساتھ ساتھ ۔ اے آسمانوں اور زمینوں کے خداوند! اے بخشنے والے رحم خدا ۔۔۔"

جوز، جس کے حلق میں خود اسی کا خون پھندے ڈال رہا تھا، آہستہ آہستہ رک رک کر، کراہ کراہ کر وان ہوزن کے کہے ہوئے الفاظ دہراتا رہا۔ وان ہوزن اس سے توبہ کرواتا اور اس کے گناہ بخشواتا رہا یہاں تک کہ وہ آخری رسم ادا کرنے لگا، اور اب، پہاڑ نے گڑگڑانا ترک کر دیا۔ اور وہاں خاموشی چھا گئی۔

جوز نے آخری دفعہ خون کی کلی کرکے آنکھیں بند کر لیں۔ مارنیو نے اپنے سینے پر صلیب کا نشان بنایا اور الٹے قدموں غار سے باہر نکلتے ہوئے کہا:۔

"جوز! جاؤ ۔۔۔ خدا تم پر اپنی رحمتیں نازل کرے"

میں نے وان ہوزن کے شانے پر ہاتھ رکھ کر اسے آہستہ سے ہلایا لیکن وہ اپنی جگہ سے نہ ہلا۔ وہ بدستور جوز پر جھکا رہا اور اس گہری خاموشی میں میں نے جوز کی کمزور اور اکھڑتی ہوئی سانسوں کی آواز سنی۔ جوز ابھی زندہ تھا مٹی جھڑنے لگی۔ جوز کو اس سے محفوظ رکھنے کے لئے وان ہوزن اس پر جھک گیا اور آخری دعا پڑھنے لگا:۔

"اے پاک عیسائی روح! جا۔۔۔ اس دنیائے آب و گل سے رخصت ہو جا۔ خدا باپ کے نام پر، یسوع مسیح کے نام پر اور روح القدس کے نام پر ......"

ایک زبردست آواز کے ساتھ، اور ایسی آواز میں نے نہ تو سنی تھی اور نہ آئندہ کبھی سننے کی امید ہے، پہاڑ لرز کر ہمارے سروں پر دھنس آیا۔ سرنگ کے دہانے میں سے مارینو کی آواز سنائی دی۔ وہ ہمیں پکار رہا

تھا۔ میں نے وان ہوزن کے بال پکڑے اور اپنی پوری قوت سے اسے پیچھے گھسیٹ لیا۔ جونز جو شاید ہمیشہ ہمیشہ کے لئے دفن ہو گیا اور میں خوفزدہ جانور کی طرح سرنگ کی طرف بھاگا۔

ایک پتھر لالٹین کے لگا۔ لالٹین کے ٹکڑے اڑ گئے۔ میں نے لالٹین پھینک دی اور اندھیرے میں نوکدار اور کھردرے پتھروں کے ڈھیر میں چڑھ گیا اور دوسری طرف مارنیو لالٹین لئے کھڑا تھا۔ اس نے اپنا ایک ہاتھ آگے بڑھا دیا اور وہ میں نے تھام لیا۔

میں سرنگ میں گھٹنوں کے بل گرا لیکن پھر فوراً ہی اٹھ کھڑا ہوا اور غار کی طرف گھوم گیا۔ اور جب اندھیرے میں سے پہلے وان ہوزن کا سر اور پھر شانے طلوع ہوئے تو مجھے یقین نہ آیا کہ وہ زندہ ہے۔ لیکن یہ حیرت کرنے یا کچھ بھی سوچنے کا وقت نہ تھا۔ وان ہوزن کا ایک ہاتھ میں نے اور دوسرا مارنیو نے پکڑا اور ہم دونوں نے مل کر اسے اس طرف گھسیٹ لیا۔ پہاڑ ہمارے سروں پر گرج کر لرزنے لگا اور ہم اپنی جانیں لے کر بھاگے۔

کسی کو یقین نہ تھا کہ ہم زندہ نکل آئیں گے لیکن جب ہم تینوں دھول اور مٹی کے بل کھاتے ہوئے کان کے دہانے میں سے موج در موج بادلوں میں سے بھوتوں کی طرح بھاگ کر باہر آئے تو وہاں کھڑے لوگ حیرت و تعجب سے چیخ اٹھے اور انھوں نے دوڑ کر ہمیں اپنے حلقے میں لے لیا۔

میں لوگوں کو دائیں بائیں ڈھکیلتا اور راستہ بناتا نالہ کے قریب پہونچا اور گھٹنوں کے بل گر کر اپنا سر پانی میں ڈبو دیا۔ پھر وہیں چت لیٹ کر میں نے آنکھیں

بند کر لیں اور لمبے لمبے سانس لینے لگا۔

جب میں نے دوبارہ آنکھیں کھولیں، تو جوناس میرے سرہانے کھڑا ہوا تھا۔

"خدا کی قسم جناب یہ اچھا ہے" اس نے کہا "میں تو پتہ آپ کو اس اجنبی دنیا میں گیا سمجھنے لگا تھا"

"یہ باتیں تمہیں دان ہوزن سے کہنی چاہئیں" میں نے اسے مطلع کیا۔ "مجھ سے پوچھتے ہو تو میں کہوں گا کہ وہ بہرحال مرنا چاہتا ہے یا مرنے سے نہیں ڈرتا یا پھر زندگی سے اس کی طبیعت سیر ہو گئی ہے۔"

اس نے مجھ سے پوچھا کہ کیا ہوا تھا اور میں نے اسے مختصراً سب کچھ بتا دیا اور جب میں خاموش ہوا تو اس کے ابرو پر بل پڑ گئے اور یہ غیر معمولی بات تھی۔

"تو ایک بار پھر وہ اپنا پارٹ سنجیدگی سے ادا کر رہا ہے؟" اس نے کہا۔

"ہاں جب موڈ میں آتا ہے۔"

"اور تم؟"

میں پریشان ہو گیا۔

"اور تم نے کیا کیا کوئن؟ تم بھی کچھ دیوانے ہو گئے ہو۔ اگر تم مر گئے ہوتے میرے دوست تو کس غرض سے؟ کس کی خاطر؟"

یہ اس نے غلط نہ کہا تھا۔ واقعی میں نے کیوں اپنی جان کو خطرے میں ڈالا تھا؟ میں اٹھ کر بیٹھ گیا۔ دان ہوزن ہماری طرف آ رہا تھا۔ لوگ ادھر ادھر سمٹ کر اسے راستہ دے رہے تھے اور میں نے دیکھا کہ اکثر لوگ اپنے سینے پر صلیب کا نشان بنا رہے تھے۔

دان ہوزن نے اپنے سر پر پانی ڈالا اور میری طرف دیکھ کر مسکرایا۔ "بکورغ" اس نے کہا "سچ مچ ہمارا آخری وقت آ گیا تھا۔"

لیکن اس کی یہ مسکراہٹ سطحی تھی جس کے نیچے سے ایک نئی سنجیدگی جھانک رہی تھی۔ اس نے اپنی قمیص کے لئے ہاتھ بڑھایا اور مارنیو آگے بڑھا۔ لوگوں کی بھیڑ اس کے پیچھے تھی۔ میں نے دیکھا کہ جو راڈو وہ دور منڈلا رہا تھا یقیناً وہ منتظر تھا کہ دیکھیں اب کیا ہوتا ہے۔ فی الحال میں نے اس کی طرف متوجہ ہونا مناسب نہ سمجھا۔ اس وقت مجھے صرف اپنے آپ سے دلچسپی تھی۔ دوسرے باتیں ثانوی حیثیت رکھتی تھیں۔

مارنیو نے کہا:۔ فادر! میرے بھتیجے کی موت آسان کرنے کے لئے آپ نے جو کچھ کیا ہے ۔۔۔ وہ ۔۔۔ وہ ۔۔۔ حیرت انگیز تھا۔ ہم سب آپ کے مشکور ہیں۔ اگر ہم آپ کے کسی کام آسکیں تو۔۔۔

وان ہوزن خاموش کھڑا ان سب کی طرف دیکھتا رہا۔ اس کے ایک ہاتھ میں قمیص لٹک رہی تھی اور اس کے بالوں سے پانی کے قطرے ٹپک رہے تھے۔ میں اس کا چہرہ نہ دیکھ سکتا تھا لیکن مجھے اتنا ضرور احساس تھا کہ اس میں ایک عجیب طرح کی استقامت آگئی تھی۔

اس نے بے حد متانت اور ٹھہری ہوئی آواز میں کہا:۔

"ایک شخص کی موت کا ماتم کرنا جب کہ اتنے بہت سے زندہ بچ گئے ہیں خدا کی ناشکری کرنا ہے۔ آج سہ پہر کے ڈھائی بجے میں گرجا میں شکریہ کی دعائیں پڑھوں گا۔ چنانچہ جو لوگ حقیقتاً میرے اور خدا کے مشکور ہیں وہ امید ہے کہ دعا میں شریک ہوں گے۔"

وان ہوزن کے اس اعلان نے جوناس پر بھی خوف طاری کر دیا۔ رہا مارنیو اور اس کے ساتھی تو ان کے لئے صرف اتنا کہہ دینا کافی سمجھتا ہوں کہ ایسے سراسیمہ لوگ میں نے پہلے کبھی نہ دیکھے تھے۔

جو رائڈ دا اپنے گھوڑے پر سوار ہو کر اپنے آقا کو یہ خبر سنانے بھاگا جا رہا تھا۔

دسواں باب

اس نے صورت حال پر غور کرنے کا ہمیں موقع ہی نہ دیا۔ بلکہ اعلان کیا کہ وہ واپس ما جھنڈا جا رہا ہے اور پندرہ بیس کان کنوں کے ساتھ، جن میں مارینو بھی شامل تھا اور جن کے پاس گھوڑے تھے، روانہ ہو گیا۔ بقیہ لوگ اس چھکڑے میں بیٹھ کر چل دیئے جس میں چار خچر جتے ہوئے تھے۔

جوناس اور میں اس گاڑی میں روانہ ہوئے جس میں جوناس یہاں تک آیا تھا۔ جو کچھ ہوا تھا اور حالات نے جو موڑ لیا تھا جوناس اس سے خوش نہ تھا۔

"وہاں کان میں کہیں اس کے سر پر چوٹ وغیرہ تو نہیں آگئی؟" اس نے پوچھا۔

"ایک دفعہ نہیں بلکہ کئی دفعہ" میں نے جواب دیا۔

"میرا بھی یہی خیال تھا۔ اس کا دماغ الٹ گیا ہے۔ ایسے پاگل پن کی اس کے علاوہ اور کوئی وجہ ہو ہی نہیں سکتی۔ تم جانو کورخ! اس نے جوناس کی تو تو کو للکارا ہے اور وہ یعنی جوناس دان ہوزن کو اس سرخودی کی سزا ضرور دے گا چنانچہ انجام کی ابتدا ہے نہ کم سے کم دان ہوزن کے لئے"

"میرے خیال میں دان ہوزن یہی چاہتا ہے"

"کیا؟"

"دو بدو مقابلہ"

"اس صورت میں ہمارا مقصد اسی طرح پورا ہو سکتا ہے اگر جوناس اکیلا آئے

لیکن صورت حال کے پیش نظر میں یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ وہ اکیلا نہ آئے گا۔ دعا کے وقت اگر وہ گرجا میں آیا تو اس کے ساتھ کم سے کم بارہ آدمی ہوں گے۔"

"وان ہوزن نے کوئی ترکیب یقیناً سوچ لی ہوگی" میں نے کہا۔ "وہ اتنا بیوقوف تو نہیں ہے کہ تم اس کو اسے پھانسی پر لٹکا دینے کا بہانہ مہیا کر دے؟"

"ایک دوسری بات بھی ہو سکتی ہے۔"

"کیا؟"

"ہو سکتا ہے کہ وان ہوزن پادری کا پارٹ ادا نہ کر رہا ہو بلکہ سچ مچ پادری بن گیا ہو۔"

یہ بے حد پریشان کن خیال تھا جسے میں نے جھٹک دینے کی کوشش کی۔

"یہ ناممکن ہے۔"

"تو پھر آج صبح جو کچھ ہوا ہے اس کی وجہ اگر بتا سکتے ہو تو کر دو۔ وہ تمہارے اور مارینو کے ساتھ کان میں گیا اور وہاں اس کاؤکن کے ساتھ جو ب گیا تھا، اس وقت تک رہا جب تک وہ مر نہ گیا۔ تمہارے بیان کے مطابق اس نے اس کاؤکن پر آخری دعائیں پڑھیں، آخری رسومات ادا کئے اور وہ اس دنیا سے خوش اور مطمئن رخصت ہو گیا۔ اب سوال یہ ہے کہ اس نے ایسا کیوں کیا؟ کیونکہ بے وجہ اپنی جان کو خطرے میں ڈالا؟"

درحقیقت مجھے یاد آیا کہ وہاں کان میں گھڑی بھر کے لئے خود میں نے بھی وان ہوزن کو بنا ہوا نہیں بلکہ سچ مچ کا پادری تسلیم کر لیا تھا۔ میری یہ بات کتنی ہی احمقانہ کیوں معلوم نہ ہو لیکن یہ بہر حال حقیقت ہے۔

میں نے تنکے کا سہارا لیتے ہوئے کہا:۔

"بھئی یہ تو میں نہیں جانتا لیکن جہاں تک کان میں جانے کا سوال ہے میں خود بھی تو گیا تھا۔"

"یہ کوئی جواب نہیں ہے۔" جوناس مسکرایا۔ "دیکھو یار تم ٹھہرے آئرستانی اور تاریخ گواہ ہے کہ کبھی کسی آئرستانی نے کوئی منطقی کام نہیں کیا خواہ حالات کیسے ہی کیوں نہ ہوں آئرستانی سوچ بچار سے کام نہیں لیتے۔"

چنانچہ یہاں ہماری یہ بحث ختم ہو گئی۔ اس عرصے میں ہم ڈی بلیٹیا کے گھر تک پہنچ گئے تھے لیکن وہاں "نامس" کے دو چار آدمی کھڑے ہوئے تھے جنہوں نے ہمیں اندر جانے نہ دیا البتہ ہمیں کار میں سوار ہو کر بستی کی طرف جانے کی اجازت دے دی۔

جوناس پچھلی نشست پہ بیٹھا اونگھ رہا تھا اور میں کار ڈرائیو کر رہا تھا اور دوران ڈرائیو اس کے طرز عمل پر غور کر رہا بلکہ اسے سمجھنے کی کوشش کر رہا تھا۔ وہ خونی اور چور تھا۔ وہ ناشو کی سرائے میں مجھے پکڑانے کے لئے نقب۔ اگھس آیا تھا — اس وقت تو نہیں لیکن اب میں یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ ناشو کی سرائے میں اس نے قصداً میرے کپڑے میں پاؤں اڑایا تھا۔ جس نے مجھے موت سے بے خوف رہنا بلکہ اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر گھورنا سکھایا تھا اور پھر یہ وہی دان ہوزن تھا جس نے گرتی اور بند ہوتی ہوئی کان میں ایک مرتے ہوئے آدمی کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر آخری اور مرنے والے کی مغفرت کی دعائیں پڑھی تھیں اور اسے مطمئن اس دنیا سے رخصت کیا تھا۔ میرے خیال میں اس کی یہ دعائیں بے اثر تھیں تاہم یہ سب کچھ اس نے بڑی سنجیدگی سے کیا تھا۔ اور اس شخص کو، جو دو شخصیتوں کا مالک تھا۔ سمجھنے سے میں قاصر تھا۔

ہوٹل میں نیچے تو نقشہ ہی بدلا ہوا تھا۔ ایک یقینی اور حیرت انگیز تبدیلی

ہو گئی تھی۔ جہاں ہماری پہلے کوئی حیثیت نہ تھی وہاں اب حیثیت بن گئی تھی۔

جب ہم بار میں پہنچے ہیں تو مارنیو کو باقاعدہ کاؤنٹر کے پیچھے موجود پایا۔ وہ یقیناً نہا دھو چکا تھا کیونکہ اس کے چہرے اور ہاتھوں پر کان کی دھول مٹی کے نام کا کوئی داغ تک نہ تھا اور اس نے صاف اور سفید قمیص پہن رکھی اور کالی ٹائی باندھ رکھی تھی

اس نے خاص الخاص اسکاچ کی بوتل اور تین گلاس نکال کر کاؤنٹر پر رکھ دیے اور بڑے اخلاق سے کہا :۔

"اگر آپ حضرات میرے ساتھ پینا پسند فرمائیں تو یہ میری عزت افزائی ہو گی۔"

"یہ تو بلکہ ذرہ نوازی ہے تمہاری" ٹامس نے کہا اور ہم کاؤنٹر پر پہنچے۔

مارنیو نے جام بھر کر اپنا جام سلام کے طور پر اٹھایا اور کہا :۔

"سینور لورنج ! آپ نے میرے بھتیجے کے لئے جو کچھ کیا ہے اس کے لئے میں آپ کا مشکور ہوں۔ اپنی اور اپنے پورے خاندان کی طرف سے میں آپ کا شکریہ ادا کرتا ہوں ! "

مارنیو نے کہا :۔

"وہ فادر دان ہوزن بسینور ۔۔۔۔ میرا مطلب ہے آپ کے خیال میں وہ جو کچھ کر رہے ہیں مناسب کر رہے ہیں ؟"

"میں تو صرف اتنا جانتا ہوں کہ ٹامس ڈی لاپلیٹا نے انھیں کسی بھی قسم کی مذہبی رسومات ادا کرنے سے منع کر دیا ہے" میں نے کہا

"اور یہ پھر ہمارا معاملہ بھی نہیں ہے۔ فادر جانیں اور ان کا کام ۔"

"تمہارے خیال میں کوئی ہنگامہ ؟" میں نے مارنیو سے پوچھا۔

"اگر فادر نے وہ مغفرت کی دعا کی نماز پڑھائی سینور تو ڈان ٹامس انھیں

یقیناً مار دیں گے اور ہر اس شخص کو بھی مار دیں گے جو اس نماز میں شریک ہوگا۔ جب ہم کان سے روانہ ہو کر یہاں آ رہے تھے تو راستے میں میں نے فادر کو یہ بات سمجھانے کی کوشش کی تھی لیکن انھوں نے کچھ بھی سننے سے انکار کر دیا تھا۔

"تمھاری بات سننے سے انکار کر دیا تھا لیکن شاید ہماری بات سن لیں گے۔" جوناس نے جام خالی کر کے میری طرف دیکھا۔ "کوخ! یار ہم اس خبطی پادری کو بلا وجہ پھانسی پر چڑھنے نہ دیں گے۔"

"ٹھیک ہے۔ ہم اپنی سی کوشش کر دیکھیں گے۔" میں نے جوناس کا مطلب سمجھ کر سر ہلایا۔

"مارنیو! تم فکر نہ کرو۔" جوناس نے بشاشت سے کہا۔ "ہم فادر کو سمجھائیں گے۔" مارنیو مارے تشکر کے جھک جھک گیا اور ہمیں باہر تک نہ صرف پہنچانے آیا بلکہ کار کا پچھلا دروازہ کھول کر اور جوناس کو سہارا دے کر اس میں سوار بھی کرا دیا۔ میں سمجھتا ہوں کہ چونکہ ماجوڈا کا میئر تھا اس لئے نہیں چاہتا تھا کہ اس کے علاقے اور اس کے دور میں کچھ گڑبڑ ہو اور دوسری طرف یہ بات بھی تھی کہ وان ہوزن کا تیر ٹھیک نشانے پر بیٹھا تھا اور اس نے مارنیو کے دل میں اپنی جگہ بنا لی تھی اور اس میں کسی شک و شبہ کی گنجائش نہ تھی۔

ہم گاؤں عبور کر کے گرجا کے سامنے پہنچے۔ وان ہوزن کا کہیں پتہ نہ تھا۔ ٹیکنو جب میں نے کار روکی تو گھوڑوں کی ٹاپوں کی آواز سنائی دی۔ میں نے گھوم کر دیکھا۔ وکٹوریہ اپنے گھوڑے کی باگیں کھینچ رہی تھی۔ ناشیا اس کے پیچھے تھا۔ وہ گھوڑے سے اتر کر میری طرف دوڑی۔ اس کے بشرے سے تشویش عیاں تھی۔ وہ ہاتھ بڑھا کر اور میرے جسم کو یہاں وہاں سے چھو کر دیکھنے لگی کہ میری کوئی ہڈی وغیرہ تو نہ ٹوٹی تھی۔

"وہاں کان میں جو حادثہ ہوا تھا اس کے متعلق سُن لیا ہے تم نے؟" میں نے ناشیتا سے پوچھا۔

"سینور! میں بستی پر سے سودا خریدنے آیا تھا۔ وہاں لوگ اس حادثے کے متعلق باتیں کر رہے تھے"

میں نے وکٹوریہ کے ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے لئے۔

"وکٹوریہ!! اس وقت مجھے پادری سے ملنا ہے۔ تم جاؤ اس وقت۔ میں پڑاؤ میں آکر تم سے ملاقات کروں گا"

اس کے ابرو پر بل گئے۔ وہ یا تو جانا نہ چاہتی تھی یا سمجھ رہی تھی کہ میں اسے ٹال رہا ہوں۔ چنانچہ ناشیتا کی موجودگی کا خیال نہ کرتے ہوئے میں نے اس کے ہونٹ چوم لئے اور کہا۔

"اب جاؤ ورنہ میں تمہارے ہی گھوڑے سے باندھ دوں گا"

وہ مسکرائی اور کائنات مسکرا اٹھی۔ اچک کر گھوڑے پر سوار ہو گئی اور اسے موڑ کر یوں بھگا دیا کہ راستے میں کھڑا ہوا ناشیتا اس کی لپیٹ میں آنے سے بچنے کی کوشش میں گرتے گرتے بچا۔ اور جب وہ سنبھل کر وکٹوریہ کے پیچھے روانہ ہوا تو وہ کئی گز آگے تھی۔

"بکم سے کم وہ تمہارا کہا تو کرتی ہے" جوناس نے کہا۔

"ہاں۔ کبھی کبھی"

میں نے سہارا دے کر جوناس کو کار سے باہر نکالا اور جب ہم گرجا کی طرف گھومے تو اس کے دالان میں ہوزن کھڑا ہوا تھا۔ اس نے چغہ کالر اور چگوشیا ٹوپی پہن رکھی تھی۔ یہ ٹوپی یقیناً مرحوم پادری کے صندوق میں سے نکالی گئی تھی۔

حیران ہوں کہ یہ معاملہ کب تک چلے گا" میں نے کہا۔

وان ہوزن کچھ کہے بغیر کار کے قریب آیا، اس کے پچھلے حصے میں گھس کر سیٹ اٹھائی اس کے نیچے مخمل کا ایک ٹکڑا بچھا ہوا تھا۔ اس نے یہ ٹکڑا بھی اٹھا کر الگ رکھا۔ اس کے نیچے ٹین کی چادر تھی معلوم ہوا کہ یہ نقلی فرش تھا کیونکہ اس نے اس چادر کی کسی خاص جگہ میں، جس سے صرف وہ واقف تھا، انگلیاں ڈال کر ٹین کی یہ چادر یا نقلی فرش بھی اٹھا لیا اس کے نیچے ایک چور خانہ تھا جس میں ٹین کا ایک بکس رکھا ہوا تھا۔ اسے خاکی رنگ سے رنگا گیا تھا اور اس پر یو ایس اے آرمی آرڈیننس" کی کالے رنگ کی چھاپ تھی۔

اس نے دونوں ہاتھوں سے یہ بکس اٹھا لیا۔

"اب اندر چلو" اس نے کہا اور جوناس کی طرف دیکھ کر اضافہ کیا اور دیکھو اپنا سگار پھینکنا نہ بھولنا"۔

جوناس نے اپنا سگار بادل ناخواستہ پھینک دیا اور ایک آہ بھر کر پوچھا:۔

"تم یار صد سے تنہا دور کر رہے ہو"

وان ہوزن نے کوئی جواب نہ دیا۔ ہم گرجا میں پہنچے۔ دیواروں پر کی فحش تصویریں مٹا دی گئی تھیں۔ حالانکہ وان ہوزن کو اب تک ان پر چونا پھیرنے کا وقت نہ ملا تھا۔ دھول اور غلاظت کی بو، جو ابھی کل تک موجود تھی، آج غائب تھی قربان گاہ پر صلیب نصب تھی، اس کے دونوں طرف موم بتیاں جل رہی تھیں اور یہاں خاموشی اور سکون تھا۔

یہ عمارت ایک بار پھر گرجا بن چکی تھی۔

وان ہوزن نے بکس بنچ پر رکھ کر اس کا ڈھکن کھولا۔

جوناس نے کہا: "میں اور کونرخ یہ معلوم کرنا چاہتے ہیں کہ تم کون سا کھیل کھیل

رہے ہو؟ تم جانو یہ تمہارے اکیلے کا معاملہ نہیں ہے بلکہ ہم دونوں بھی اس میں پھنسے ہوئے ہیں لیکن اب تک تم نے ہمیں گویا اندھیرے میں ہی رکھا ہے۔ ہمارے تو فرشتوں کو بھی خبر نہیں کہ تم کیا منصوبے گھڑ رہے ہو"

ڈان ہوزن نے سوالیہ نظروں سے میری طرف دیکھا۔

"تم نے مغفرت کی دعا کرنے کا اعلان تو کر دیا ہے لیکن کوئی آئے گا نہیں۔ مرد، جنت میں جائے یا جہنم میں اس کی انھیں پروا نہیں ہے......" میں نے کہا۔

"لیکن تامس ہی لا پنتھیا آئے گا" ڈان ہوزن نے کہا۔ "اور یہی ہم چاہتے ہیں وہ میری ناکامی پر خوش ہوتے اور اگر ممکن ہوا تو میرا خاتمہ کرنے آئے گا۔"

"لیکن وہ اکیلا نہ آئے گا، یہ بھی سوچ لو" جوناس نے بڑے یقین سے کہا۔

ڈان ہوزن نے کہا "دو دن، بس اتنی مہلت دی ہے اس نے۔ آج صبح کی مضحکہ خیز ناکامی کے بعد وہ ہم پر مزید دباؤ کیوں ڈالنے لگا۔ کم سے کم اب وہ ہمیں پریشان نہ کرے گا۔ چنانچہ اب جو کچھ ہوگا۔ ہمارے منصوبے کے تحت ہوگا اور ہماری طرف سے ہوگا۔"

"لیکن وہ جہاں بھی جاتا ہے اپنے کم سے کم بارہ ساتھیوں کو ساتھ لے کر جاتا ہے" میں نے اسے یاد دلایا۔

ڈان ہوزن اٹھ کر گرجا کے انتہائی سرے پر پہنچا اور ممبر پر چڑھ گیا۔ وہ ہماری طرف منہ کر کے اور چوبی ڈیسک پر دونوں ہاتھ رکھ کر کھڑا ہو گیا۔ میں نے دیکھا کہ ڈیسک پر بائیبل رکھی ہوئی تھی۔

"جب تامس اور اس کے ساتھی گرجا میں آئیں گے تو مجھے یہیں اور اسی طرح کھڑا پائیں گے اور پھر ان میں سے کسی ایک کو پتہ بھی نہ چلے گا کہ کیا چیز انھیں لگی" ڈان ہوزن

نے کہا۔

دفعتہ اس کے ہاتھ ڈیسک پر سے اٹھ کر اس کے نیچے غائب ہو گئے اور جب وہ دوبارہ اوپر آئے ہیں تو ان میں اسٹین گن تھی۔ خدا ہماری حفاظت کرے لیکن یہ حقیقت ہے کہ وہ موت کا فرشتہ معلوم ہو رہا تھا اور مجھے یقین ہو گیا کہ یہ ترکیب پٹ پڑ ہی نہیں سکتی۔

قارئین بھی معاملہ پوری طرح سمجھ لیں۔ ڈان ہوزن ممبر پر کھڑا ہوا ہے۔ ٹامس اور اس کے ساتھی خالی گرجا میں داخل ہوتے ہیں، ان کے جوتے فرش پر بجتے اور مہمیزیں جھنجھناتی ہیں اور پھر۔ آپ جانتے ہیں ڈان ہوزن کو "ایکشن" میں دیکھ چکا تھا اور جانتا تھا کہ مشین گن اس کے ہاتھ میں آ کر کس قدر خوفناک اور جان لیوا بن جاتی ہے۔ چنانچہ اس سے پہلے کہ ٹامس اور اس کے آدمی کچھ سمجھ سکیں وہ سب کے سب ڈھیر ہوں گے۔

البتہ اس ترکیب میں میں ایک گرہ دیکھ رہا تھا۔ چنانچہ جو ٹامس نے میرے دل کی بات کہہ دی۔

"یہ سب تو ٹھیک ہے لیکن اگر ٹامس نے اپنے چند آدمی گرجا کے باہر چھوڑ دیئے تو پھر کیا ہوگا؟"

"ان سے تم اور کوخ نپٹ لو گے"

"اچھا۔ بھلا۔ کس طرح؟"

"تم گرجا کے گھنٹے والے مینار کی پہلی منزل پہ دبک کر بیٹھ رہو گے، یعنی بیس فٹ اوپر۔ چنانچہ تمہارے اور ٹامس کے ساتھیوں کے درمیان کوئی چیز حائل نہ ہو گی اور تمہارے لئے میدان بالکل کھلا ہوگا۔"

"یہ تو ٹھیک ہے لیکن بیس فٹ کی بلندی پر کیا کر بیٹھیں گے؟" میں نے پوچھا

"بکس میں دیکھو۔"

اور میں نے بکس میں دیکھا۔

اس میں کوئی ایک درجن دستی بم، دو نالی کی ایک شاٹ گن، ایک بچہ مشین بندوق کم سے کم ایک ہزار راؤنڈ کارتوس اور ایک مشین گن جو خود دان ہوزن کی مشین گن کی جڑواں بہن معلوم ہوتی تھی۔ موجود تھی۔

میں نے جو ناس کو ہوٹل میں چھوڑا کار بھی وہیں چھوڑی اور پیدل ہی گاؤں سے باہر آ گیا کیونکہ سوچنے کے لئے مجھے وقت درکار تھا۔

دان ہوزن کی تجویز بے حد مناسب تھی۔ تامس اور اس کے ساتھیوں کے لئے گھات لگانے کے لئے اس نے جو نقشہ بنایا تھا۔ وہ خطرناک، خوفناک اور خونی تھا اور مجھے یقین تھا کہ ہم کامیاب رہیں گے جیسا کہ خود دان ہوزن نے کہا دو مشین گنیں اور مینار پر سے پھینکے ہوئے ایک یا دو دستی بموں کے بعد ممکن تھا کہ ہم ان کے آخری آدمی تک کا یا تو خاتمہ کر دے سکتے تھے یا سے زندگی بھر کے لئے اپاہج بنا دے سکتے تھے۔ اور یہ سب کچھ محض چند سکنڈ میں ہو سکتا تھا۔

چنانچہ ہمارا نقشۂ عمل تو مکمل ہو ہی چکا تھا اور کامیابی کا بھی یقین تھا لیکن کامیابی کا انحصار اس بات پر تھا کہ تامس دی لاپلینٹا ایسا ہی کرے جیسی کہ میری توقع تھی کہ وہ کرے گا اور آپ جانئے یہ خیال قدرے پریشان کن تھا۔ اپنی زندگی میں کئی دفعہ میں نے ان لوگوں کے لئے گھات لگائی تھی جو یا تو آئے ہی نہ تھے یا اگر آئے تھے توقع کے خلاف دوسری طرف یا دوسرے راستے سے آئے تھے اور اس کے بعد میں آسانی سے صیاد سے صید بن گیا تھا۔

یا کوئی پرانا دروازہ پہنچا تو سب سے پہلا جو بات میں نے دیکھی کہ باربرداری کے خچر اور گھوڑے جو پہنچے تھے لیکن الاؤ کے قریب خیمہ اب بھی موجود تھا۔ اور قریب ہی چار گھوڑے چر رہے تھے۔

الاؤ کے قریب ایک کمبل پر ایک خوبصورت جلد کی کتاب پڑی ہوئی تھی۔ میں نے کتاب اٹھا کر کھول لی۔ یہ ڈانٹے کی کامیڈی تھی اور ہسپانوی زبان میں تھی۔ ایک ہلکی سی آواز، جیسے ہوا گھاس کے میدان میں سے گزر رہی ہو، سنائی دی۔ میں نے سر اٹھا کر دیکھا۔ سامنے ناسٹینا کھڑا ہوا تھا۔

"بہت عمدہ کتاب ہے سینور" اس نے کہا۔

"تمہاری ہے؟"

"جوانی میں میں کچھ عرصہ تک پادریوں کے ساتھ خانقاہ میں رہا تھا۔ وہ مجھے پادری بنانا چاہتے تھے۔ لیکن میرے دل کی آواز کچھ اور کہہ رہی تھی چنانچہ میں بھاگ نکلا اور اپنے لوگوں میں آ گیا۔ آدمی کی زندگی ایک دوزخ بھی ہے اور ایک مذاق بھی ہے سینور۔"

میں نے کتاب کمبل پر ڈال دی۔

"دوسرے کہاں گئے؟"

"چلے گئے سینور۔ سامان لے کر اور باربرداری کے خچروں کا کاروان لے کر پہاڑوں کے اس پار چلے گئے۔"

"لیکن تم ٹھہر گئے؟"

وہ مسکرایا مگر یوں کہنا زیادہ مناسب ہوگا کہ اس کے ہونٹوں پر وہ چیز پھیل گئی

جو مسکراہٹ سے بہت حد تک ملتی جلتی تھی۔

"وہ درختوں کے جھنڈ کے دوسری طرف اور تالاب کے کنارے تمہارا انتظار کر رہی ہے سینور۔"

اور وہ کمبل پر اطمینان سے بیٹھ گیا۔ ڈان کو بکرے والی اٹھا کر کھولی اور دنیا کے عظیم ترین شاہکار سے لطف اندوز ہونے لگا۔ چنانچہ میں اسے اس شاہکار میں غرق چھوڑ کر دوسری قسم کے شاہکار سے لطف اندوز ہونے چلا گیا۔

بے حد خوبصورت جگہ تھی یہ۔ ایک آبشار بیس تیس فٹ کی بلندی سے ایک جھیل میں گر رہا تھا۔ جھیل کے چاروں طرف پتھروں کی سلیں بچھی ہوئی تھیں وہ ایک پرانے کمبل پر، جو گھوڑے کی پشت پر ڈالا جاتا ہے، بیٹھی ہوئی تھی۔ اس نے اپنے دونوں پیر سمیٹ کر گھٹنے اوپر اٹھا رکھے تھے اور وہ خود کہیں خلا میں دیکھ رہی تھی۔ وہ اپنے آپ میں کھوئی ہوئی تھی تاہم اسے پتہ چل گیا کہ یہ میں تھا جو اس کی طرف بڑھ رہا تھا۔ چنانچہ وہ ایک دم سے اور ایک سرخوشی کے عالم میں اٹھ کھڑی ہوئی۔

وہ چپ تھی وہیں کھڑی میری طرف دیکھتی رہی۔ وہ میری طرف سے کسی نمایاں اشارے کی منتظر تھی لیکن میں نہ جانتا تھا کہ وہ کیا چاہتی تھی چنانچہ میں نے کہا:۔

"وکٹوریہ! کتنا پرفضا مقام ہے۔ تم ہو، میں ہوں اور پھر ہم دونوں اکیلے ہیں۔"

وہ مسکرائی لیکن اس کے ابرو پر ہلکا سا بل تھا۔ جیسے کوئی مسئلہ تھا جسے

وہ پوری طرح سے سمجھ نہ سکی تھی۔ پہاڑوں کے عقب سے بادل نکل کر پھیل گئے اور انھوں نے سورج کو ڈھانک لیا اور نہ ہاں جھیل پر اور درختوں کے جھنڈ پر ملکوتی سکون اتر آیا۔ اور میں کانپ گیا اور میرے دل کی گہرائیوں میں ایک برفانی خنجر سا اترتا چلا گیا۔

ایسا میں نے پہلے بھی محسوس کیا تھا۔ اسی طرح میں پہلے بھی کانپا تھا اور ایسا ہمیشہ اسی وقت ہوا تھا جب کوئی حادثہ یا برا واقعہ ہونے والا ہوتا تھا اور وکٹوریہ نے خدا جانے کس طرح میری دلی کیفیت معلوم کر لی۔ یہ غالباً وہی بات تھی جس کے متعلق بزرگوں نے کہا ہے کہ دل سے دل کو راہ ہوتی ہے بہر حال اس نے ہاتھ بڑھا کر میرے دونوں ہاتھ پکڑ لئے اور اٹھا کر اپنی چھاتیوں پر رکھ لئے۔

"ہاں وکٹوریہ" میں خوفزدہ ہوں۔ ہر شخص کو اسی جذبہ سے واسطہ پڑتا ہے حتیٰ کہ ایبیٹ کورخ کو بھی جو جیب دست ہے اور جسے اپنی پستول بازی پر فخر ہے۔

اب حقیقت میں اس کے ابرو پر بل تھے چنانچہ میں نے اسے کمبل پر لٹا لیا اور اس کے ہونٹوں کا ایک بوسہ لینے کے بعد کہا۔

"ریڈ منڈو۔ ریڈ منڈو کورخ ـــــ ان کے متعلق سننا پسند کرو گی؟"

اس نے اثبات میں سر ہلایا، مسکرائی لیکن وہ اب بھی متفکر تھی۔

"سنو! وہاں میرے وطن میں میرے دادا ہیں" میں نے کہا "وہ کہیں گے مبارک ہے وہ دن جس دن ہم دونوں کی ملاقات ہوئی وہ تمہیں بے حد پسند کریں گے۔ وہ ہمیشہ کہا کرتے ہیں کہ وہ عورت جو اپنی زبان بند رکھتی ہے مرد کے لئے خدا کی طرف سے بہترین عطیہ ہے"

اسے یہ بات پسند آئی ۔ کم سے کم اس کی مسکراہٹ نے تو مجھے یہی کہا ۔ بلکہ اسے ایبٹ کونخ کے دادا سے بھی دلچسپی پیدا ہو گئی ۔ چنانچہ میں اپنے دادا کی اور اپنے بچپن کی داستان اسے سنانے لگا ۔ اور یہ وہ کہانی تھی جو خطرناک اور خوفناک واقعات اور سنسنی خیز حالات سے پُر تھی ۔ میں کچھ بھی چھپائے بغیر ہر اچھا برا واقعہ بیان کرتا رہا ۔ میں نے یہ بھی بتا دیا کہ میں نے نہ صرف یک کالنس بلکہ اپنے بھائی کی بھی اپنے ہاتھوں جان لی ۔ چنانچہ جب میں خاموش ہوا ہوں ، تو میری اس وقت تک کی مکمل اور مفصل سرگزشت سے واقف ہو چکی تھی ۔ اور یونیلا سے ہمارے سودے کے متعلق بھی وہ سب باتیں جان چکی تھی جتنی میں ؛ وان ہوزن اور جوناس جانتے تھے ۔

آپ پوچھیں گے کہ یہ سب باتیں میں نے اسے کیوں بتائیں ؟ کیا اس لئے کہ وہ بول نہ سکتی تھی ، چنانچہ یہ باتیں کسی اور کے سامنے دہرا نہ سکتی تھی ؟ جی نہیں ۔ بلکہ اس لئے کہ میں اسے سب کچھ بتا دینا چاہتا تھا اور وہ بھی اس لئے کہ مجھے شک ہو چلا تھا کہ شاید ہی وان ہوزن اور ہم اپنے مقصد میں کامیاب ہوں ۔ سچ ہی کیوں نہ کہہ دوں مجھے اپنی اور اپنے دونوں ساتھیوں کی موت قریب بہت قریب نظر آرہی تھی ۔

اور اب میں اس کی آغوش میں سر رکھے لیٹا ہوا تھا اور مجھ پر ایک عجیب طرح کا سکون اتر آیا تھا ۔ ایسا سکون جو دل کی بھڑاس نکل جانے کے بعد محسوس کیا جا سکتا تھا ۔ آسمان کی نیلاہٹوں میں بدلیاں ایک دوسرے کا تعاقب کر رہی تھیں ، وکٹوریہ کی انگلیاں میرے بالوں میں کنگھیاں کر رہی تھیں اور نیند بے پاؤں آکر میری پلکوں پر بیٹھنے لگی تھیں ۔

میں یقین سے کہتا ہوں کہ خود وکٹوریہ مجھے سلانا چاہتی تھی اور پتہ نہیں کہ ۔

تک سوتا رہتا کہ دفعتہ گرجا کے گھنٹے کی کرخت آواز سے میری آنکھ کھل گئی اور مجھے یاد آیا کہ دان ہوزن نے کہا تھا کہ دعا کی رسم ادا کرنے سے ٹھیک آدھے گھنٹے پہلے وہ گرجا کا گھنٹہ بجائے گا۔

وکٹوریہ نے مجھے رد کرنے کی کوشش نہ کی اور میں نے اس کی رخصتی بوسہ بھی نہ لیا کیونکہ اب، یعنی اس موقع کے لئے، یہ بڑی جذباتی حرکت ہوتی میں نے صرف یہ کیا کہ آخری دفعہ بہت دیر تک اس کی طرف دیکھتا رہا اور پھر پلٹ کر دوپہر کی چلچلاتی دھوپ میں گرجا کی طرف چل دیا جہاں پتہ نہیں میرے ساتھ کیا ہونے والا تھا! ... کون سی چیز میری منتظر تھی موت یا کامیابی

جوناس ہوٹل کے برآمدے میں کھڑا ہوا تھا۔ مجھے دیکھ کر وہ بڑی بشاشت سے مسکرایا۔

"آؤ۔ ذرا ٹہل آئیں" اس نے کہا۔

یہ بات اس نے یقیناً مارنیو کو سنانے کے لئے کہی تھی جو برآمدے میں ہی ایک کرسی پر بیٹھا ہوا تھا۔

"یہ مارنیو تو بے حد پریشان معلوم ہوتا ہے" میں نے کہا۔

جوناس مسکرایا۔

"اس کی بیوی کے دوبارہ زندہ ہو جانے کا شبہ ہو گیا ہے لیکن یہ کہنا ذرا مشکل ہے کہ اس وقت وہ کس کی طرف سے زیادہ متفکر ہے۔ اپنی بیوی کی طرف سے یا دان ہوزن کی طرف سے" اس نے سگار کے دھوئیں کا ایک بادل سا الجھی سی" ہا۔ آ کے ساتھ فضا میں بکھیر دیا۔

"کیا عمدہ سین ہے یار۔ اور یہ زندگی بھی بڑے معرکے کی چیز ہے۔" بولا میں کبھی یہ فیصلہ ہی نہ کرسکا کہ جوناس جو باتیں کہتا تھا وہ دکھانے کے لئے اور اوپری دل سے کہتا تھا یا سچ مچ محسوس کرکے کہتا تھا تاہم یہ تو حقیقت ہے کہ اس کی یہ بشاشت اور بے پروائی سطحی اور بناوٹی نہیں بلکہ حقیقی تھی کیونکہ جوناس ان معدودے چند لوگوں میں سے تھا جن کا "حال" ہی سب کچھ ہوتا ہے، جو صرف "حال" میں بستے ہیں، ماضی کو بھول جاتے ہیں اور مستقبل ان کے لئے کوئی اہمیت نہیں رکھتا۔

ہم دونوں مشرقی دیوار کے متوازی بے تعلقی سے ٹہلتے ہوئے گرجا کے پچھواڑے پہنچ گئے۔ وان ہوزن ہمارا منتظر ہی تھا چنانچہ اس نے عقبی دروازہ کھولا اور ہمیں گرجا کے توشہ خانے میں لے آیا۔

اس نے اپنے چغے پر ایک سفید سا یہ پہن رکھا تھا جو اس کے ٹخنوں تک آتا تھا۔ اس پر اس نے وہ رومال ڈال لیا جو شانوں پر پڑا رہتا ہے اور پھر وہ حلۂ عبادت پہن لیا جو ایک چوڑی دھجی کی طرح کا پشت پر پڑا رہتا ہے۔ اور اب وہ تیار تھا۔

"تم تو یار سچ مچ کے پادری معلوم ہوتے ہو" جوناس نے کہا۔

"میں اس سے بھی بہتر پارٹ ادا کرسکتا ہوں" وان ہوزن نے سنجیدگی سے جواب دیا "صرف پندرہ منٹ باقی ہیں چنانچہ مناسب ہے کہ تم دونوں اپنی جگہ، یعنی مینار پر پہنچ جاؤ۔"

وہ ہمیں منبر کے عقب میں لے آیا۔ یہاں ایک چھوٹا سا چوبی دروازہ تھا جو میں پہلی دفعہ دیکھ رہا تھا۔ اس نے دروازہ کھولا۔ اس کے پیچھے پتھر کا چکردار زینہ تھا۔

"اوپر تمھیں ضرورت کی ہر چیز مل جائے گی" وان ہوزن نے کہا "ایک بات یاد رکھنا۔ تم اسی وقت گولیاں چلاؤ گے جب میں چلا جاؤں گا۔ اس سے پہلے نہیں۔ اوپر سے صورت حال کیسی ہی کیوں نہ معلوم ہو، نشانے آسان دکھ کر تمھاری ہتھیلی کیوں نہ کھجلانے لگے تمہیں بے صبر نہیں ہونا ہے مبادا سارے کیے کرائے پر پانی پھر جائے۔ سمجھے؟"

اور اس نے دھڑ سے دروازہ بند کر دیا۔ میں نیم تاریکی میں زینہ چڑھنے لگا۔ جونا س میرے آگے تھا اور تنگ اور تقریباً عمودی زینہ چڑھنے میں اسے ایسی مشکلات کا سامنا کرنا پڑ رہا تھا کہ اکثر دفعہ مجھے اس کے تھلتھلاتے ہوئے کولھوں کے نیچے ہاتھ دے کر اسے اوپر دھکیلنا پڑتا تھا۔

ہم اوپر پہنچ گئے تو اپنے آپ کو ایک دس مربع فٹ کے کمرے میں پایا جس کے تین طرف تنگ اور لمبی کھڑکیاں تھیں جو تقریباً فرش تک پہونچتی تھیں۔

جیسا کہ وان ہوزن نے کہا تھا ہماری ضرورت کی ہر چیز کمبل پر ترتیب سے رکھی ہوئی تھی۔ دو نالی بندوق مع کارتوس، ونچسٹر، کئی ایک دستی بم، مشین گن اور اس کے قریب نصف درجن اس کا ڈرم میگزین۔

جونا س ایک چوبی بنچ پر دھم سے بیٹھ کر ہانپنے لگا۔ پسینہ اس کے ایک ایک مسام سے بہہ رہا تھا۔ اس نے اپنی جیب میں شراب کی چھوٹی سی بوتل نکالی، کارک کھولا اور منھ سے لگالی۔

اسے اپنا دم درست کرتا چھوڑ کر میں موقع و محل کا جائزہ لینے لگا۔ فوراً ہی ایک مشکل نظر آئی۔ اس دیوار میں، جو صحن کی طرف تھی، جو کھڑکیاں تھیں ان کا رخ اور ساخت ایسی تھی کہ ان میں سے گاؤں اس وقت تک دکھائی نہ دیتا جب تک کہ آدمی کھڑکی میں سے اپنا دھڑ باہر نہ نکال لے البتہ ان میں سے گرجا

کا صحن اور دالان کے سامنے والا حصہ صاف نظر آتا تھا جو بیس فٹ نیچے اور کھڑکیوں کے عین نیچے ہونے کے بجائے ذرا ایک طرف ہٹ کر تھا۔

میں نے جوناس کو اس صورت حال سے آگاہ کیا جو اس عرصے میں اپنا دم درست کر چکا تھا۔

اس نے سر ہلایا۔

"مطلب یہ کہ ہم الّو کے پٹھے کو آتے دیکھ نہ سکیں گے،" اس نے کہا "چنانچہ ہمیں تیار رہنا چاہیے۔"

چنانچہ میں بنچ گھسیٹ کر دیوار کے قریب لے آیا اور اسے عین کھڑکی کے نیچے ٹھیک سے جما دیا کہ جوناس آرام سے بیٹھ سکے اسے نیچے سے کوئی نہ دیکھ سکتا تھا لیکن گرجا کے سامنے والا پورا صحن اس کی حدِ نظر میں تھا۔ میں نے اسٹین گن دے دی جو اس نے اپنے گھٹنوں پر رکھ لی اور اب وہ منہ میں سگار دبائے تیار بیٹھا تھا۔

میرا ارادہ یہ تھا کہ میں دو تین دستی بموں سے اور اگر ضرورت ہوئی تو اپنے اینغلاڈ پستول یا ونچسٹر سے اس کی مدد کروں گا۔ دونالی بندوق کی نالیاں چونکہ زیادہ لمبی نہ تھیں اس لئے یہ بندوق یہاں بیکار معلوم ہوتی تھی۔

دیوار میں ایک طرف ایک لمبی دراڑ سی تھی جو کوئی نو انچ چوڑی تھی اور اس طرف کوئی کھڑکی نہ تھی۔ جب میں نے اس میں سے جھانک کر دیکھا تو مجھے ممبر اور اس کے سامنے گرجا نظر آیا۔ گرجا خالی تھا۔ یعنی وان ہوزن کا کہیں پتہ نہ تھا۔

اور پھر توشہ خانے کا دروازہ کھلا اور اس میں سے وان ہوزن نمودار ہوا۔ اس کے ہاتھ میں مشین گن تھی۔ وہ ممبر کی طرف گھوم گیا جس کا مطلب تھا کہ

اب وہ قربان گاہ کی طرف منہ کئے کھڑا تھا۔ میں دیکھ ہی رہا تھا کہ وہ ایک دم سے گھٹنوں کے بل جھک گیا۔ اپنے سینے پر صلیب کا نشان بنایا، اٹھا اور ممبر پر چڑھ گیا۔ اس کے بشرے سے عجیب طرح کی متانت عیاں تھی۔

"اب اس کا کیا مطلب لیا جائے؟" جوناس نے میرے کان کے قریب اپنا منہ لا کر کہا۔

ڈان ہوزن نے ڈیسک کے نیچے والے خانے میں مشین گن رکھ دی جہاں سے وہ اسے وقت ضرورت آسانی سے نکال سکتا تھا۔ اب اس نے بائبل کھول لی۔

میں نے سیدھے کھڑے ہو کر سر ہلایا۔

"خدا ہی بہتر جانتا ہے" میں نے کہا اور یہ میں نے غلط نہیں کہا "اس شخص کی حرکتوں کو سمجھنے کی کوشش کرنا میں نے ترک کر دیا ہے۔ میرا تو اب یہ حال ہے کہ ڈان ہوزن جو کچھ کرتا ہے اسے دیکھتا ہوں اور بس قبول کر لیتا ہوں"

خاموشی گہری تھی اور گرمی سخت۔ جوناس نے اپنے چہرے سے پسینہ پونچھ کر کہا:۔

"میں سالا اس قسم کے کام کے قابل اب رہا ہی نہیں" اس نے کہا۔

"لیکن کبھی تھے؟" یہ سوال نہ تھا۔ سیدھی سی بات تھی اور وہ بھی محض اس لئے کہ میں کسی بھی قسم کی گفتگو کرنا چاہتا تھا۔ امید و بیم کا یہ عالم تو میرے اعصاب پر سوار ہونے لگا تھا۔

"جب میں پہلی دفعہ میکسیکو آیا تو مجھے گھڑ سوار فوج کا افسر بنا دیا گیا۔ یہ فوج

پہاڑ۔ سے شمال میں جو پہاڑ ہیں ان کے اس پار یا کوئی لوگوں کا صفایا کر رہی تھی۔ اور تم جانو بڑا ہی دقت طلب کام تھا یہ۔ حالانکہ رد پیہ اس میں تھا مِلتا تھا۔ یعنی یا کوئی سے پلمیون کا ایک کان کاٹ لاؤ اور سو پیسو انعام میں حاصل کر لو۔ چنانچہ فی کان سو پیسو کے حساب سے سودا برابر تھا"

"مطلب یہ کہ وہ لوگ یا کوئیوں کو صفحہ ہستی سے بالکل ہی مٹا دینا چاہتے تھے۔

"سیدھی سی بات ہے یار کہ حکومت کو یا کوئی لوگوں کی زمینوں کی ضرورت تھی چنانچہ یہی وجہ ہے بچے کھچے یا کوئی اب وِنڈیور جیسے علاقوں میں رہتے ہیں۔ جہاں ان کے علاوہ کوئی نہیں رہ سکتا۔ یہ معاملات ڈایاز کے واہیات دور میں ہوئے تھے۔"

"اور اس کے بعد؟"

"انقلاب کے ابتدائی دنوں میں میں فرانسسکو مادیرو کے ساتھ تھا جس نے کوئدوہ پر فتح کیا تھا۔ اس کے ساتھ مجھ جیسے دوسرے آدمی بھی تھے۔ اور ہمارے گروہ کو وہ اپنی بدیسی فوج" کہتا تھا۔

"بڑے دلچسپ تجربات سے سابقہ پڑا ہوگا۔"

"بالکل۔ لیکن پھران سالوں ــــ نے مادیرو کا خون کر دیا۔ جو کچھ ہوا اس کے پیشِ نظر کم سے کم میرا تو یہی خیال ہے کہ اس کا خون کر دیا گیا وہ بچارا اتنا عمدہ انسان تھا کہ اس کی موت یقینی تھی۔ اگر اس کے اپنے ماتحت بدمعاشیوں سے اتنی رعایتیں نہ کی ہوتیں اور ان سالوں ــــ کی رسی کھینچ لی ہوتی تو اسے یہ دن دیکھنا نہ پڑتا۔ بڑے واہیات دن تھے یار۔ کہا نہیں جا سکتا تھا کہ کل کون زندہ ہوگا اور کون مارا جائے گا۔"

دفعتاً گھوڑوں کی ٹاپوں کی آوازیں سنائی دیں، ہم انہیں دیکھ نہ سکتے تھے، پھر ہنسی کی آوازیں آئیں اور ساتھ ہی گھوڑوں کے سازوسامان کی جھنکار سنائی دی۔

اور جب وہ لوگ نظر آئے تو میرا دل ڈوب گیا۔ ہمارے اندازے سراسر غلط ثابت ہوتے تھے۔ ہمارے اندازے کے خلاف وہ تعداد میں چوبیس تھے اور ہر شخص پوری طرح لیس تھا۔

تامس وی لا پلیٹا اپنے ساتھیوں کے بیچ میں تھا۔ حسب معمول گمبھیر اور مقطع اور میرے قدم اس وقت لڑکھڑا گئے جب میں نے دیکھا کہ اس کی بہن شیلا بھی اس کے ساتھ تھی۔

یہ خلاف توقع بات ہوئی تھی۔

گیارھواں باب

شیلا کو اپنے ساتھ لانے کی اور کوئی وجہ میری سمجھ میں نہ آئی سوائے اس کے کہ وہ اسے محض اس لئے لایا تھا کہ وہ وان ہوزن کی ذلت اور ناکامی خود اپنی آنکھوں سے دیکھ لے۔ میں نے اس سے یہ بھی کہا کہ شیلا کا رنگ اڑا ہوا تھا اور جب تامس نے اسے سہارا دیا تو صاف ظاہر تھا کہ شیلا با دل ناخواستہ اپنے گھوڑے پر سے اتری۔ اس نے شیلا کا ہاتھ پکڑا اور اسے تقریباً گھسیٹتا ہوا گرجا کے دالان میں پہنچ گیا۔ تامس کے سات یا آٹھ آدمی ان کے پیچھے چلے

"اب کیا یار؟" جونا س نے میرے کان میں کہا۔

میں نے دیوار کی دراڑ میں سے جھانکا۔ [illegible] محمد علی اب بھی تپائی پر بیٹھا ہوا تھا، البتہ مشین گن اب اس کے گھٹنوں پر [illegible] ہوئی

تھی۔ گھنگروں کی جھنکار اور پھر قہقہے سنائی دیئے اور تامس گرجا میں آ گیا۔ وہ اپنا ایک ہاتھ شیلا کے شانے پر رکھے ہوئے تھا۔

"کیوں قادر! اکا دکا بار آج مندا ہے نا؟" تامس نے چیخ کر کہا۔

وان ھوزن نے آہستہ اور احتیاط سے مشین گن واپس خانے میں رکھ دی اور اٹھ کھڑا ہوا۔

"بظاہر تو ایسا ہی معلوم ہوتا ہے۔ اس سے اطمینان ہوا تمہیں؟" اس نے کہا۔

"یعنی یہ معلوم کر کے کہ سوروں نے بڑی عقلمندی کا ثبوت دیا ہے؟ او۔ ہوں۔ کوئی خاص نہیں" تامس دی لا پلیٹیا نے اپنی گرفت اپنی بہن کے شانوں پر مضبوط کر دی تھیں اطمینان ہوا میری اچھی بہن؟"

"اس کے لہجے میں کوئی خاص بات تھی، اس کے بے ضرر سوال میں وہ چیز چھپی ہوئی تھی جسے نہ ہونا چاہئے تھا چنانچہ شیلا نے اپنے آپ کو چھڑانے کی کوشش کی لیکن تامس نے اسے پنجے میں دبوچ رکھا تھا۔

"قادر!" تامس نے کہا "میری بہن کو امید ہے تم معاف کر دو گے۔ وہ یہاں آنا نہ چاہتی تھی البتہ میں اسے جبراً یہاں لے آیا ہوں"

اس کے پیچھے اس کے ساتھی صف بنا کر کھڑے ہو گئے۔ انہوں نے اپنی بندوقیں بے پروائی سے پکڑے رکھی تھیں اور تامس بے حد آسان نشانہ تھا اس کے باوجود وان ھوزن اس پر گولی نہ چلا سکتا تھا کیونکہ شیلا اس کے ساتھ تھی اور وان ھوزن کی ہدایت کو پس پشت ڈال کر میں بھی گولی نہ چلا سکتا تھا کیونکہ اگر میں ایسا کرتا تو تامس کے آدمی جوابی فیر کرتے، اور شیلا ہماری اور ان لوگوں کی گولیوں کی بوچھاڑ کے درمیان آ جاتی۔

میں وان ھوزن کا چہرہ نہ دیکھ سکتا تھا لیکن جب وہ بولا ہے تو اس کی آواز

حیرت انگیز حد تک پُرسکون تھی۔

"سینور! تم کیا چاہتے ہو مجھ سے؟ میری موت؟"

"اس کی فی الحال تو ضرورت نہیں" تاسس نے کہا۔ "تم کل چلے جاؤ گے پادری۔ ہاں کل تم اسی راستے اور انہیں لوگوں کے ساتھ یہاں سے چلے جاؤ گے جس راستے سے اور جن کے ساتھ تم یہاں آئے ہو۔ میں نے تمہیں بڑی خوشی سے پھانسی دیدی ہوتی لیکن میں اپنی بہن سے وعدہ کر چکا ہوں اور اگر یہ اپنے وعدے پر قائم رہی تو میں بھی اپنے وعدے پر قائم رہوں گا۔"

اور وہ گھوم کر چلا گیا۔ وہ اب بھی شیلا کو اپنے ساتھ گھسیٹ رہا تھا۔ اس کے آدمی اس کے پیچھے چلے، آخری آدمی نے گرجا سے نکلتے وقت گرجا میں تھوک دیا۔

وان ہوزن ممبر پر سے اتر کر ان لوگوں کے پیچھے تقریباً بھاگا۔

جب میں اپنی جگہ سے ہٹ کر اور لپک کر کھڑکی کے سامنے پہنچا ہوں تو میں اس وقت تاسس گھوڑے پر سوار ہو رہا تھا۔ شیلا پہلے ہی سوار ہو چکی تھی۔ اس کے آدمیوں نے ان دونوں کو اپنے درمیان لے لیا۔

وان ہوزن گرجا کے دالان میں سے نکل کر چیخا۔

"سینور ڈی لاپلیٹا! ایک بات سنتے جاؤ"

تاسس نے اپنے گھوڑے کی باگیں کھینچ لیں۔

"کیا ہے؟"

وان ہوزن نے صاف اور بلند آواز میں، کہ سب سن سکیں، کہا:۔

"میرے پاس مقدس ولی سینٹ ارتھن ڈی بوراس کا مجسمہ ہے۔ یہ مجسمہ انقلاب کے زمانے میں اس گرجا میں لے جایا گیا تھا۔ چنانچہ اس مجسمے کو دوبارہ اس گرجا میں اندر اس کی جگہ رکھنے سے پہلے اسے ایک جلوس کے ساتھ بستی میں گھمانا ضروری ہے"

وان ہوزن کے یہ الفاظ نہ تھے بلکہ بجلی کی تڑک تھی جس کے بعد سناٹا چھا گیا۔
"سینور دی لا پلیٹا!" وان ہوزن نے چند ثانیوں کے توقف کے بعد کہا۔ "کل صبح ساڑھے نو بجے میں یہ جلوس نکالوں گا۔ اور یہ جلوس یہیں سے، اسی گرجا سے روانہ ہو گا"

شیلا کے منہ سے ایک تیز لیکن مختصر چیخ نکل گئی۔ تامس نے اسے فوراً خاموش کر دیا
"فادر!" تامس نے کہا۔ "پوری بستی میں ایک شخص بھی ایسا نہیں ہے جو تمھارے ساتھ چلے گا"

"تو پھر دلی کے مجسمے کو لے کر میں اکیلا ہی چلوں گا"

تامس نے اپنی جاکٹ کے گریبان میں ہاتھ ڈال کر بجلی کی سی تیزی سے پستول گھسیٹ لیا۔ اسی کے ساتھ اور ایسی ہی پھرتی سے میں نے بھی جو ناسر کے گھٹنوں پر سے مشین گن اٹھالی اور اب میں تیار تھا۔ شیلا بیچ میں ہو یا کوئی اور میں مشین گن چلانے کے لئے بالکل تیار تھا بشرطیکہ اس کے علاوہ کوئی چارہ نہ ہو۔ اور اب وان ہوزن بھی تامس، چنانچہ موت کے بہت قریب آ گئے تھے

شیلا کے منہ سے پھر ایک چیخ نکل گئی اور اس نے اپنے بھائی کے پستول والے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھ دیا۔ اور ایک لمحہ تک وان ہوزن اور اس کے ساتھ تامس بھی موت کے دہلیز پر کھڑے رہے۔ اور پھر تامس نے پستول واپس جاکٹ میں رکھ دیا۔

"میں اپنے وعدے پر قائم ہوں پادری۔" اس نے کہا۔ "کل دوپہر تک کی تمہیں یہاں سے جانے اور زندہ رہنے کی مہلت دے چکا ہوں۔ رہا تمھارا یہ جلوس تو اس کے لئے تو یہ ہے کہ اگر تم نے دلی کو لے کر بستی میں نکلنے کی کوشش بھی کی تو میں بلا جھجک تمھیں گولی مار دوں گا"

"مجھے گولی مارنے تم اکیلے آؤ گے یا اپنے ساتھیوں کے ساتھ" وان ہوزن کے

لہجے میں غضب کا طنز تھا۔
تامس دی لا ہلیٹا کی آنکھوں میں الاؤ سے بھڑک اٹھے، اس کا چہرہ سفید آگ کی طرح زرد ہوگیا لیکن اس نے کوئی جواب نہ دیا اور آگے بڑھنے کا اشارہ کیا۔ اس کے ساتھیوں کا پورا گروہ اس کے ساتھ چل پڑا۔
میں نے ہمت کر کے کھڑکی میں سے سر نکالا کہ تامس اور اس کے ساتھیوں کو جاتے دیکھ سکوں، کوئی دس پندرہ گز دور گاؤں والے ٹیڑھی میڑھی صف بنائے کھڑے تھے۔ میں ایک دم سے پیچھے ہٹ گیا۔
"معلوم ہوتا ہے کہ بستی والے دعا میں شریک ہونے آئے تھے" میں نے کہا۔
"ہر ناممکن بات پر یقین کر سکتا، خدا کی قسم ہر بات پر" جوناس نے جواب دیا
میں زینہ اترنے لگا۔ جوناس میرے پیچھے تھا۔ وہ آہستہ آہستہ اور سنبھل کر اتر رہا تھا۔ میں نیچے پہنچ کر صدر دروازے کی طرف بھاگا۔ وہاں پہنچ کر رکا اور احتیاطاً اس کھڑکی میں سے جھانک کر دیکھا جو شیشے سے بے نیاز تھی۔
بستی والے بکھر رہے تھے اور تامس اور اس کے ساتھی پھاٹک سے باہر نکل رہے تھے وان ہوزن پلٹ کر گرجا میں داخل ہوا اور میرے قریب سے یوں نکلا چلا گیا گویا میں وہاں تھا ہی نہیں۔ اس نے اپنا چیز وبل اتار کر ایک طرف پھینکا اور پھر اپنا سفید سایہ اتارنے لگا۔
"بہت عمدہ۔ بہت عمدہ" میں نے کہا۔
اس عرصے میں جوناس زینہ اتر کر ہمارے قریب آگیا۔
وان ہوزن میری طرف گھوم گیا۔ غصہ اور احساس ناکامی سے اس کی حالت غیر ہو رہی تھی۔
"اور تمہارے خیال میں مجھے کیا کرنا چاہئے تھا کوئی اس عورت کو مار دیتا؟"

"اس بات کو جانے دو یار" میں نے جواب سے بچتے ہوئے کہا "لیکن اپنی اس دوسری حماقت کے لئے کیا کہتے ہو؟"

"کون سی حماقت؟"

"اس منحوس مجسمے کے ساتھ وہ جلوس۔ تامس نے غلط نہیں کہا۔ پوری بستی میں کوئی عورت، مرد یا بچہ ایسا نہیں ہے جو اس جلوس میں تمہارا ساتھ دے سکے"

"تو پھر میں اکیلا جاؤں گا"

"اور تمہیں امید ہے کہ تامس تنہا تمہیں روکنے آئے گا؟ یقین کرو وہ اتنا احمق نہیں ہے"

اس نے کوئی جواب تو نہ دیا البتہ اس کے رخسار پر کا گوشت پھڑکنے لگا، اس کے بڑے بڑے پنجے مٹھیاں کھولنے اور بند کرنے لگے اور ہم دونوں کے درمیان کوئی چیز تھی جسے الفاظ میں بیان نہیں کیا جا سکتا لیکن میں اسے سمجھتا تھا اور میرے خیال میں وان ہوزن بھی اسے محسوس کر رہا تھا۔

میں آگے بڑھ کر اس کے قریب پہنچا اور نیچی مگر کرخت آواز میں کہا:۔

"آخر کیوں؟ وان ہوزن! کیوں؟"

"لعنت ہے تم پر کونخ! سچ تو یہ ہے کہ میں خود بھی نہیں جانتا"

اس نے سایہ اتار کر پھینکا اور پلٹ کر توشہ خانے میں چلا گیا۔

اس کے بعد ظاہر ہے کہ کہنے کو کچھ رہ نہ جاتا تھا چنانچہ میں اور جونا اس اسے اس کے حال پر چھوڑ کر واپس ہوٹل پہنچے۔ مارنیہ کا کہیں پتہ نہ تھا چنانچہ، کاؤنٹر کے پیچھے جا کر خود میں نے جام بھر لیا۔

"اب کیا ہے؟" جوناس نے کہا۔

"یہ مجھ سے نہیں ووان ہوزن سے پوچھو"

جوناس نے ایک لمبا سانس لیا۔

"ایک بات جانتے ہو میرے دوست ہے" اس نے کہا "اب یہ معاملہ اچھا معلوم نہیں ہوتا۔ سالا بگڑ گیا ہے، سچ مچ بگڑ گیا ہے"

میں نے بوتل اٹھا کر اپنے لئے دوسرا جام بھرا۔ میں اسے جام بھرتا چھوڑ کر باہر آیا، ہوٹل کے عقبی صحن میں پہونچا۔ جہاں میں نے کار پارک کی تھی، اس پر سوار ہوا اور ایک بار پھر میں گرجا کی طرف جا رہا تھا۔

مجھے یاد آ گیا تھا کہ ہم ہتھیار رکھنے کے مینار میں ہی چھوڑ آئے تھے اور وان ہوزن انھیں ناسامی کی کھوج میں، مجھے یقین تھا، انھیں بھول گیا ہوگا چنانچہ مجھے مناسب معلوم ہوا کہ میں جو وہ جا کر ان ہتھیاروں کو محفوظ جگہ رکھ آؤں۔ لیکن اب میں سوچتا ہوں کہ ہتھیاروں کا تو محض بہانہ تھا دراصل میں وان ہوزن سے گفتگو کرنا چاہتا تھا۔ لیکن میرا یہ ارادہ پورا نہ ہوا کیونکہ جب میں ٹیلے پر پہونچا ہوں تو وان ہوزن مارنیو کے ساتھ ٹیلے پر سے اتر کر بستی کی طرف جا رہا تھا۔

بہرحال میں نے مینار پر سے ہتھیار اتارے، انھیں بکس میں رکھا، انھیں اٹھا کر باہر لایا اور ستیہ مرسیڈیز کی پچھلی سیٹ اٹھا کر چور خانے میں رکھ دیا۔

اس کے بعد میں گرجا تک پہونچا، ایک بنچ پر بیٹھ گیا۔ اور قربان گاہ کی طرف دیکھنے لگا۔ چلو ٹھیک ہے — میں نے سوچا — ان دونوں میں خدا کے بغیر بھی کام چلا سکتا ہوں۔ لیکن گرجا میں عجیب سا سکون تھا اور سکون مل رہا تھا اور قربان گاہ پر جلتی ہوئی موم بتی کا شعلہ مجھے آنکھیں مار رہا تھا۔

گرجا کے دروازے میں وکٹوریہ ملبوسہ نمودار ہوئی۔ وہ وہیں رک گئی۔ وہ متجسس نظروں سے میری طرف دیکھا اور اپنے سر پر رومال رکھ کر اس کے دو کونے اپنی ٹھوڑی کے نیچے گرہ لگا کر باندھ رہی تھی۔

میں نے اس کے دونوں ہاتھ پکڑ لئے اور مسکرا کر اسے اپنے قریب بٹھاتے ہوئے کہا۔

"دیکھا وکٹوریہ! میں بہر حال زندہ رہتا ہوں بہر صورت حال کیسی ہی کیوں نہ ہو"

اس سے آگے میں کچھ نہ کہہ سکا۔ باہر سے ایک چیخ اور پھر بھاگتے ہوئے پیروں کی چاپ سنائی دی۔ اور وان ہوزن دروازے میں نمودار ہوا۔ میں اپنا پستول گھسیٹ چکا تھا۔

"اس کی کوئی ضرورت نہیں" مارنیو کی بیوی ہے۔ بہت زیادہ تکلیف میں ہے۔ بچہ پیدا نہیں ہو رہا اور بوڑھی دائی جانتی نہیں کہ کیا کیا جائے"

میں الّو کی طرح بیٹھا رہا۔ وان ہوزن نے میرے کوٹ کے کالر پکڑ کر ایک جھٹکے کے ساتھ مجھے کھڑا کر دیا۔

"خدا کے لئے کوزخ" اس نے دانت پیستے ہوئے کہا "تم نے چار سال تک ڈاکٹری کی تعلیم لی ہے کہ بھاڑ ہی جھونکا ہے۔"

جب میں کار لے کر واپس ہوٹل پہنچا تو وہاں چالیس پچاس آدمیوں کا ٹولا کھڑا تھا کیونکہ آپ جانئے بری خبر بڑی تیزی سے پھیل جاتی ہے۔ میں نے وکٹوریہ کو اپنے ساتھ آنے کا اشارہ کیا اور ہم دونوں وان ہوزن کے پیچھے

چل دیئے جو لوگوں کو بڑی بے مروتی اور سختی سے دائیں بائیں ڈھکیلتا اور راستہ بناتا آگے بڑھ رہا تھا۔

ماریو کی خواب گاہ میں جو منظر نظر آیا وہ ناقابل یقین تھا۔ چھوٹے سے کمرے میں بارہ تیرہ آدمی پھنسے ہوئے تھے، عورتیں اونچی آواز میں بین کر رہی تھیں اور ماریو کی آنکھوں میں آنسو تھے اور وہ باؤلا معلوم ہوتا تھا۔

زچہ بستر پر چیت پڑی تھی، اس پر سفید چادر ڈال دی گئی تھی، اسے بھی اپنی موت کا یقین تھا اور اسے تکلیف ناقابل برداشت تھی چنانچہ وہ ہسٹریا کی مریضہ کی طرح بے تحاشہ رو رہی تھی۔ ایک بڑھیا زچہ پر جھکی ہوئی تھی۔ یہ دائی تھی اور مجھے کہنا پڑتا ہے کہ ایسی گندی اور غلیظ عورت میں نے پہلے کبھی نہ دیکھی تھی۔

"باہر نکالو ان سب کو" میں نے دان ہوزن سے کہا "دائی ٹھہر سکتی ہے بشرطیکہ اپنے ہاتھ دھولے اچھی طرح سے۔ اور کہو ان سے کہ مجھے گرم پانی اور صابن چاہیئے فوراً!"

اور لوگ اعتراضات اور احتجاج کرتے کمرے سے نکل گئے۔ ماریو نہ صرف اپنی بیوی کی زندگی سے مایوس ہو چکا تھا بلکہ اسے مردہ ہی یقین کر چکا تھا اور میں نے اسے نیچی آواز میں ایسا ہی کہتے سنا۔

"تو پھر دعا کرو" دان ہوزن نے اس سے کہا "دعا کرو کہ سینٹ مارٹن دی پوراس اسے شفا بخشیں"۔

اس نے ماریو کو باہر پہنچا کر دروازہ بند کر دیا اور پھر کھڑکیوں کی طرف بڑھا جو صحن میں کھلتی تھی کیونکہ باہر والے اب اونچی آواز میں باتیں اور شور مچانے لگے تھے۔ میں سن نہ سکا کہ دان ہوزن نے ان لوگوں سے کیا کہا، شاید وہی بات کہی جو ماریو سے کہی تھی، بہرحال وہ لوگ فوراً خاموش ہو گئے۔ چنانچہ دان ہوزن فوراً

کھڑکیاں بند کر کے میرے قریب آگیا۔

دروازے پر کسی نے آہستہ سے دستک دی۔ وکٹوریہ نے دروازہ کھولا اور پانی کا تسلا اور سستی قسم کا کاربولک صابن کی ٹکیہ لے کر آگئی۔ میں اپنے ہاتھ دھونے لگا اور بوڑھی دائی سے بھی ہاتھ دھونے کو کہا۔ جواب میں اس نے یہ عجیب حرکت کی کہ اپنے دونوں ہاتھ اوپر اٹھا دئیے اور باہر بھاگ گئی۔

میں نے زچہ کی ٹانگوں پر سے چادر ہٹا کر اس کے پیٹ تک کھسکا دی، اس کی دونوں ٹانگیں گھٹنوں میں سے موڑ کر اوپر اٹھا دیں اور موقع محل کا معائنہ کیا تو بوڑھی دائی کی ناکامی اور پریشانی کی وجہ فوراً معلوم ہو گئی۔

"کیرخ! اب بھی تمہیں یاد ہے کہ بچہ کس طرح جنا جاتا ہے؟" وان ہوزن نے پوچھا۔

زچہ کو خوفزدہ نہ کرنے کے خیال سے ہم انگریزی میں باتیں کر رہے تھے۔ میں نے کہا:۔

"بچہ عموماً اس طرح پیدا ہوتا ہے کہ پہلے اس کا سر باہر آتا ہے۔ اور پیدا ہونے کا قدرتی اور آسان اور صحیح طریقہ یہی ہے۔ لیکن یہاں معاملہ اس کے برعکس ہے۔ اس زچگی کو سرین کہتے ہیں۔"

"مطلب؟"

"مطلب یہ کہ بچہ الٹ گیا ہے اور ہماری طرف اس کے سر کے بجائے کولھے ہیں اور اسی وجہ سے وہ پیدا نہیں ہو رہا ہے۔ یعنی پھنس گیا ہے۔ اور تم جانو یہ معاملہ الجھا ہوا ہے۔"

"لیکن تم کچھ کر سکتے ہو کہ نہیں؟" وان ہوزن نے پوچھا۔

"یہ تو ــــ بات یہ ہے کہ میں نے پہلے کبھی ایسا کام نہیں کیا ــــ صرف کتابوں

میں پڑھا ہے :

مارٹیو کی بیوی چیخنے لگی۔ میں دوڑ کر اس کے سرہانے پہنچا اور اسے خاموش کرنے اور دلاسہ دینے کی کوشش کرنے لگا لیکن کامیاب نہ ہوا۔ ڈان ہوزن نے دوسری طرف جا کر اس کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے لیا اور کہا :۔

"گھبرانے کی کوئی بات نہیں ہے مجھ پر بھروسہ رکھو اور یقین کرو کہ تھوڑی ہی دیر میں سب ٹھیک ہو جائے گا اور تم اپنے گل گوتھنے بیٹے کی ماں بن جاؤ گی"

اس کے لہجے میں بھرپور ہی تاثر تھا — ہمدردی، محبت — آپ کا جو جی چاہے اسے کہہ لیں اور ساتھ ہی ساتھ یقین — عورت کی چیخیں دبی دبی ہچکیوں میں تبدیل ہو گئیں لیکن اس نے ڈان ہوزن کا ہاتھ چھوڑا۔ وہ اس کی طرف دیکھتی رہی اسے ڈان ہوزن پر مکمل ترین اعتبار تھا۔

میں گلیڈریہ کا بازو پکڑ کر اسے کمرے میں گھسیٹ لایا اور اسے بتایا کہ میں کیا کرنے جا رہا تھا اور یہ کہ خود اسے اس سلسلے میں کیا کرنا تھا۔

اور پھر میں واپس آ کر کام میں لگ گیا۔

زچگی کو آسان کرنے کے لئے مارٹیو کی بیوی کو چارپائی کی پائنتی ٹھیک کنارے تک اس طرح کھسکانا ضروری تھا کہ اس کے کولھے عین پٹی پر ٹکے ہوئے ہوں۔ چنانچہ میں نے یہی کیا۔ میں نے حتی الامکان احتیاط سے نیچے کھسکایا تو وہ پھر چیخنے اور رونے لگی یہاں تک کہ ڈان ہوزن نے ایک بار پھر اسے تسلی دے کر اور پچکار کر خاموش کر دیا۔

اپنی طبی تعلیم اور مشق کے دوران میں نصف درجن ولادتیں کروا چکا تھا لیکن وہ سب کی سب سیدھی اور آسان تھیں۔ اس وقت میں جو ولادت کروانے جا رہا تھا اس کا عملی تجربہ میں نے کبھی نہ کیا تھا البتہ ایک ہسپتال میں اس قسم کی زچگی دیکھ چکا

تھا اور اس کے متعلق طب کی کتابوں میں پڑھتا تھا جیسا کہ میں نے وان ہوزن سے کہا تھا۔ میں نے ایک لمبا سانس لیا اور جو کچھ پڑھا اور دیکھا تھا اسے درجہ بدرجہ یاد کرنے کی کوشش کرنے لگا۔

سب سے پہلا مسئلہ بچے کی ٹانگیں تلاش کر کے باہر لانے کا تھا اور یہاں مجھے کامیابی اسی صورت میں ہو سکتی تھی کہ بچے کی ٹانگیں لچکدار ہوں اور انھیں موڑا جا سکے۔

میں نے احتیاط سے ہاتھ ڈال کر ٹٹولا تو معلوم ہوا، جیسی کہ مجھے توقع تھی کہ بچے کی ٹانگیں پھیلی ہوئی تھیں جس کا مطلب تھا مجھے مزید احتیاط اور صبر سے کام لینا تھا۔ میں ٹٹولتا رہا یہاں تک کہ میری دو انگلیاں بچے کی ایک ٹانگ کے گھٹنے کے پیچھے پہنچ گئیں۔ میں نے انگلیوں سے آنکڑا سا بنا کر اسے کھینچا تو ٹانگ مڑ کر سیدھی نیچے کھنچ آئی۔ دوسری ٹانگ کے ساتھ بھی میں نے یہی عمل دہرایا اور کامیاب رہا۔

مارتھ کی بیوی بڑے زور سے چیخی اور اس کا پورا جسم لرزنے لگا۔ میں نے اس سے کہا کہ وہ اندر سے زور لگا کر بچے کو نیچے کی طرف ڈھکیلنا شروع کرے کہ اس کی ٹانگیں باہر آ جائیں۔

دوسرے ہی لمحے ٹانگیں باہر تھیں۔

وکٹوریہ نے ایک چادر کو پھاڑ کر بہت سے ٹکڑے بنا لئے تھے اور میرے قریب تیار کھڑی تھی۔ میں نے اپنے ہاتھ اس کی طرف بڑھا دیئے اور اس نے جلدی سے انھیں پونچھ کر صاف اور خشک کر دیا۔

میں نے بچے کی ٹانگیں اس طرح پکڑ لیں کہ میرے دونوں ہاتھوں کی انگلیاں رانوں پر اور انگوٹھے کولہے کی نکونی ہڈی پر ٹکے ہوئے تھے اور پھر اسے آہستہ

آہستہ کھینچنے لگا یہاں تک کہ بچے کے شانے باہر آ گئے۔ لیکن اب اس کے بازو اندر تھے اور پھنسے ہوئے تھے۔ لیکن میں اس مسئلے کے حل سے واقف تھا۔ میں نے بچے کو آہستہ سے بائیں طرف گھما دیا۔ شانہ نکل گیا، ذرا سی جگہ پیدا ہو گئی، میں نے انگلی ڈال کر بچے کی کہنی میں موڑ کر ڈال دی اور بازو باہر گھسیٹ لیا۔ اب میں نے اسے دائیں طرف گھما کر یہی عمل دہرایا۔

میں دم درست کرنے کے لئے ذرا سیدھا ہوا تو وان ہورن نے انگریزی میں پوچھا "معاملہ کیسا ہے؟"

"اب تک تو اچھا رہا ہے لیکن اب میں سب سے زیادہ خطرناک درجہ پر آ رہا ہوں یعنی سر کو باہر لانا۔ اس میں دماغ کو نقصان پہنچ جانے کا خطرہ لاحق رہتا ہے اِلّا یہ کہ ٹھیک سے اور صحیح طور سے کام کیا جائے۔"

اب میں نے بائیں ہاتھ کی شہادت کی اور اس کے پاس والی انگلی بچے کے سر پر اور ایک انگلی اور جھنگلیا دائیں بائیں شانے پر رکھ دی اور آہستہ آہستہ سر کو دبانے اور نیچے کی طرف کھسکانے لگا اور اس میں مجھے جو زور لگانا پڑا اس کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا تھا کہ میرے ماتھے پر پسینے کے موٹے موٹے قطرے نمودار ہو گئے۔

اور پھر بچہ دنیا میں آ چکا تھا اور میرے ہاتھوں میں تھا لیکن ساتھ ہی ساتھ یہ بھی انکشاف ہوا کہ وہ سانس نہ لے رہا تھا۔ اس کا پورا جسم ناخوشگوار حد تک سرخ ہو رہا تھا جیسے جسم کے اندر کی ہر چیز بند ہو اور منتظر ہو کہ کوئی اسے اپنے قدرتی عمل پر لگا دے۔

میں نے اس کے کولھوں پر آہستہ آہستہ تھپڑ مارے لیکن کچھ نہ ہوا چنانچہ میں نے کپڑے کا وہ ٹکڑا لے کر، جو دکشورے نے میری طرف بڑھا دیا تھا، بچے کے منہ

پر سے اور نتھنوں میں سے آنول کا رقیق مادہ صاف کیا۔ دل کی دھڑکنیں تیز تھیں۔ چنانچہ اس طرف سے تو کوئی خطرہ نہ تھا۔

بچے کے ننھے سے منہ پر اپنا منہ رکھ کر میں آہستہ آہستہ پھونکنے لگا اور دفعتہً بچے کے جسم میں اینٹھن سی ہوئی اور اس کا تنفس جاری ہوگیا اور پھر وہ آواز بلند ہوئی جو دنیا کی سب سے زیادہ سریلی اور دل خوش کن آواز ہے یعنی وہ رونے لگا خدا جانے کیوں وکٹوریہ بھی رو رہی تھی حالانکہ اس نے بچہ میرے ہاتھ سے لے لیا تھا اور اسے ایک تجربہ کار دائی کی طرح سنبھالے ہوئے تھی اور میں آنول نال کی صفائی سے فرصت پا کر خود زچہ کی حالت کا معائنہ کر رہا تھا۔

"لڑکا ہے" میں نے اعلان کیا۔

دان ہونورن نے وکٹوریہ کے ہاتھ سے بچہ لے لیا جسے اس نے، وکٹوریہ نے صاف کپڑے میں لپیٹ دیا تھا اور اسے لے کر مارنیو کی بیوی کے سرہانے پہنچا۔ میں نہیں جانتا کہ اس نے سینورا مارنیو سے کیا کہا لیکن ایک بار پھر وہ رونے لگی لیکن اب یہ خوشی کے آنسو تھے۔

"ایسا ہی ہوا ڈاکٹر جیسا کہ تم نے کہا تھا" وہ بولی۔

دان ہونورن نے بچہ عورت کے پہلو میں رکھ دیا اور کھڑکی کھول کر دالان پر پہونچا اور وہاں دم بخود اور منتظر کھڑے ہوئے لوگوں کو یہ مژدہ سنایا۔ بے حد ڈرامائی تھا یہ سب کچھ۔ لوگوں کے منہ سے حیرت اور خوشی کی چیخیں نکل گئیں۔

اب یہاں میری کوئی ضرورت نہ تھی۔ چنانچہ میں اٹھا اور دروازہ کھولا تو مارنیو اور اس کے پیچھے عورتوں کا ٹولا ابھر ابھر کر اندر گھس آیا۔ وہ مجھے ڈھکیلتے ہوئے زچہ اور بچہ کی چارپائی کی طرف وہ آوازیں نکالتے بڑھے جن کی ایسے موقع پر توقع کی جا سکتی ہے۔

میں اپنے کمرے میں آگیا۔

خدا کی قسم میں بے حد تھکا ہوا تھا۔ ایسی تھکن میں نے اپنی عمر میں کبھی محسوس نہ کی تھی۔ اس کے باوجود میں خوش تھا۔ آج پہلی دفعہ میں نے کسی کی زندگی لینے کے بجائے زندگی دی تھی ــــ یہ میرا خیال تھا اور اسی کی مجھے خوشی بھی تھی۔ لیکن میرے دماغ کی حالت اس وقت ایسی ہو رہی تھی کہ میں براہ راست اور ٹھیک سے کچھ سوچ نہ سکتا تھا۔

میں بستر پر چت لیٹا چھت کی طرف دیکھ رہا تھا کہ دروازہ کھلا اور وکٹوریہ اندر آگئی۔ وہ میرے قریب بیٹھ گئی اور میرے بالوں میں انگلیاں پھیرنے لگی اور میں آہستہ آہستہ نیند کی پرسکون وادیوں میں پہنچ گیا۔

بارھواں باب

جب میری آنکھ کھلی تو اندھیرا ہو چکا تھا اور موسیقی کی آواز فضا میں دھڑک رہی تھی۔ جہاں تک میں اندازہ لگا سکا یہ گٹار اور ماراکاس کی آواز تھی اور ان کے ساتھ کوئی گا بھی رہا تھا۔

میں اکیلا تھا کیونکہ وکٹوریہ وہاں نہ تھی۔ میں نے اٹھ کر ٹانگیں فرش پر لٹکا دیں، دیا سلائی کی ڈبیہ تلاش کی اور بتی جلالی۔

میرے جوتے چارپائی کی پائینتی کے قریب پڑے ہوئے تھے۔ میں نے جوتے پہنے، کمرے کے کونے میں رکھے ہوئے واش اسٹینڈ کے قریب پہنچا، اس پر اپنا سر جھکایا اور صراحی اٹھا کر اپنے سر پر خالی کر دی۔

اب مجھے کچھ سکون ہوا۔ میں نے تولیہ اٹھایا اور کھڑکی کھول کر برآمدے

میں آ گیا رات کی سرد اور فرحت بخش ہوا میں کھڑے ہو کر میں اپنے بال خشک کرنے لگا۔ ہوٹل کی کھلی ہوئی کھڑکیوں میں سے روشنی نکل راستوں پر بچھ گئی تھی اور چوبی پٹڑی پر وکٹوریہ اور ناستینا بیٹھے ہوئے تھے۔

"وکٹوریہ" میں نے اسے آہستہ سے آواز دی۔

اس نے فوراً سر اٹھا کر میری طرف دیکھا۔

"مجھے چھوڑ کر کیوں چلی آئیں؟ اوپر آ جاؤ"

وکٹوریہ کا چہرہ ایک زرد دھبہ سا معلوم ہوتا تھا جس سے کوئی جذبہ ظاہر نہ تھا۔

اس کی طرف سے ناستینا نے جواب دیا۔

"اس کی ممانعت ہے سینور"

"خدا جانے یہ کیا بک رہی ہو تم!" میں نے کہا۔ "خیر۔۔ تم وہیں ٹھہرو میں آ رہا ہوں۔"

میں نے صاف دھلی ہوئی قمیص نکال کر پہن لی اور نیچے آ گیا۔ میں نے بار میں جانا ضروری نہ سمجھا اور یوں تیزی سے باہر نکلا اور یوں بگولے کی طرح سڑک پر آیا کہ دو گھوڑ سواروں کو مجھے بچانے کے لئے اپنے گھوڑوں کی لگامیں کھینچنی پڑیں میں ان کی ٹاپوں تلے ہی آ چلا تھا۔

میں بے حد تھکا ہوا تھا۔ خدا کی قسم ایسی تھکن میں نے اپنی زندگی میں پہلے کبھی محسوس نہ کی تھی۔ اس کے باوجود میں خوش تھا۔

وکٹوریہ اور ناستینا مجھے دیکھتے ہی اٹھ کھڑے ہوئے اور میں نے وکٹوریہ کو بازو سے پکڑتے ہوئے پوچھا۔

ناشیتا نے جواب دیا:۔

"سینور اسے ہوٹل سے نکال دیا گیا۔

"کیا بکتے ہو؟"

"ٹھیک ہی کہتا ہوں سینور۔ ماجوڈا تو پھر بھی ٹھیک ہے کہ یہاں ایسے تنگ نظر لوگ نہیں ہیں۔ اکثر بستیوں میں تو کسی انڈین کو عموماً اور یاکوئی کو خصوصاً بستی کے قریب تک آنے کی اجازت نہیں۔"

"اور اندر وہ حرامی لوگ جشن منا رہے ہیں" میں نے سوچا۔

دونوں سوار گھوڑوں پر سے اتر چکے تھے اور ہماری طرف دیکھ رہے تھے ان میں سے ایک کو میں نے پہچان لیا۔ وہ جوراڈو تھا۔ دوسرے کو میں نے پہلے کبھی نہ دیکھا تھا۔ جوراڈو نے اپنے ساتھی سے ہمارے متعلق کچھ کہا اور وہ دونوں ہنسے اور پھر ملیٹ کر ہوٹل میں داخل ہو گئے اور دروازہ بند کر دیا۔

چاروں طرف خاموشی اور سکون تھا صرف موسیقی کی آواز فضا میں ارتعاش پیدا کر رہی تھی۔ اب میری تھکن غائب ہو چکی تھی لیکن اب مجھے غصہ تھا اور انسانوں کے تعصب کے خیال سے اداس بھی۔

میں نے وکٹوریہ کے ہاتھ اپنے ہونٹوں سے لگا کر کہا:۔

"تم یہیں ٹھہرو وکٹوریہ۔ میں کوشش کر کے آتا ہوں اور پھر تمہارے ساتھ پڑاؤ میں چلوں گا۔"

جب میں ہوٹل میں داخل ہو کر ہال میں سے گزر رہا تھا تو میں نے دیکھا کہ بار کا دروازہ کھلا تھا۔ اور وہاں سے وان ہوزون کی آواز آئی:۔

"کورنغ! یہاں آؤ۔"

میں بار کے دروازے میں رک گیا۔ میں سمجھتا ہوں کہ اس وقت ماجوڈا کا ہر

مروڑنہ صرف بار میں موجود تھا بلکہ نشے میں بھی تھا۔ ایک کونے میں چار موسیقار اپنے سازاندھا دھند بجا رہے تھے۔

دان ہوزن اور جوناس بار کے قریب ایک میز پر گویا پھنسے بیٹھے تھے جوناس اپنا جام اٹھا کر چیخا:۔

"اس وقت کے ہیرو کا جام ——آؤ یار —— بیٹھو"

میں کاؤنٹر اور ان دونوں کے قریب کھڑا رہا۔ جو راڈو اور اس کا دوست میرے عین پیچھے کھڑے تھے چنانچہ جو کچھ ہوا اس کے پیش نظر یہ بات، یعنی ان دونوں کا میرے عین پیچھے ہونا، بڑی اہم تھی۔

مارٹینہ سب کو مفت شراب پلا رہا تھا اور وہ خود نیم مدہوش تھا۔ دان ہوزن نے میری طرف دیکھا اور کہا:۔

"کورخ! تم کچھ خفا اور اداس سے معلوم ہوتے ہو"۔

میں خاموش رہا

"کیا بات ہے؟" اس نے پوچھا۔

"جب میں سو رہا تھا تو دکٹوریہ کو باہر نکال دیا گیا بلکہ باہر پھینک دیا گیا:"

دان ہوزن نے شانے اچکائے

"اس ملک کی رسم ہے یہی۔ اور پھر کورخ! دکٹوریہ نے اپنا سلسلہ پسند کر لیا کہ وہ کس طرف ہے اور یہ ایک کھلی حقیقت ہے کہ زیادہ تر میکسیکن انڈین یوں سے نفرت کرتے ہیں"۔

"خصوصاً یاکوئی کو" جوناس نے کہا۔ "بڑے وحشی لوگ ہوتے ہیں یہ یاکوئی بڑے سفاک ہوتے ہیں۔ جب میں اس فوج میں تھا جس کے سپرد یاکوئی لوگوں کا صفایا کرنے کی خدمت کی گئی تھی تو ہمارا ایک افسر تھا کوبارد نام تھا اس کا جو

سالا اپنے لیے پانچ یا کوئی عورتیں لایا تھا۔ میں نے کہا ہے عورتیں لیکن حقیقت یہ کہ ان میں جو سب سے بڑی تھی اس کی عمر صرف پندرہ سال تھی۔ اس نے فی عورت سو پیسو ادا کیے تھے۔ یعنی خریدا تھا انھیں سو پیسو فی عورت کے حساب سے۔"

"اور تم یا کوئی لوگوں کو سفاک کہتے ہو؟" میں نے کہا۔

"ایک دن یا کوئی لوگوں نے اسے گھات لگا کر پکڑ لیا" جو اس نشے میں تھا۔ پہلے کبھی میں نے اسے یوں نشے میں نہ دیکھا تھا چنانچہ اسی مناسبت سے وہ آہستہ آہستہ اور دھیمی آواز میں بدل رہا تھا" خدا ہی بہتر جانتا ہے کہ اس کا خاتمہ کرنے سے پہلے یا کوئی لوگوں نے اس کے ساتھ کیا کیا لیکن جب ہم نے اس کی لاش تلاش کر لی تو جانتے ہو کہ وہ کس حال میں ۔۔۔؟ اس کے دونوں بازو پھیلے ہوئے تھے، ہاتھ کھلے تھے، آنکھوں کے دیدے ہتھیلیوں پر رکھے ہوئے تھے، یعنی ایک دیدہ ایک ہتھیلی پر اور اس کا عضوئے تناسل مع دونوں فوطوں کے اس کے منھ میں ٹھونس دیئے گئے تھے۔"

"تمھاری اس تفصیل کے بعد تمھارے خیال میں مجھے کیا کرنا چاہیئے تھا؟"

میں نے پھر پوچھا" میرے خیال میں وہ اسی سلوک کا مستحق تھا۔ سو سو پیسو میں اپنے تصرف میں لانے کے لیے پانچ کم عمر لڑکیاں خریدی تھیں کمبخت نے۔"

وار نبو کا کمشنر میز پر دونوں کہنیاں ٹیک کر میری طرف جھک گیا اور مسکرا کر بولا

"مسٹر کونخ! ہم نے لڑکے کا نام فادر وان ہوزن کے نام پر رکھنے کا فیصلہ کیا ہے۔ اے۔ بائیں۔ بہت عمدہ خیال ہے کہ نہیں؟"

"بے حد شاندار" میں وان ہوزن کی طرف گھوم گیا" وان ہوزن کا ایک اور معجزہ ۔۔۔ کیوں یہی ثابت ہوا نا؟"

وان ہوزن کی مسکراہٹ نے دم توڑ دیا اور اسکی آنکھوں سے کرب جھانکنے لگا۔

"سینورا میرے ساتھ اور میری طرف سے ایک جام ہو گے؟" مارنیو نے میرے شانے پر ہاتھ رکھ دیا۔

مرحی نہیں۔ شکریہ " میں نے کہا" میں کچھ اور انتظام کر چکا ہوں؟

مارنیو کے بشرے سے وحشت ٹپکنے لگی۔

"لیکن۔ لیکن۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے؟"

میں نے اپنی قمیص کے بٹن بند نہ لگائے تھے چنانچہ چاندی کا وہ تعویذ جو دکوڑ یہ نے میرے گلے میں ڈال دیا تھا گریبان سے باہر جھول رہا تھا۔ جوراڈو نے ہاتھ بڑھا کر تعویذ پکڑ لیا۔

"سیدھی سی بات ہے مارنیو" اس نے کہا "سینور کو نہ ہماری صحبت پر کسی اور کی صحبت کو ترجیح دے رہے ہیں۔ ان کو کالا گوشت پسند ہے۔ یا کوئی عورتوں کے متعلق لوگ جو کہتے ہیں کیا وہ سچ ہے؟"

اور اس سوال کے بعد اس نے ایک ایسی فحش بات کہی جو میری اور کسی کے کانوں نے بھی کبھی نہ سنی ہو گی۔

میں سمجھتا ہوں کہ اسی وقت مجھے احساس ہوا کہ جوراڈو ایک سوچے سمجھے ہوئے مقصد کے تحت ہوٹل میں آیا تھا یعنی جھگڑا کرنے۔ بے شک مجھ سے جھگڑا مول لینے نہیں لیکن میں اس کے لئے بہانہ بن گیا۔

وال ہونڈو کرسی پر سے اٹھنے لگا لیکن میں نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر اسے بٹھا دیا۔

"میں تمھارے ساتھ شراب پیئوں گا" میں نے مارنیو سے کہا "ایک منٹ۔"

اور جب میں پلٹ کر باہر جا رہا تھا تو جوراڈو نے ہنس کر کہا۔

"ہا۔ ہا۔ وہ تب اس عورت سے بھاگے جا رہے ہیں کہ کہیں سینہ کے ساتھ

اپنی پتلون گیلی نہ کر دیں۔"

دو تین شرابی ہنس پڑے۔

وکٹوریہ اور ناشیا سڑک عبور کر کے میرے پاس آ گئے۔

"جانے سے پہلے مجھے شراب پینے کی دعوت دی گئی ہے" میں نے کہا۔

وکٹوریہ نے میرا ارادہ بھانپ لیا۔ میں اس کی آنکھوں میں دیکھ سکتا تھا ناشیا بھی سمجھ گیا تھا۔ اس نے کہا :۔

"اس سے کوئی فائدہ نہ ہو گا سنیو۔ وہ لوگ ہم پر تھوکیں گے"

اور پھر ایک عجیب بات ہوئی۔ میں ایک دم سے سرد پڑ گیا' بے حد پر سکون بن گیا' میرے معدے میں شعلے سے بھڑک اٹھے اور جب میں بولا ہوں تو میری آواز کہیں باہر سے آ رہی تھی اور ایسی تھی کہ اچھے اچھے رستموں کے پتے پانی ہو جائیں۔

"سنو ناشیا! سنو وکٹوریہ!" میں نے کہا۔ میں اکٹرا ڈبیلا کا باشندہ ایمیٹ کوخ ہوں اور دنیا میں کسی سے نہیں ڈرتا۔ ہم اسی وقت اندر جائیں گے اور خدا ہمارے ساتھ ہو گا۔ میں انصاف قائم کروں گا اور ایسا کرتے ہوئے اگر مجھے ایک دو سوروں کے سر توڑنے پڑے تو یہ اور بھی اچھا ہو گا"

میری روح میں وہ اندھیری کا ضد اور وہ اندھا پن اتر آیا تھا جو کہتے ہیں کہ میرے باپ میں تھا۔ میرے باپ کے تشدد نے اور ضد نے میری ماں کو وقت سے بہت ان کی قبر میں لٹا دیا تھا اور میں اس سے بچ نہ سکتا تھا۔ یہ ضد، یہ تشدد اپنی بات منوانے کی یہ دھن مجھے ورثے میں ملی تھی۔

میں مزید کچھ کہے بغیر گھوم کر چل دیا اور ناشیا اور وکٹوریہ فرمانبرداری سے میرے پیچھے ہی آ گئے۔

دروازے کے قریب پہنچ کر میں نے اسے لات مار کر کھولا اور آندھی کی

طرح اندر گھس پڑا۔ لوگوں نے جب دیکھا کہ میرے ساتھ کون تھے تو بار میں ایسی مکمل ترین خاموشی طاری ہو گئی جو صرف دیکھنے سے ہی تعلق رکھتی ہے۔

میں سیدھا کاؤنٹر کے سامنے پہنچا، اپنے دونوں ہاتھ میز پر رکھ دیئے اور حیرت سے آنکھیں اور منہ پھاڑ کر کھڑے ہوئے مارنیو سے کہا۔

"اب ہم وہ جام پیئوں گا مارنیو"

میں کاؤنٹر سے ٹیک لگا کر ذرا گھوم گیا اس طرح کہ دان ہوذن اور جو ماس کی طرف میری پشت تھی یعنی اب میرا رخ جوراڈو اور اس کے ساتھی کی طرف تھا۔ وکٹوریہ ایک دو گز دور کھڑی ہوئی تھی اور جب میں نے اس کی طرف دیکھا تو وہ مسکرائی۔ میں نے اپنے ہاتھ کی دو انگلیاں اپنے ہونٹوں پر رکھ کر "پچ" کی آواز سے انھیں چوما اور یہ بوسہ اس کی طرف اڑا دیا۔ خاموشی میں کسی کے لمبا سانس لینے کی آواز گونج گئی۔

میں نے دیکھا کہ ناشیتا کی شہادت کی انگلی اس کی پرانی ونچسٹر بندوق کی لبلبی پر جم گئی تھی۔

مارنیو نے اپنی بہترین وہسکی کی بوتل اور ایک جام کاؤنٹر پر رکھ دیا۔

"تم میرے دوستوں کو بھول رہے ہو مارنیو" میں نے کہا۔

اس کے بشرے سے انتہائی کرب کے آثار پیدا ہوئے۔ بیچارا مارنیو۔ اس کی سمجھ میں نہ آرہا تھا کہ وہ کیا کرے۔ جوراڈو نے اس کی مشکل آسان کردی۔ اس کے بڑے سے پنجے نے بوتل کی گردن دبوچ لی۔

"نہیں" اس نے کہا

وہ میرے بہت قریب تھا، اس کا جسم مجھ پر تقریباً جھکا ہوا بے نہایا اور بگڑا جسم اور اس سے اٹھتی ہوئی دھول اور پسینے کی بدبو ناقابل برداشت تھی۔

"میرے دوست! آج تک کسی نے تمہیں بتایا نہیں کہ تمہارے جسم سے مرے ہوئے سور کی بدبو اٹھ رہی ہے؟" میں نے کہا۔

وہ بت بن گیا۔ اسے یقین نہ آ رہا تھا کوئی سب کے سامنے اور بھری محفل میں اس کی توہین کرنے کی جرأت کر سکتا ہے خصوصاً وہ شخص جو قد و قامت میں اس سے چھوٹا تھا۔

اس نے آہستہ آہستہ بوتل کی گردن چھوڑ دی۔ اس کے اس عمل میں بھی ایک طرح کا وقار تھا۔ میں نے بوتل اٹھائی بلند کی اور تڑاخ سے اس کی کنپٹی پر دے ماری۔ بوتل کے ٹوٹنے کے چھناکے کے تقریباً ساتھ ہی ساتھ جیرواڈ کے منہ سے چیخ نکل گئی۔ وہ لڑکھڑا کر پیچھے ہٹا تو میں نے اس کے خول سے پستول گھسیٹ کر دلان ہوزن کی طرف پھینک دیا۔

جیرواڈ گھوم رہا تھا۔ اس کی کنپٹی سے تیزی سے بہہ کر اس کے چہرے کو سرخ کر رہا تھا ــــ کہ میں نے قریبی کرسی اٹھا کر اس کے بڑے سے سر اور شانوں پر ماری ــــ ایک بار، دو بار اور بار بار یہاں تک کہ وہ ٹوٹ گئی۔

وہ گھٹنوں کے بل گرا۔ ایک لمحے تک یونہی بیٹھا رہا، پھر اٹھا اور کھا جانے والی نظروں سے میری طرف دیکھنے اور ایک ہاتھ سے خون پونچھنے لگا۔

"حرامزادے لیطنے" میں نے گھونسے تان کر کہا "آجاؤ۔ اب مقابلہ ہو جائے"

کہتے ہیں کہ میرے والد اگر چاہتے تو ہیوی ویٹ باکسر بن جا سکتے تھے لیکن انہوں نے اس طرف کوئی دھیان نہ دیا۔ تاہم وہ بہت عمدہ اور کامیاب مکے باز تھے اور اپنی جوانی میں باب فیزی مونس جیسے مکے بازوں سے مقابلہ کر چکے تھے۔

"جب میں اسکول میں تھا تو اپنے چھوٹے قد کی وجہ سے اکثر لڑکوں سے پٹ جاتا تھا اور ویسے بھی ذیادہ تر ہی جھگڑالو تھا۔ اور پھر ایک دفعہ کسی بات پر میرا دو لڑکوں سے جھگڑا ہو گیا اور میں اس حال میں گھر پہونچا کہ میرا چہرہ لہولہان تھا میرے دادا میکین ہاؤن کونگ نے میرے لہولہان چہرے کا معائنہ کیا اور حالانکہ اس وقت ان کے ہونٹوں پر مسکراہٹ تھی لیکن ان کی بھوری آنکھوں میں جو چمک آگئی تھی وہ بے حد خوفناک تھی۔

"دو سے تمہے دو کھوں؟ انھوں نے اپنا کوٹ اتار کر ایک طرف رکھا، مجھے لے کر باہر صحن میں آگئے اور مجھے مکے بازی کا پہلا سبق دیا اور پھر اس وقت تک میری یہ تعلیم جاری رہی جب تک کہ میں نے اس فن کے سارے استادانہ داؤ پیچ نہ سیکھ لئے۔

تو میرا قد صرف ساڑھے پانچ فٹ تھا اور وزن نو سٹون۔ لیکن اپنے چھوٹے قد اور دبلے پتلے جسم کے باوجود بھی اپنی مکے بازی سے کسی کا بھی بھرکس نکال سکتا تھا جیسا کہ اس رات راؤل جر ساڈونہ کو معلوم ہو گیا۔

ایک زبردست دھاڑ کے ساتھ وہ مجھ پر جھپٹ پڑا، میں اس کا وار بچا گیا اور دائیں ہاتھ کا گھونسہ اس کے منہ پر رسید کر دیا۔ اس کے ہونٹ پھٹ گئے اور خون بہنے لگا بائیں ہاتھ کا دوسرا گھونسہ اس کے سینے پر جڑ دیا اور میں نے اور قریب بیٹھے ہوئے لوگوں نے بھی چابک کے چٹاخ کی سی آواز سنی۔ ایسی آواز اس وقت پیدا ہوتی ہے جب جسم کے اندر ہڈی سے ہڈی ٹکرا جاتی ہے۔

مکے بازی کی کامیابی کا راز ٹانگوں کی چلت پھرت، پھرتی، حریف کو سنبھلنے

اور بچاؤ کرنے کا وقت نہ دینے میں مضمر ہے اور میں نے اپنے حریف کو یہ وقت نہ دیا۔ میں پھرتی سے اس کے دائیں بائیں اور آگے پیچھے گھومتا اس کے گھونسے آسانی سے بچاتا اور تقریباً اتنی ہی آسانی سے اس کے جسم کے مختلف حصوں پر گھونسے برساتا رہا۔

بھیڑ بکھر گئی تھی۔ اکثر لوگ دروازے کی طرف بھاگ رہے تھے اور باہر والے لوگ بند کھڑکیوں کے شیشوں میں سے اندر جھانک رہے تھے جونا اس اب بھی اپنی کرسی پر اپنی چھڑی کی موٹھ پر دونوں ہاتھ رکھے بیٹھا ہوا تھا اور اس کا چہرہ پسینے سے چمک رہا تھا لیکن وان ہوزن اٹھ کھڑا ہوا تھا۔ اس کے ہاتھ میں چوبیس بور کا پستول تھا۔

میرا خیال ہے کہ جوش اور غصے کے اندھے پن میں، میں بے پروا ہو گیا تھا اور اس کی کلائی سے بندھے ہوئے چرمی کوڑے کو بھول کر اس کے دائیں بائیں اور آگے پیچھے ناچ رہا تھا کہ ایک بار پھر اس پر گھونسے برسا دوں ــ اور اس نے اندھا دھند کوڑا چلا دیا، وہ میرے چہرے پر پڑا، میری گردن سے لپٹ گیا اور میرے منہ سے درد و تکلیف کی چیخ بے اختیار نکل گئی۔

اس سے بھی بری بات یہ ہوئی کہ جب اس نے ایک جھٹکے کے ساتھ کوڑا اپنی طرف کھینچا ہے تو، چونکہ وہ میری گردن سے لپٹا ہوا تھا میں بھی اس کے ساتھ جو راڈو کی طرف کھنچتا چلا گیا اور اس سے پہلے کہ میں سنبھل سکتا اس نے میری کنپٹی پر جھکولا دینے والا گھونسہ رسید کر دیا۔ میں لڑکھڑا کر کاؤنٹر کی طرف اٹھے قدموں ہٹا تو جو راڈو کے ساتھی نے اپنی ٹانگ کا اڑنگا لگا کر مجھے چت گرا دیا۔

جو راڈو نے جھپٹ کر اپنا ایک پیر اٹھایا کہ اپنے وزنی جوتے سے میرا چہرہ کچل ڈالے لیکن میں عین وقت پر ایک طرف لڑھک گیا، دونوں ہاتھوں سے

اس کا پیر پکڑ کر پوری قوت سے مروڑ دیا، جوراڈو دانے زبردست بوجھ بیت مجھ پر گرا۔ اور اب ہم میزوں اور کرسیوں کے درمیان لڑھک رہے تھے اور انگلیوں سے ایک دوسرے کی آنکھیں نکال لینے کی کوشش کر رہے تھے۔

اور جب ہم نے لڑھکنا بند کیا ہے تو جوراڈو نیچے اور میں اوپر تھا۔ لیکن اس سے پہلے کہ میں کچھ کر سکتا وہ اپنی ایک ٹانگ کھینچ کر گھٹنے کی ضرب میرے سینے پر لگا چکا تھا۔ میں اچھل کر دور گرا۔

میں ایک دم سے اٹھ کھڑا ہوا اور جوراڈو بھی مقابلے کے لئے اٹھا اس کے چہرے پر خون کی چھینٹے نقاب چڑھی ہوئی تھی اور میں خوفزدہ نہ تھا۔

اور جب میں اس کے چاروں طرف چکر کاٹ رہا تھا تو میں نے دیکھا کہ کٹوڑیہ دروازے میں کھڑی ہوئی تھی، اس کی آنکھوں سے شعلے نکل رہے تھے اور وحشی بلی کی طرح اس کے ہونٹ دانتوں پر کھنچ گئے تھے، وہ آگے بڑھنے کی کوشش کر رہی تھی لیکن ناشیتانے اسے بازو سے پکڑ کر روک رکھا تھا

جوراڈو اب مجھے زندہ چھوڑنے والا نہ تھا۔ مجھے اس کے چہرے پر کے جذبات سے معلوم ہو گیا۔ اس کے ہاتھ ایک دم سے اوپر اٹھ کر آگے بڑھ گئے، اس کی دسوں انگلیوں نے مڑ کر کسی خونخوار درندے کے پنجوں کی شکل اختیار کر لی اور پھر جوراڈو نے زخمی بھینسے کی طرح مجھ پر حملہ کر دیا۔

میں نے ایک کرسی اس کے راستے میں لڑھکا دی، وہ اندھا دھند جھپٹا تھا، سنبھل نہ سکا، کرسی سے ٹکرایا، گھٹنوں کے بل گرا اور ابھی اٹھا نہ تھا کہ میری لات اس کی کنپٹی پر پڑ چکی تھی۔

اور اس رات دوسری دفعہ جوراڈو فرش پر گھٹنوں اور ہاتھوں کے بل اس جانور کی طرح بیٹھا رہا جس کے سر پر موٹا سا ڈنڈا مار گیا ہو۔

اس کے دوست نے، جو کاؤنٹر کے قریب کھڑا ہوا تھا، غالباً یہ سوچ کر اپنا پستول گھسیٹ لیا کہ اب میں جوراڈو کا خاتمہ کر دوں گا۔ اس نے بڑی تیزی سے پستول گھسیٹا تھا لیکن جوناس اس سے بھی زیادہ پھرتیلا ثابت ہوا۔ اس نے اپنے چھڑی میں سے کٹار گھسیٹ لی، دو فٹ لمبی کٹار فضا میں بجلی کی طرح کوند گئی اور جوراڈو کے ساتھی نے ایک چیخ کے ساتھ پستول ہاتھ سے چھوڑ دیا۔ اب پستول فرش پر پڑا تھا اور جوراڈو کا ساتھی اپنے ایک ہاتھ سے دوسرے ہاتھ کی کلائی پکڑے تھا اور اس کی کلائی سے جیتا جیتا خون بہہ رہا تھا۔

اور اس وقت جوراڈو اور اس کی بھینسے جیسی جسمانی قوت نے مجھے حیرت زدہ کر دیا۔ وہ اٹھا اور سر جھکا کر توپ کے گولے کی طرح میری طرف آیا لیکن خوش قسمتی سے نشانہ چوک گیا۔ بجائے اس کے کہ اس کا سر میرے پیٹ پر لگتا اس کے شانے مجھ سے ٹکرا گئے اور یہ ٹکر ایسی زوردار تھی کہ میں اچھل کر دیوار سے جا ٹکرایا۔ غالباً اس کا پیر پھسل گیا تھا۔ ورنہ وہ میرے پیٹ پر اپنا سر مار کر میرا خاتمہ کر چکا ہوتا۔

میں سیدھا کھڑا ہوا تو وہ ایک بار پھر میری طرف آیا۔ میں غوطہ مار کر اس کے بازو کے نیچے گھس گیا، اس کا ہاتھ پکڑا، کمر میں سے جھکا، اس کا بازو مروڑ کر جوراڈو کو اپنی کمر پر لیا اور اٹھا کر کھڑکی سے باہر پھینک دیا۔

باہر کھڑے ہوئے تماشائی یوں بکھر گئے جس طرح کانچ پر پتھر گرے تو کانچ کی کرچیاں بکھر جاتی ہیں۔ میں اچک کر کھڑکی کی دہلیز پر اور وہاں سے کود کر برآمدے میں عین اس وقت پہنچا جب جوراڈو اٹھنے لگا تھا۔ میں نے اپنے جوتے کی نوک کی ٹھوکر اس کی ٹھوڑی کے نیچے جما دی اور وہ ایک بار پھر سڑک پر چت پڑا تھا۔

وہ وہیں پڑا رہا۔ میں چوٹوں اور تھکن سے نڈھال ہو رہا تھا چنانچہ میں برآمدے کے ایک ستون کا سہارا لینے پر مجبور ہوگیا اور تب میں نے گھوم کر دیکھا۔ کوئی چار پانچ گز دور اور بھیڑ کے آگے وکٹوریہ کھڑی ہوئی تھی۔ اس کے چہرے کا رنگ مردے کی طرح سفید ہو رہا تھا اور آنکھیں بہت زیادہ پھیل گئی تھیں۔ میں مسکرایا یا میرے خیال میں میں مسکرایا کیونکہ اس وقت میرا چہرہ ایسا ہو رہا تھا کہ دیکھنے کے قابل رہا ہوگا اور اس پر مسکراہٹ جیسی کوئی چیز شاید نظر ہی نہ آسکتی تھی۔

اور پھر — میرے خدا — ایک معجزہ ہوا۔

وکٹوریہ کی آنکھیں انتہائی خوف سے پُر ہوگئیں، اس کا چہرہ یوں ہوگیا جیسے کوئی آئینہ ٹوٹ رہا ہو اور اس کا منہ پوری طرح سے کھل گیا — وہ چیخنا چاہتی تھی لیکن اس کے منہ سے آواز نہ نکل رہی تھی۔ چنانچہ اس بے آواز چیخ کے بعد اس کے اونچی آواز میں میرا نام پکارا۔

"ایم — لیمٹ —"

بے شک لفظ بیچ میں سے ٹوٹ گیا تھا لیکن اس نے صاف طور سے میرا نام لیا تھا اور وہ بھی لڑکھڑاتی زبان میں نہیں۔

عین اس وقت جوراڈو ایک ہاتھ میں کھلا چاقو لے کر میری طرف لپکا۔ چنانچہ میں اس طرف گھوم گیا اور اسی وقت ناشتیا اندھیرے میں سے نکل آیا، اس نے خود اپنا چاقو نکال کر اور یوں نشانہ باندھ کر پھینکا کہ وہ میرے عین قدموں میں، اور برآمدے کے چوبی فرش پر پیوست ہوگیا۔

اس وقت میرے بدن میں نئی قوت آگئی تھی — نیا جوش پیدا ہوگیا تھا میرا نام اس ہستی نے پکارا تھا جو مجھے دنیا میں سب سے زیادہ تھی۔ بعد میں خود نہ

وکٹوریہ نے مجھے بتایا کہ جب میں ناشتیا کا پھینکا ہوا چاقو اٹھا کر جوراڈو سے ٹکر لینے کے لئے سڑک پر کودا تھا تو اس وقت میرے چہرے پر کے جذبات بڑے لرزہ خیز تھے۔

یقینا جوراڈو بھی میرے چہرے پر کے جذبات دیکھ کر لرز گیا ہوگا۔ کیونکہ اس نے اپنا چاقو پھینک دیا اور لڑکھڑاتی ٹانگوں پر اپنا شکستہ جسم سنبھالے پلٹا اور اندھیرے میں جا کر غائب ہو گیا۔

میں گھوم گیا اور دوزخ سے نکلے ہوئے خشمناک عفریت کی طرح بھیڑ سے ایک ایک شخص کو للکارا کہ جس میں ہمت ہو آ جائے۔ لیکن سب کے چہرے زرد تھے اور ان سے خوف عیاں تھا۔

اور پھر وان ہوزن برآمدے سے اتر کر نیچے آیا اور اس نے اپنا ایک ہاتھ میرے سینے پر یوں رکھ دیا جیسے مجھے اوندھے منہ گرنے سے بروک رہا ہو۔ اس نے کچھ کہا اور مجھے اس کی آواز پاتال میں سے آتی معلوم ہوئی۔ بہرحال اس وقت میں ایک ہستی سے ملنا چاہتا تھا۔ کسی وجہ سے وکٹوریہ رو رہی تھی۔ اب یہ کیوں تھا؟ اور دفعتہ مجھے یاد آ گیا۔

"میرا نام؟ کیا ہے میرا نام؟" میں نے جلدی سے پوچھا۔ میرے لہجے میں اور دل میں بھی خوف تھا۔ لیکن ڈرنے کی کوئی بات نہ تھی۔ وہ سحر ٹوٹ چکا تھا جس نے اس کی زبان پر قفل لگا دیا تھا۔

"ایم۔ میٹ" اس نے کہا۔ "ایم۔ میٹ!"

"وکٹوریہ!" میں نے کہا "اس سے پہلے کہ میں یہاں ڈھے کر سب کی نظروں میں اپنے آپ کو اور سب کو ذلیل کر دوں۔ یہاں سے چلو۔"

میرا ایک بازو وکٹوریہ اور دوسرا ناشیتا نے پکڑ لیا اور ہم سب لوگوں کو وہیں چھوڑ کر آگے بڑھ گئے۔

وہ مجھے پڑاؤ میں اور اپنے خیمے میں لے آئے اور میں وہاں سرد اندھیرے میں لیٹا رہا اور رات میری چوٹیں سہلاتی رہی۔ کچھ دیر بعد وکٹوریہ پانی سے بھرا ہوا پیالہ اور ایک کپڑا لے کر خیمے میں داخل ہوئی وہ آہستہ آہستہ میرا چہرہ پونچھنے لگی۔

میں تھکا ہوا تھا، میرا سر ایک طرف ڈھلک گیا تھا لیکن میں اپنے حواس میں تھا۔ میں نے اس کے ہاتھ پکڑ لئے اور کہا :۔

"وکٹوریہ — بولو — کچھ بھی کہو۔ میں تمہاری آواز سننا چاہتا ہوں"

وہ قدرے ہچکچائی لیکن پھر اس نے رک رک کر، ایک ایک لفظ الگ الگ ادا کر کے قدرے بیٹھی ہوئی آواز میں کہا :۔

"کیا کہوں"

"بس ٹھیک ہے۔ اب کچھ بھی کہنے کی ضرورت نہیں"

اور میں دیوانوں کی طرح ہنسنے لگا اور پھر اندھیرے نے مجھے اپنی آغوش میں لے لیا۔

جب مجھے ہوش آیا ہے تو خیمے کی دیواروں پر شعلوں کے سائے ناچ رہے تھے اور آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔ ایک دو لمحوں بعد ہی میں نے پہچان لیا کہ ان میں سے ایک آواز دان ہوزن کی تھی۔

میں رینگتا ہوا خیمے کے دروازے میں پہنچا میرے اعضا اتنے اکڑ گئے تھے کہ یقین نہ آتا تھا کہ ایسا ہو سکتا ہے۔ وہ تینوں الاؤ کے قریب بیٹھے ہوئے تھے اور کافی مضطرب رہے تھے۔ سب سے پہلے ناشیتا کی نظر مجھ پر پڑی اور اس کے تقریباً فوراً بعد ہی دان ہوزن اور وکٹوریہ میری طرف گھوم گئے۔

دوسرے ہی لمحہ وکٹوریہ میرے قریب تھی اور مجھے سہارا دے رہی تھی۔

"تمھیں تو آرام کرنا چاہیے تھا"

اس کے لہجے میں اب بھی وہی غیر قدرتی پن تھا حالانکہ خفیف سا۔

دان ہوزن نے پوچھا۔

"کیسے ہو؟"

"بے حد بوڑھے شکاری کتے کی سی کمزوری محسوس کر رہا ہوں"

"کیا تماشہ پیش کیا ہے یار۔ تم واقعی مرد اور بہادر ہو" میرا پستول مع اپنے ہولسٹر کے دان ہوزن کے قریب پڑا ہوا تھا۔ اس نے وہ اٹھاتے ہوئے اضافہ کیا "یہ تم اپنے کمرے میں چھوڑ آئے تھے اور میں اسے اس خیال سے لے آیا ہوں کہ شاید تمھیں اس کی ضرورت پڑ جائے"

یقیناً اس کے یہاں آنے کی غرض محض یہ ہی نہ تھی۔ اور یہ میں جانتا تھا۔

"جوناس کہاں ہے؟" میں نے پوچھا۔

"اس نے آج رات جلد ہی سو جانے کا فیصلہ کر لیا ہے"

میں اب بھی اپنے سر میں گرانی محسوس کر رہا تھا۔ دماغ کچھ ماؤف سا تھا اور میں ٹھیک سے سوچ نہ سکتا تھا اور یہ بری بات تھی۔

"پہلے مجھے اپنے دماغ پر سے دھند ہٹانی ہے" میں نے کہا "اور یہ کام بڑی عجلت میں ایک ہی ترکیب سے کیا جا سکتا ہے۔ میں لیکن آیا۔

آسمان میں پورا چاند تیر رہا تھا اور درختوں کا جھنڈ اندھیرے اجالے کا الجھڑا بنا ہوا تھا اور اس کے دوسری طرف آبشار چاندنی میں سیال چاندی کی طرح معلوم ہو رہا تھا۔

میں نے کپڑے اتارے اور رات کی ٹھنڈی ہوا میں کھڑا اپنے جسم کو ٹٹولتا رہا کہ کہیں کوئی خطرناک چوٹ تو نہ آئی تھی۔ میری پسلیاں اور ہڈیاں بھی سلامت تھیں۔ اس کے بعد میں چھوٹے گول پتھروں کا مختصر سا میدان عبور کر کے پانی میں اتر گیا۔

پانی اس قدر سرد تھا کہ ہڈیوں کا گودا منجمد ہو گیا۔ کم از کم مجھے تو ایسا ہی معلوم ہوا۔ اپنی چیخ روک کر میں دوسرے کنارے تک تیرتا چلا گیا اور پھر واپس آیا۔ میرا یہ عمل حیرت انگیز طور پر مفید ثابت ہوا اس کے بعد میں چند سکنڈ کے لئے آبشار کے نیچے کھڑا رہا کیونکہ یہ تالاب کسی بھی جگہ چار فٹ سے زیادہ گہرا نہ تھا۔

میں اس برفاب میں دس سکنڈ سے زیادہ نہ ٹھہر سکا اور جب کنارے پر پہنچا ہوں تو وہاں واں ہوزن میرا پستول لئے کھڑا تھا۔

"ایک بار پھر تم یہ بھول آئے" اس نے اپنا سر ہلایا۔ "بس عورتیں مرد کو ایسا ہی بنا دیتی ہیں کہ بس۔ یہ انجام کی ابتدا ہے"

"سچ کہتے ہو" میں نے کہا اور وہ کمبل پکڑ لیا جو اس نے میری طرف پھینک دیا تھا۔ "لیکن کیا انجام ہے یار"

وہ مسکرایا۔

"تو معلوم ہوا کہ تمہارا دماغ ایک بار پھر کام کرنے لگا ہے۔ یہ اچھی بات ہے یہ تو۔ اب یہ بتاؤ کہ کیا واقعی تم خودکشی کی کوشش اکثر کیا کرتے ہو؟"

میں نے اپنا جسم پونچھتے ہوئے شانے اچکائے۔

"تم تو جانتے ہی ہو کہ .....؟"

وہ اپنا سگار سلگا رہا تھا، رک گیا۔ تیلی اس کے ہاتھ میں سلگ رہی تھی۔

"نہیں" اس نے کہا۔ "غالباً میں نہیں جانتا؟"

"بات یہ ہے کہ میں اس بات کو برداشت نہیں کر سکتا کہ کوئی مجھے ذلیل و حقیر اور کمزور سمجھ لے"

میں نے کہا" اور جب کوئی ایسا کرتا ہے کہ مجھ میں سویا ہوا شیطان جاگ اٹھتا ہے اور جیرالڈ جیسے لوگ میرے اس شیطان کو جھنجوڑ دیتے ہیں۔ جیرالڈ نے غالباً میرا چھوٹا قد دیکھ کر سمجھ لیا تھا کہ میں حقیر اور کمزور ہوں۔ چنانچہ اس سے نپٹ جاؤں گا"

"ٹھیک کہتے ہو" دان ہوزن نے تلخی سے کہا۔

میں نے اپنی قمیص پہن کر پتلون کی جیب میں سے سگریٹ کا تڑا مڑا پیکٹ نکال لیا۔

"کیوں ملنے آئے ہو مجھ سے؟"

"کل کے متعلق کہنے آیا ہوں۔ بھول گئے۔؟"

"جو کچھ ہوا ہے اس کے بعد بھی تم اس مجسمے کا جلوس نکالنا چاہتے ہو۔؟ حماقت ہے یہ تو"

"جیسا کہ میں نے کہا ہے میں ٹھیک ساڑھے نو بجے گرجا سے باہر آجاؤں گا اور مجھے روکنے کے لئے تامس بھی آجائے گا"

"اور اس کے ساتھ کم سے کم بارہ آدمی ہوں گے"

اور وہ سب کے سب ہمارے جال میں پھنس جائیں گے۔ دیکھو نقشہ

یوں ہوگا۔

اس نے درخت کی ایک ٹہنی تلاش کر لی اور ریت پر نقشہ بناتے ہوئے بولا۔

" میں یہاں ہوں گا، گرجا کے برآمدے میں، مجسمہ اس تھیلے میں رکھا ہوا ہوگا جو مارنیو سے میں مانگ لایا ہوں۔ میرے پاس میری مشین گن اور دو تین دستی بم تیار ہوں گے۔

عجیب بات ہے کہ دماغ ہمارے ساتھ کیسی ستم ظریفیاں کرتا ہے۔ ماضی میں ایسے ہی کئی نقشے میں نے بنائے تھے اور ان پر عمل بھی کیا تھا۔

" اور جناس" میں نے پوچھا۔

" وہ وہیں گھنٹے کے مینار میں ہوگا۔ ٹھیک اسی جگہ جہاں گزشتہ کل تھا۔ وہ دوسری مشین گن لیے بیٹھا ہوگا۔ تم صحن کی دوسری طرف ہوگے" اس نے اپنے بنائے ہوئے نقشے میں وہ جگہ بتائی" جہاں ایک ٹوٹا ہوا اصطبل ہے جسے اب کوئی استعمال نہیں کرتا میں آج رات اس اصطبل میں گیا تھا اور وہاں تمہارے لئے ونچیسٹر بندوق اور تین دستی بم رکھ آیا ہوں۔ یہ چیزیں تمہیں اٹاری کے دروازے کے قریب، دائیں طرف کے کونے میں ایک پھانے تھیلے کے نیچے مل جائیں گی"۔

" اور جنگ کا نقشہ؟"

اس سے بہتر ہو ہی نہیں سکتا۔ اصطبل سے گرجا تک صرف چالیس گز کا فاصلہ ہے۔ میں نے اپنے قدموں سے ناپ لیا ہے۔ نہ ایک گز زیادہ، اور نہ ایک گز کم۔ اٹاری کے دروازے میں سے اور اتنے کم فاصلے سے یقیناً تمہارا ایک بھی نشانہ خطا نہ جائے گا۔ چنانچہ وہ لوگ تین طرف سے گھر جائیں گے اور تین طرف سے ان پر آتش برسے گی۔

میں نے وان ہوزن کے بناتے ہوئے نقشے پر نظر بن جاکر ہر پہلو پر غور کیا اس کی تجویز میں کوئی خامی بات نظر نہ آئی سوائے اس عام خامی کے جو ہر تجویز میں ہوتی ہے یعنی یہ کہ اس دنیا میں کوئی چیز مکمل نہیں چنانچہ کسی چیز پر بھی اعتبار نہیں کیا جا سکتا۔ مطلب یہ کہ عین وقت پر کسی خلافِ توقع بات کا ہونا یقینی ہوتا ہے۔

"ایک بات ہے" میں نے کہا

"کیا؟"

"میں عین تمہاری طرف گولیاں چلا رہا ہوں گا، یہ سوچا ہے تم نے؟"

"بیٹے! میں اتنی تیزی سے والان میں چلا جاؤں گا کہ تم حیرت سے یہ سوچنے لگو گے کہ میں وہاں تمہارے سامنے تھا بھی کہ نہیں۔"

یہ بات اس نے بڑے یقین اور بشاشت سے کہی تھی۔

"بڑی مضحکہ خیز سی بات ہے" میں نے کہا۔ "لیکن اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ گزشتہ کل تم نے ڈان گرجا میں مجھے اور جوناس کو اپنی حرکت سے ششدر کر ڈال دیا تھا۔ میرا مطلب ہے جب تم نے مشین گن واپس رکھ دی تھی تو ہم نے سوچا تھا کہ تم اپنا پارٹ ادا کرنے میں ضرورت سے کچھ زیادہ سنجیدہ بن گئے ہو۔"

وان ہوزن ہنسا۔

"اس میں حیرت کی کیا بات ہے؟ یہ پارٹ میں پچاس اور تین ہزار ڈالر کے لیے کر رہا ہوں۔"

اور یہاں میں نے اسے گرفت میں لے لیا ہوتا کیونکہ صاف ظاہر تھا لیکن مجھے اس کا موقع نہ ملا کیونکہ عین اس وقت درختوں کے جھنڈ میں سے ناشیتا

بھورے بھوت کی طرح نکل آیا۔ اس کے بشرے سے ظاہر تھا کہ کوئی خاص بات ہوئی ہے۔

"کیا بات ہے؟" میں نے پوچھا۔

"ہمارے پڑاؤ میں ایک ملاقاتی آیا ہے" اس نے جواب دیا اور پھر دان ہوزن کی طرف گھوم گیا "آپ سے ملنے فادر"

"کون ہے؟"

"سینورتیا دی لا پلیٹیا"

اس رات تو بڑے حیرت انگیز واقعات ہو رہے تھے۔

وہ الاؤ کی روشنی کے حلقے سے چند قدم دور اپنے گھوڑے کی لگام پکڑے کھڑی تھی۔ اندھیرے میں اس کے چہرے پر کے جذبات تو نہ دیکھے تھے لیکن جب وہ بولی ہے تو اس کی آواز پُرسکون تھی۔

"بے وقت آمد کی معافی چاہتی ہوں فادر۔ لیکن میں آپ سے کچھ کہنے آئی ہوں۔ میں ہوٹل میں سینور جوناس کے پاس گئی تھی اور انھوں نے مجھے بتایا کہ شاید آپ یہاں مل جائیں گے۔

دان ہوزن نے اس کے ہاتھ سے لگام لے کر ناشیتا کے ہاتھ میں تھمادی اور کہا۔

"کہو۔ کیا بات ہے شیلا؟"

"بات یہ ہے فادر" اس کی آواز اب بھی پرسکون تھی" میں اپنے بھائی سے واقف ہوں۔ چنانچہ آپ سے صرف یہ کہنے آئی ہوں کہ میرا بھائی اپنے سائیوں

کے ساتھ آپ کے مقرر کردہ وقت پر گرجا میں پہنچ جائے گا اور اگر اس نے آپکو پایا تو بلا جھجک گولی مار دے گا، اس میں کسی شک وشبہ کی گنجائش نہیں ۔"

دان ہوزن نے اس کے دونوں ہاتھ تھام لئے اور وہ کوئی جواب دینے ہی والا تھا کہ شیلا ایک دم سے پھوٹ پڑی اور اس کے سینہ سے لگ گئی۔

"فادر! میری مدد کیجئے۔ خدا کے لئے میری مدد کیجئے۔ یہ خوفناک بوجھ اب میں اکیلی برداشت نہیں کرسکتی ۔"

دان ہوزن نے گردن گھما کر ہم تینوں کی طرف دیکھا، ایک لمحہ کے لئے شش و پنج میں رہا اور پھر شیلا کو لے کر خیمے میں چلا گیا۔

بہت دیر تک خیمے میں سے دبی دبی ہچکیوں اور کربناک رونے کی آوازیں سنائی دیتی رہیں اور پھر سرگوشیوں کی بھنبھناہٹ سنائی دی۔ بڑی مرعوب کن بات تھی یہ۔ کم سے کم میں تو یوں محسوس کر رہا تھا جیسے کسی نجی گفتگو کی کن سوئیاں لے رہا ہوں۔ ہم الاؤ کے قریب خاموش بیٹھے وہ تلخ کافی پی رہے تھے جو کلثوم ہیہ نے تیار کر لی تھی۔

کوئی آدھے گھنٹے بعد خیمے کے دروازے پر کا پردہ اٹھا کر وہ دونوں باہر آئے۔ پہلے شیلا باہر آئی۔ وہ مجھ سے نظریں چرا رہی تھی۔ اور جب میں نے اسکی طرف دیکھا تو وہ منہ پھیر کر تیزی سے اس طرف چلی جہاں ناشیتلانے اس کا گھوڑا باندھ رکھا تھا۔

دان ہوزن اس کے پیچھے تھا۔ گھوڑے کے قریب پہنچ کر وہ اس کی طرف گھوم گئی اور دعا کی طالب ہوئی۔ دان ہوزن بلا جھجک اس کے لئے

دعائیں پڑھنے لگا اور پھر اس نے اپنی انگلیوں سے ہوا میں صلیب کا نشان بنایا۔
وہ گھوڑے پر سوار ہوئی، اسے ایڑ لگائی اور اسے بھگا دیا۔ وان ہیلزنگ جہاں تھا وہیں کھڑا اس طرف یکتا رہا جس طرف شیلا گئی تھی۔ میں اٹھ کر اس کے قریب پہنچا اور اس سے پہلے کہ میں کچھ کہتا اس نے کہا۔
"میں چاہتا ہوں کہ تم صبح نو بجے اپنی جگہ پہنچ جاؤ۔ ہو سکتا ہے کہ تھامس جلد ہی آ جائے۔ اس سے پہلے اب ہمارا ملنا نہ تو مناسب ہے اور نہ ہی اس کی ضرورت ہے۔
اور وہ چلنے لگا لیکن میں نے لپک کر اس کا بازو پکڑ لیا۔
"ایک منٹ" میں نے کہا "یہ کیا ہو رہا ہے سب کچھ؟ کیا معاملہ ہے یہ؟"
"خود تم نے بھی تو سن لیا۔ وہ مجھے خبردار کرنے آئی تھی۔"
"وہ نہیں ——— دوسرا معاملہ"
"وہ اپنے دل و دماغ پر ایک زبردست بوجھ محسوس کر رہی تھی۔ ایک عرصے سے اس نے کسی پادری سے بات چیت نہ کی تھی۔ بس۔ اور کوئی بات نہیں ہے"
"تمہارا مطلب ہے کہ تم نے اس کے اعترافات سنے ہیں؟"
وہ ایک دم میری طرف گھوم گیا، اس کی آنکھیں حلقوں سے نکلی پڑ رہی تھیں۔ اس نے میرا گریبان پکڑ لیا۔
"کیوں کہ مضحکہ خیز بات معلوم ہوئی یہ کوں خ؟ تمہارے خیال میں کیا کرنا چاہئے تھا مجھے؟ انکار کر دیتا؟"
اگر میں نے کبھی کسی کی روح کو عذاب میں مبتلا دیکھا ہے تو وہ اس وقت دیکھ رہا ہوں۔

اس نے مجھے پیچھے ڈھکیل دیا اور غرا کر کہا۔

"بہر حال اس سے کیا فرق پڑ جاتا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ کل صبح نو بج کر پینتیس منٹ پر ہم سب مر چکے ہوں"

میں اسے جاتے دیکھتا رہا۔ چاندنی میں ایک لمبا تڑنگا سایہ سر جھکائے اور تیز تیز قدم بڑھاتا چلا جا رہا تھا۔ خدا جانے کیوں مجھے ایک دم سے شدید تنہائی کا احساس ہوا۔ بالکل ایسا ہی احساس جو میں نے اس وقت محسوس کیا تھا جب میں اپنے بھائی کی لاش کے قریب بارش میں کھڑا ہوا تھا۔

میں خیمے میں داخل ہوا اور کمبلوں کے بستر پر چت لیٹ کر خیمے کی چھت کی طرف خالی خالی نظروں سے دیکھنے لگا کچھ ہی دیر بعد وکٹوریہ میرے لئے کافی لے کر آ گئی۔ اس میں اس نے یقیناً کسی قسم کی خواب آور دوا ملا دی تھی کیونکہ اس کے پینے کے چند منٹوں بعد ہی میں گہری نیند سو رہا تھا۔

تیرھواں باب

میں بیدار ہوا تو خیمے کی چھت اور دیواروں پر بارش یوں بج رہی تھی جیسے ننھے ننھے بے شمار پرندے دوڑ لگا رہے ہوں۔ میں چت اور بے حرکت پڑا چھت میں لگی ہوئی آرڈی بتی کو دیکھتا رہا۔ میری تھکن دور ہو چکی تھی اور میں اپنے آپ کو تازہ دم محسوس کر رہا تھا۔ لیکن جب میں نے انگڑائی لینی چاہی تو اپنے ہاتھ اوپر نہ اٹھا سکا۔

لمحہ بھر تک میں سوچ میں پڑ گیا کہ کہیں میں اب تک نیند میں تو نہ تھا

اور میں یہ خواب تو نہ دیکھ رہا تھا ؟ ۔ لیکن نہیں میں پوری طرح بیدار تھا اور یہ حقیقت تھی ۔ چنانچہ جب میں نے دیوانہ وار ٹانگیں چلائیں تو یہ انکشاف ہوا کہ میرے ہاتھ پاؤں بندھے ہوئے تھے ۔ جی ہاں ۔ میرے ہاتھ اور پیر جکڑے ہوئے تھے ۔ چند ثانیوں تک میں چیختا اور آوازیں دیتا رہا اور تب خیمے کے دروازے پر کا پردہ اٹھا کر اندر آیا اور مجھ پر جھک گیا اس کے بشرے سے سنجیدگی عیاں تھی ۔

" وکٹوریہ کہاں ہے ؟ " میں نے پوچھا ۔

" لکڑیاں چننے چشمے کے کنارے گئی ہوئی ہے ۔

میں نے اٹھ بیٹھنے کی کوشش کی تو ناشیتا نے نفی میں سر ہلایا ۔

" نہیں سینیور " ۔

" نہیں کیا ؟ "

" تم آج صبح ابو ڈانہ جاؤ گے سینیور ۔ وہ نہیں چاہتی ۔

میں نے پرسکون رہنے کی کوشش کرتے ہوئے پوچھا : ۔

کیا بجا ہے اس وقت ؟ "

" نو بجنے میں کچھ منٹ باقی ہیں "

" خدا کے لئے ناشیتا ۔ کھول دو مجھے "

اس سے درخواست کرنا یا اسے سمجھانا فضول تھا کیونکہ وہ اٹھ کر باہر چلا گیا ۔ اس کے بعد میں اور کچھ نہ کر سکتا تھا سوا اس کے کہ کمبل اپنے پر سے اٹھا کر پھینک دوں اور یہ کچھ مشکل نہ تھا کیونکہ میرے ہاتھ کلائیوں پر سے ڈھیلے ڈھیلے بندھے ہوئے تھے غالباً اس لئے کہ وکٹوریہ نہ چاہتی تھی کہ رسی میرے گوشت میں اتر جائے اور مجھے تکلیف ہو ۔

اب میں بھوکتا ہوا سر جھکا کر خیمے سے باہر آیا۔ سنبھلنے کی کوشش کی سنبھل نہ سکا اور اوندھے منہ گرا۔ انھوں نے خیمے کے باہر دو بلیوں پر موانے تار پولیس کا سائبان سا تان دیا تھا جس کے کنارے پر سے بارش کی مسلسل دھاریں گر رہی تھیں۔ اور سامنے پہاڑوں پر سے دھند اتر آئی تھی جو نظر کو اپنے میں الجھا کر آگے بڑھنے سے روک رہی تھی۔

میں نے اٹھ بیٹھنے کی کوشش کی اور ناشیپا الاؤ کے قریب سے اٹھ کر آیا، اور میری بغلوں میں ہاتھ دے کر مجھے اٹھایا اور قریب رکھی ہوئی زین کے سہارے مجھے بٹھا دیا۔

عین اس وقت درختوں کے جھنڈ میں سے وکٹوریہ نکل آئی۔ وہ اپنے بازوؤں پر خشک ٹہنیوں کا گٹھا اٹھائے ہوئے تھی بارش سے بچنے کے لئے اس نے پرانے کمبل کا کوٹ اور بڑے چھجے کی ہیٹ پہن رکھی تھی۔

"وکٹوریہ! اس سے کیا ثابت کرنا چاہتی ہو تم؟" میں نے پوچھا۔

"اس نے ٹہنیاں زمین پر پھینک دیں اور اکڑوں بیٹھ کر الاؤ میں لکڑیاں ڈالنے لگی اس نے کوئی جواب نہ دیا۔

"گزشتہ رات تمھاری زبان کھل گئی تھی یا ایک بار پھر بولنا بھول چکی ہو تم" میں نے دانت پیس کر کہا" جواب دے کتیا"

ناشیپا کے ہاتھ کا ایک زناٹے کا تھپڑ میرے گال پر پڑا۔ وکٹوریہ تیزی کا سے لپک کر ہم دونوں کے درمیان آ گئی اور ناشیپا کو پیچھے دھکیل دیا پھر اس نے رک رک کر الفاظ تول تول کر جیسے دور سے آتی ہوئی آواز میں کہا۔

"تمھارا دوست آج صبح مر جائے گا۔ یقین ہے"

"لیکن میں نہیں۔ یہی چاہتی ہو نا تم؟"

ناشتیا ایکدم سے بندوق لے کر اٹھ کھڑا ہوا۔ لیکن اب وقت گزر چکا تھا گھوڑدوں کی ٹاپوں کی چھپا کے چشمے کی طرف سے سنائی دیئے اور پھر گھوڑسوار درختوں کے جھنڈ میں سے نکل آئے اور پڑاؤ کو گھیر لیا۔ ان کی تعداد میں ساتھیں تھے۔ میں نے ان میں سے دو تین کو پہچان لیا۔ جو رات کو دآن میں نہ تھا۔ پھر صف میں رخنہ پڑا اور ناص ڈکالا یلیٹا نکل کر سامنے آ گیا

اس نے اپنا مخصوص لباس پہن رکھا تھا البتہ اس وقت وہ کسی گھوڑ سوار افسر کا لمبا ملٹری کوٹ اپنے لباس پر پہنے ہوئے تھا جس کے بٹن تمام اس نے نہ لگائے تھے غالباً اس خیال سے کہ اگر ضرورت ہو تو وہ اپنا پستول گھسیٹ سکے۔

وہ چند لمحوں تک اپنے ابرو پر بل ڈالے میری طرف دیکھتا رہا۔ پھر گھوڑے پر سے اتر کر میرے قریب اکڑوں بیٹھ گیا۔

"ہم۔ م۔ م۔ غیر تی ساتھی۔ ایں سینور کوخ ہا لیکن مجھے یہ تو نہ بتایا گیا تھا۔"

"اس کا خیال ہے کہ اگر اس نے مجھے نہ روکا تو میں پادری کا ساتھ دوں گا اور مارا جاؤں گا۔"

"اچھا۔ اچھا!" اس نے وکٹوریہ کی طرف پھر ناشتیا کی طرف اور پھر میری طرف دیکھا۔ "اس کا یہ خیال شاید غلط نہیں ہے۔ یہ تو ایک ناقابل انکار حقیقت ہے کہ سفید فام ایک دوسرے کا ساتھ دیتے ہی ہیں۔"

"چلو یہ نہی سہی۔ میں اسے مرتے دیکھنا نہیں چاہتا۔ وہ ایک امریکی ہے۔ جانتے ہو نا؟ اگر تم نے اسے قتل کر دیا تو پھر اس سلسلے میں کچھ کرنے کے لئے سیاسی پارٹیاں حکومت پر زور ڈالیں گی۔"

"یہ انتخاب خود اس کا ہے، میرا نہیں؟"

"تو پھر مجھے چھوڑ دو اور میں اسے باز رکھوں گا"

"لیکن میں نہیں چاہتا کہ تم اسے سمجھاؤ" تاسی حیرت زدہ معلوم ہوتا تھا "اگر وہ شہید ہونا ہی چاہتا ہے تو میں اس کی یہ آرزو پوری کردوں گا"

مجھے اب بھی اپنا پارٹ ادا کرنا تھا۔ بالکل اس طرح کہ اسے یقین ہو جائے کہ میرا اس معاملے سے انسانی ہمدردی کے علاوہ اور کوئی واسطہ نہیں ہے۔

"لیکن کیوں؟ کیا مل جائے گا اس سے تمہیں؟"

اس نے ہاتھ ہلایا اور فوراً ہی اس کے ساتھی چند گز دور ہٹ گئے اور پھر وہ میری طرف جھک کر بولا۔

"مسٹر کوخ! تم نے کبھی اس بات پر بھی غور کیا ہے کہ جب مسیح یروشلم میں آیا تو وہاں کے حکمران اس کے ساتھ وہ سلوک کرنے پر کیوں مجبور ہو گئے جو انھوں نے کیا اس کے علاوہ ان کے لئے کوئی چارہ کیوں نہ رہ گیا۔؟ سیدھی سی بات ہے۔ وہ دونوں یعنی مسیح اور حکمران ایک ہی شہر میں ساتھ ساتھ نہ رہ سکتے تھے، اسی کو کہتے ہیں کہ ایک نیام میں دو تلواریں نہیں رہ سکتیں"

یہ بات اس نے بے حد سنجیدہ لہجے میں اور سنجیدہ چہرے سے کہی۔ مجھے شروع سے ہی شک تھا کہ اس شخص میں پاگل پن کا عنصر موجود ہے۔ اب اس کا مجھے یقین ہو گیا۔

"بے حد دلچسپ مثال دی ہے" میں نے کہا۔

"اور بالکل صحیح بھی۔ تم ہی بتاؤ مجھ جیسا شخص تادروان ہوزن کی دنیا میں یا وہ میری دنیا میں کس طرح سے رہ سکتا ہے؟ یہ ناممکن ہے اور یہ حقیقت ہے کہ میں زندہ ہوں، میرا وجود ہے جس کا مطلب ہے تمھارے اس پادری کا وجود ہے اور نہ رہنا چاہیئے"

اس کی اس مرلغیانہ منطق کو نہ تو سمجھنے کی ضرورت تھی اور نہ اس پہ بحث کرنے کی کیونکہ میں دیکھ رہا تھا کہ یہ شخص پاگل تھا۔

وہ اٹھ کھڑا ہوا، اس نے اپنی جیب سے شکاری چاقو نکالا اور اسے کھٹاک سے کھول کر بولا۔

•اب میں اجازت چاہوں مسٹر کوخ کیونکہ ٹھیک بارہ منٹ مجھے پادری وہاب سے ملنا ہے اور میں وقت کا بڑا پابند ہوں۔

وہ اپنے گھوڑے پہ سوار ہو گیا، باگ موڑ کر اسے الاؤ میں دوڑا دیا اور کافی کا برتن الٹ گیا۔

•مجھے افسوس ہے میرے دوست کہ میں تمہیں اس حال میں چھوڑ کر جا رہا ہوں۔ کسی نے تمہیں پہلے سے خبردار کر دیا ہو گا کہ تم اس لڑکی سے محبت کر کے آگ سے کھیل رہے ہو۔ چنانچہ اب تو معاملہ بہت آگے بڑھ گیا ہے۔ اب تو اپنے خدا سے دعا کرو کہ یہ وحشی لڑکی اپنا چاقو کبھی نہ کھولے ورنہ یہ تمہیں خصی کر دیگی۔•

اور وہ اپنے ساتھیوں کو لے کر دھند کی چادر میں گھس گیا۔

میں وکٹوریہ کی طرف گھوم گیا۔

•وکٹوریہ! مجھے کھول دو ـــ خدا کے لئے ـــ اب بھی وقت ہے۔

وہ جواب دیئے بغیر گھوم کر جانے لگی تو میں نے وہ کام کیا جس کے علاوہ کوئی چارہ نہ تھا۔ میں ایک دم سے آگے کی طرف جھکا اور اپنی بندھی ہوئی کلائیاں الاؤ میں دہکتے ہوئے انگاروں پر رکھ دیں۔ تکلیف ایسی شدید تھی کہ میں برداشت نہ کر سکا اور میرے منہ سے سسکیاں نکل گئیں۔

وکٹوریہ ایک دم سے بھاگ کر آئی اور مجھے پیچھے گھسیٹ لیا اور ایک بار پھر زمین سے ٹیک لگا کر بٹھا دیا۔

میں نے کہا "کشوریہ! اپنی اس حرکت سے تم کچھ پانے کی بجائے سب کچھ گنوا بیٹھو گی۔ تم سمجھتی ہو کہ اس غداری کے بعد تمہارے ساتھ نرم سلوک ہو گا؟ تمہارا خیال ہے کہ جب بھی میں تمہاری طرف دیکھوں گا تو مجھے یہ واقعہ یاد آئے گا اور یہ کہ اس کے بعد مجھے تم سے نفرت نہ ہو جائے گی؟"

اس کی کالی اور بڑی بڑی آنکھیں بھیگ گئیں اور میں نے سمجھ لیا کہ تیر نشانے پر بیٹھا تھا۔ وہ رو رہی تھی اور اس کی آنکھوں سے کرب ٹپکنے لگا۔ لوہا گرم تھا چنانچہ میں نے اپنا ہاتھ اس کی طرف بڑھا کر گویا آخری ضرب لگائی:

"اس سے پہلے کہ وقت گزر جائے۔ کھول دو۔"

اور یہ ضرب کاری تھی۔

اس کا ایک ہاتھ کمبل کے گریبان میں داخل ہوا۔ باہر آیا تو اس میں ایسا تیز چاقو تھا کہ اس نے ایک ہی وقت اور چشم زدن میں میرے بندھن کاٹ دیئے اور جب وہ میرے پیروں کے بندھن کاٹ رہی تھی تو نانیا خیمے میں سے نکل کر میرے قریب آیا اور میرا پستول مع خول میری طرف بڑھا دیا۔ میں نے پستول کا پٹکا شانے پر لٹکاتے ہوئے کہا۔

"وقت اتنا ہو گیا ہے کہ اب میں صدر دروازے سے نہ جا سکوں گا۔ اور کوئی راستہ ہے؟"

"بستی کے سرے پر فصیل ایک جگہ سے گر گئی ہے جس پر آسانی سے چڑھا جا سکتا ہے۔ آؤ میں دکھا دوں۔"

اور یہ کہتے ہوئے اس نے سوالیہ طور پر تقریباً اجازت طلب نظروں سے کشوریہ کی طرف دیکھا۔ اس نے اثبات میں سر ہلایا۔ وہ جانے کے لیے پلٹی تو میں نے اس کے ہاتھ پکڑ کر اسے اپنی طرف گھسیٹ لیا، اس کی آنکھوں میں آگئیں

ڈال کر مسکرایا اور کہا:۔

"وکٹوریہ! یقین کرو یا نہ کرو لیکن میں زندہ آنے کا ارادہ کر چکا ہوں۔"

لیکن اس نے یقین نہ کیا، لمحہ بھر کے لئے کچھ نہیں، اور یہ مجھے اس کی آنکھوں سے معلوم ہو گیا۔ اور سچ تو یہ ہے کہ صورت حال جیسی بھی اس کے پیش نظر تھی، مجھے بھی اپنے زندہ واپس آنے کا یقین نہ تھا۔

میں قریبی گھوڑے کی ننگی پیٹھ پر سوار ہو گیا۔ اس کے لگام بھی لگی ہوئی تھی لیکن اس کا وقت بھی نہ تھا چنانچہ میں نے وہ رسی، جو اس کے باندھنے کے لئے اس کے منھ سے بندھی ہوئی تھی۔ ہاتھوں میں بطور لگام لے کر اسے ایڑ مار دی۔ گھوڑا تڑپ کر بھاگ پڑا۔ میں گھونسے مار مار کر اسے اور بھی تیز بھگا رہا تھا۔

ایک لمحہ بعد ہی ناستیا میرے پہلو میں تھا۔ وہ ایک ہاتھ میں بندوق لئے بڑی شان سے اپنے گھوڑے پر بیٹھا ہوا تھا۔

ہم دونوں ناہموار اور ڈھلانی زمین پر اندھا دھند گھوڑے بھگاتے رہے اور ہر ہر قدم میرا دل اچھل کر میرے حلق میں پھنستا رہا اور پھر ہم ایک گہرے پہاڑی نالے میں۔ تھے جس میں بارش کا پانی بہہ رہا تھا لیکن وہ چند انچ سے زیادہ گہرا نہ تھا۔ دوسری طرف پہنچ کر نالے کے تقریباً عمودی کنارے پر چڑھے اور میدان میں اور گاؤں کے دوسرے سرے پر اور ٹوٹی ہوئی فصیل کے سامنے آگئے۔

جگہ جگہ سے فصیل ٹوٹ گئی تھی چنانچہ یہاں اس کی بلندی صرف دس فٹ رہ

گئی تھی۔ میں گھوڑے کو فصیل کے قریب لے آیا اور اس کی پیٹھ پر کھڑا ہو گیا ناستیا نے اپنا گھوڑا میرے گھوڑے سے لگا دیا کہ اسے تھام رکھا۔

اور یہاں میری پست قامتی نے مشکل پیدا کر دی جیسی کہ ہر وقت کرتی رہی تھی۔ دیوار کی چوٹی کوئی ایک فٹ اوپر تھی لیکن میں نے چھلانگ لگا کر چوٹی پکڑ لی۔ نکلی ہوئی اینٹوں نے پیر ٹکانے کی جگہ پیدا کر دی تھی چنانچہ میں آسانی سے اوپر پہنچ گیا۔

میں نے مڑ کر ناستیا کی طرف ہاتھ ہلایا اور دوسری طرف چھوٹے سے صحن میں کود گیا۔ سامنے کے سرے پر ایک دروازہ تھا۔ جو معلوم ہوا مقفل نہ تھا۔ جب میں نے یہ دروازہ کھولا تو دوسری طرف تنگ گلی تھی جو اس چوک تک چلی جاتی تھی جو چند ہی قدم دور تھا۔

جب میں نے چوک کے سرے پر پہنچ کر ذرا احتیاط سے جھانک کر دوسری طرف دیکھا تو معلوم ہوا کہ میں گرجا سے صرف چالیس گز دور تھا۔

وہ ٹھیلا، جس کا ذکر دان ہوزن نے کیا تھا، گرجا کے برآمدے کے سامنے اور صرف دو گز آگے تیار کھڑا تھا اور اس پر نئے اور رنگین کمبل یا شاید پردے ڈال کر اسے پوری طرح ڈھک دیا گیا تھا۔ سینٹ مارٹن دی پورس کا مجسمہ چھکڑے میں بڑی شان سے کھڑا ہوا تھا۔ دان ہوزن کہیں نظر نہ آ رہا تھا۔ جو ناس بھی کہیں دکھائی نہ دیتا تھا حالانکہ وہ یقیناً مینار میں مقررہ جگہ پر بیٹھ چکا تھا لیکن وہ وہاں بھی نظر نہ آ رہا تھا۔ چنانچہ معلوم ہوا کہ وہ اپنے آپ کو کامیابی سے چھپائے ہوئے تھا۔

گاؤں کے کنارے پر سے گھوڑوں کی ٹاپوں کی آواز سنائی دی۔ وہ گاؤں میں سے گزر کر شاید اسی طرف آ رہے تھے اور تب میں نے سوچا کہ یہ

کنارے پر جو عمارت ہے وہ یقیناً وہی اصطبل ہے جس کا ذکر وان ہوزن نے کیا تھا پتھر کا ایک زینہ راستے پر سے شروع ہو کر چوبی دروازے تک چلا گیا تھا۔ جب میں نے یہ دروازہ کھولا تو اطاری کا دروازہ چوپٹ کھلا تھا اور دوسری طرف گرجا اور اس کا صحن صاف نظر آرہا تھا اور میں نے دیکھا کہ وان ہوزن دالان میں کھڑا ہوا تھا۔ شاید بارش سے بچنے کے لئے۔

جیسا کہ وان ہوزن نے کہا تھا کونے میں مجھے پرانے تختیلے کے اندران کے نیچے چھپائے ہوئے ہتھیار مل گئے۔ یعنی ونچسٹر بندوق اور دستی بم جو استعمال کے لئے تیار تھے۔ مجھے اعتراف ہے کہ انھیں دیکھ کر میں نے ایک قسم کی وحشیانہ مسرت محسوس کی۔

میں عین وقت پر پہنچا تھا کیونکہ ادھر میں اطاری کے دروازے کی ادھر میں دیکھنے بھی نہ پایا تھا کہ دائیں طرف سے تامس دی لا پلیٹا کے آدمی ایک گروہ کی صورت میں احاطے میں داخل ہوئے اور گرجا کے دالان کی طرف گھوم گئے اور ایک ٹیڑھی میڑھی صف سی بنا لی۔

آخری لمحہ میں، میں نے صورت حال کا جائزہ لیا تو بہت سی باتیں ذہن نشین ہو گئیں۔ خود تامس دی لا پلیٹا جو پرانا فوجی افسر کا کوٹ پہنے ہوئے تھا۔ وان ہوزن جو دالان میں آگے بڑھ رہا تھا اور جس نے اس رسم کا پورا راہبانہ لباس پہن رکھا تھا اور اس کے سر پر سنہری ٹوپی تھی جو اس نے خاص اسی رسم کے لئے پہنی تھی۔

میں نے ایک بم اٹھا لیا اور اس کی پن دانتوں سے پکڑ کر کھینچ لی اور بم پھینکنے کے لئے تیار ہو گیا۔ عین اسی وقت ایک سوار گھوڑا اچھالتا ہوا احاطے میں داخل ہوا اور تامس اور وان ہوزن کے درمیان پہنچ کر گھوڑے کی

باگیں بری طرح کھینچیں کہ گھوڑا اپنی پچھلی ٹانگوں پر تقریباً بیٹھ گیا۔ پستول نکالی۔ لیکن وہ بہت نزدیک آ گئے تھے۔ اب وقت گزر چکا تھا وہاں دو درجن آدمی رہے ہوں گے جو پیچھے رکے ہوئے تھے۔ نعرہ سنتے ہی اچھل پڑا۔ اس کے ہاتھ میں دستی بم تھا۔ مشین گن کی گولیاں اگل رہی تھیں۔ اور ایک دستی بم کھڑکی مینار کی کھڑکی سے نکل کر گرد کے بیچ میں گرا۔ پھٹا اور آس پاس کے دس بارہ تیرہ گھوڑوں اور ان کے سواروں کو مردہ یا بیکار کر گیا۔

میں نے تاک کر اپنا بم پھینکا اور وہ بھی اپنا کام کر گیا۔ یہ بم میں نے بلا جھجک پھینکا تھا۔ کیونکہ رشیلا میرے بم پھینکنے سے پہلے ہی مر چکی تھی۔ وہ مرنے والی تھی۔ مجھے اس کی ایک جھلک نظر آگئی تھی۔ اس کا چہرہ خون سے سرخ تھا۔ تامس اسے گھوڑے پر ہی سنبھالنے کی کوشش کر رہا تھا۔ لیکن وہ گر گئی اور اسے سنبھالنے کی کوشش میں تامس بھی اس کے ساتھ گرا اور ان کے گھوڑے سے بھی گر پڑے عین اس وقت مینار کی کھڑکی میں سے جوناس کا نعرہ بلند ہوا اور اب وہ دوسری مشین گن سے گولیاں برسا رہا تھا۔

یہ اس کی سخت غلطی تھی۔

کیونکہ اب دشمن جوابی فائر کر رہا تھا اور ایک دم جوناس کی مشین گن خاموش ہو گئی اور وہ کھڑکی میں سے نیچے کی طرف جھک گیا۔ اس کے اوپری جسم کے بوجھ نے اس کے نچلے جسم کو کھڑکی میں سے گھسیٹ لیا اور پھر مشین گن کے عین پیچھے ہی پیچھے جوناس بیس فٹ کی بلندی پر سے نیچے صحن کے پتھروں پر گرا۔

اس عرصے میں میں مسلسل گولیاں چلاتا رہا۔ ہر گولی احتیاط سے نشانہ لے کر چلاتا رہا تھا۔ چنانچہ چار آدمیوں کو گرا چکا تھا اس کے باوجود چند سوار میرے عین نیچے سے نکل کر چلے گئے اور ادھر ادھر سے گلیارے میں گھس

کی نظروں سے اوجھل ہو گئے۔ وہ لوگ بہر حال اپنی جان لے کر فرار ہونے میں کامیاب ہو گئے۔

صحن کی فضا بارود کی دھوئیں سے بوجھل تھی اور اس دھند میں سے گھوڑوں کی ہنہناہٹیں اور مرتے ہوئے انسانوں کی چیخیں بلند ہو رہی تھیں۔ دفعتاً ایک بھگدڑ سی پڑ گئی۔ مزید گھوڑ سوار عین میری کھڑکی کے نیچے سے نکل کر فرار ہو رہے تھے میں نے جلدی سے اپنی بندوق ان کی طرف جھکا دی۔ بغیر سواروں کے گھوڑے بھاگتے ہوئے آئے اور گلیارے کی طرف بھاگ گئے۔

اور جب میں نے یہ دیکھا کہ ان گھوڑوں کے عین بیچ ایک گھوڑے کی پیٹھ پر ایک ٹانگ رکھے اور اس کے جسم کی اوٹ لئے اس کے ایک پہلو پر لٹکتا ہوا کوئی شخص فرار ہو رہا تھا، تو وقت گذر چکا تھا۔ یہ تامس ڈی کا بیٹا تھا مجھے اس کی ایک جھلک ہی نظر آئی۔ اس کا چہرہ خون آلود تھا، وہ شعلہ بار نظروں سے میری طرف دیکھ رہا تھا اور پھر وہ اور گھوڑے گلیارے میں اوجھل ہو کر فرار ہو چکے تھے۔

ایک گولی سوں سے آئی اور میرے قریب کواڑ کی کرچیاں اڑا گئی۔ صحن میں اب بھی کوئی الو کا پٹھا اپنی بہادری کا مظاہرہ کرنے پر تلا ہوا تھا جواب میں میں نے بھی گولی چلائی اور اس کا انعام مجھے ایک چیخ کی صورت میں مل گیا۔ اس کے بعد لمحہ بھر کے لئے خاموشی رہی۔ پھر مشین گن تڑتڑائی اور پھر خاموشی چھا گئی۔

ایک منٹ بعد ہی دان جوزن کی آواز سنائی دی۔

"اصطبل میں ہو کون؟ کھیل ختم ہوا۔"

نیچے اترتے وقت میں نے بندوق بھر لی، اصطبل سے باہر آیا اور دان جوزن

کی طرف بڑھا۔ راستے میں ایک گھوڑا پڑا تڑپ رہا تھا، اس کا پیٹ کھل گیا تھا۔ میں نے اس کی کھوپڑی میں گولی پیوست کر کے اسے تکلیف سے نجات دلا دی۔

دھوئیں اور دھند کے بادلوں میں سے دان ہوزن نکل آیا۔ اس کے ہاتھ میں اب کئی مشین گن تھی، وہ اب بھی پادریوں کا جبہ اور شاندار سنہری ٹوپی پہنے ہوئے تھا۔

"جوناس مر چکا ہے" اس نے کہا۔ "اور تماس دی لا پلیٹا کہیں نظر نہیں آیا۔"

"وہ فرار ہو گیا" میں نے اسے مطلع کیا۔ "کچھ دوسرے بھی فرار ہو گئے اور میں اصطبل کی کھڑکی کے نیچے سے نکل کر پچھواڑے کے گلیارے میں گھس گئے اور میں سمجھتا ہوں کہ یہ راستہ سید ھا بستی کے دروازے تک جاتا ہے۔ دوسری مشین گن اگر یہاں مجھے دی گئی ہوتی تو کام اچھا ہو جاتا"

"جو ہو گیا اس پر افسوس کرنا حماقت ہے" دان ہوزن نے کہا۔ "میرا خیال تھا کہ ہم نے اسے مار گرایا لیکن وہ؛ اس کا گھوڑا گولی کھا کر گرا تھا۔ اس کی بہن بیچ میں آ گئی اور ہم نے سوچا بھی نہ تھا کہ ایسا ہو گا۔"

اس کی آواز بیٹھی ہوئی تھی اور صاف ظاہر تھا کہ اسے بولنے میں تکلیف ہو رہی تھی۔ دفعتہ اس نے اپنی مشین گن میرے ہاتھ میں پکڑا دی اور پلٹ کر چل دیا۔ میں اس کے پیچھے چلا اور میں نے چند قدم دور سے دیکھا کہ اس نے اپنا جبہ اتار کر شیلا کی لاش پر ڈال دیا اور پھر پلٹ کر گرجا میں چلا گیا۔

میں نے دوسری مشین گن، جو جوناس کے ہاتھ سے گر گئی تھی، اٹھائی اور اس کا معائنہ کیا تو معلوم ہوا کہ وہ ٹوٹی نہ تھی بلکہ اب بھی چل رہی تھی۔ اور پھر میں گرجا

سے نکل کر بستی کی اس سڑک پر چل دیا جو ہوٹل کی طرف جاتی تھی۔ میرے دونوں ہاتھوں میں ایک ایک مشین گن تھی۔ مارنیو اور چند دوسرے آدمی ہوٹل کے باہر کھڑے تھے۔ ان کے چہروں سے انتہائی خوف اور پریشانی عیاں تھی۔ مارنیو لپک کر میرے قریب آیا۔

"ناوردان ہوزن ۔۔۔ وہ تو ۔۔۔ ٹھیک ہے نا؟" اس نے پوچھا۔

میں نے اثبات میں سر ہلایا اور پوچھا۔

"کتنے آدمی صدر دروازے سے فرار ہوئے؟"

"چھ سینور ۔۔۔ اور ڈان تامس ان میں سے ایک تھا جو پاگلوں کی طرح گھوڑا بھگا رہا تھا اور اس کا چہرہ خون سے سُرخ تھا۔"

"اس کی بہن نے اس خون خرابے کو روکنے کی کوشش کی" میں نے کہا "لیکن خود ماری گئی۔"

"میرے خدا" مارنیو نے کہا اور اپنے سینے پر صلیب کا نشان بنایا۔ اس کے ساتھیوں نے اس کی تقلید کی۔ "سینور! آپ نے میرے دل میں مسیح کو جگا دیا ہے آج کے کام کے لئے ہم سب جان دینے کے لئے تیار ہیں۔"

"اگر تم لوگوں نے ہمت سے کام لیا تو کسی کی جان نہ جائے گی۔ گرجا کے صحن میں سے تمہیں بہت سے ہتھیار اور بارود مل جائے گی بشرطیکہ تم لوگ وہاں جا کر لاشوں پر سے یہ چیزیں حاصل کر لو اور اگر تمہاری جگہ میں ہوتا مارنیو تو میں صدر دروازے کے اوپر اور فصیل پر دو تین آدمی متعین کر دیتا۔ میں انہیں یہ دونوں مشین گنیں دیدونگا یہ بات نہیں کہ ان کی ضرورت پڑ ہی جائے گی لیکن احتیاط اچھی چیز ہے۔ یہاں سے کچھ دور ہماگا میں لفٹننٹ کورڈونا گھوڑ سوار دستے کے ساتھ موجود ہے۔ اگر تم نے اسے پیغام بھجوا دیا تو وہ تمہاری مدد کو فوراً دوڑ آئے گا۔"

اس نے ایک لمبا سانس لے کر سر ہلایا۔

"ٹھیک کہتے ہو سینور۔ ایسی صورت حال میں خوف بیکار ثابت ہوتا ہے۔ جب گوریلا جنگ شروع ہوئی تھی تو کوئی دو درجن آدمی خوفزدہ ہو کر کھلے میدان میں بھاگ گئے۔ آپ سمجھ سکتے ہیں کہ ہم نے گذشتہ برسوں میں بڑے خوفناک واقعات دیکھے ہیں۔ پورے گاؤں کے گاؤں قتل کر دیئے گئے ہیں مرد، عورتیں، بچے ——— سچ پوچھئے ہم تو یہ سوچنے پر مجبور ہو گئے تھے کہ خدا نے میکسیکو سے منہ موڑ لیا ہے۔

اگر میں اسے روک نہ دیتا تو وہ شاید بولتا چلا جاتا۔ چنانچہ اسے خاموش کر کے ان دو آدمیوں کو، جنھیں مارینو نے منتخب کیا تھا، بتایا کہ مشین گن کس طرح چلائی جاتی ہے۔ اور جب انھوں نے سر ہلائے تو مشین گنیں انھیں دے دیں۔

اب مجھے اپنے آپ کو تیار کرنا اور اپنے اعصاب کو سکون پذیر کرنا تھا۔ چنانچہ جب میں نے اسکاچ وہسکی کی بوتل حاصل کر لی تو اسے اوندھا کر پورا جام بھر لیا۔ میرے خدا! کیا گڑبڑ ہو گئی۔ گولیوں کا چلنا، خون خرابہ، مثیلا کی موت اور یہ سب ہو جانے کے باوجود اس اب بھی نہ صرف زندہ، بلکہ آزاد تھا۔ دفعتہ میری طبیعت اس سارے معاملے سے مکدر ہو گئی اور ساری دنیا پر عموماً اور وان ہوزن پر خصوصاً مجھے سخت غصہ آیا۔

میں اٹھ کر چوک میں آ گیا اور پھر گرجا کے صحن میں داخل ہوا۔ مارینو اور اس کے ساتھی لاشوں کے درمیان گھوم گھوم کر انھیں پہچان رہے تھے۔

گرجا میں پہنچا تو وان ہوزن قربان گاہ کے سامنے والی نشست پر بیٹھا ہوا تھا اس نے اب بھی اپنا چغہ پہن رکھا تھا۔ میں اس کی طرف بڑھا تو اس نے سر اٹھا کر میری طرف دیکھا تک نہیں۔

جب میں اس کے قریب پہنچ کر رک گیا تو اس نے کہا۔

"کچھ نہ کہنا کونچ۔ میں جانتا ہوں۔"

میں نے اس کی طرف دیکھا تو میرا سارا غصہ اور ساری بیزاری رخصت ہو گئی اس کی حالت واقعی قابل رحم تھی۔

"نہیں ـــ تم کچھ نہیں جانتے" میں نے کہا "قصور صرف تمہارا ہی نہیں میرا بھی ہے اور جو کچھ ہوا ہے اس کا الزام کرنل بوسیلا اور ہمارے دوست ناسمی کی اِلٹیا کے سر بھی جاتا ہے۔

"اجتماعی ذمہ داری؟" اس نے کہا "نہیں۔ اس سے کوئی فرق نہ پڑے گا۔ یہ طفل تسلی ہے۔ آخر میں تو آدمی کو اپنے عمل کا خود اپنے آپ کو ہی ذمہ دار تسلیم کرنا پڑتا ہے۔"

"تو تم ایسی باتیں کہہ رہے ہو جیسے دینیات کے جلسے سے سیدھے چلے آرہے ہو شاید"

ہم اس معاملے میں مزید بحث نہ کر سکے کیونکہ باہر سے مارنیہ کی آواز سنائی دی:۔

"نادر! یہاں آئیے تو ذرا!"

ہم دونوں باہر پہنچے تو دیکھا کہ ناشتیا دیوار سے ٹیک لگائے زمین پہ بیٹھا ہوا تھا، اس پر غشی سی طاری تھی اور اس کی کنپٹی سے خون بہہ رہا تھا۔

میں اس کے قریب اکڑوں بیٹھ گیا تو اس نے میرے کوٹ کا کالر پکڑ کر کہا:۔

"اس نے مجھے بھیجا ہے سینور ـــ اس شیطان نے"

میں نے فوراً سمجھ لیا کہ کیا ہوا تھا ایک قیامت کے اور لرزہ خیز لمحے میں حقیقت مجھ پر ظاہر ہو گئی۔

"وکٹوریہ کو پکڑ لے گیا وہ؟" میں نے پوچھا۔

ناشیتا نے اثبات میں سر ہلایا۔

"اور ایک دوسرے آدمی جو اس گاؤں کے ہیں اور ان میں سے زیادہ تر بچے بھی ہیں۔"

"وہ لوگ جو خوفزدہ ہوکر باہر میدان میں بھاگ گئے تھے" میں نے پوچھا "کیا چاہتا ہے وہ؟" دان ہوزن نے دانت پیس کر پوچھا۔

"آپ کو ڈاورن" ناشیتا نے کہا۔ "کسی اور کو نہیں، صرف آپ کو۔ اس نے آپ کو صرف دو گھنٹے کی مہلت دی ہے؟"

چودھواں باب

دشمنوں کی حد سماعت سے کافی دور اور گرجا کی چار دیواری میں ناشیتا نے ناخوشگوار تفصیلات بیان کیں۔

تاسن ابھی لا پالیٹا کے ساتھ اب صرف پانچ آدمی رہ گئے ہیں لیکن وہ اس کی مقصد برآری کے لئے کافی تھے۔ چشمے کے دوسری طرف ایک پرانا "کاسا" (گڑھی) تھی جس کی اب صرف دیواریں ہی باقی تھیں۔ اس نے یرغمالوں کو اس کاسا میں رکھا ہے اگر ہم نے حملہ کرنے کی ذرا سی بھی کوشش کی تو وہ سارے یرغمالوں کو فوراً موت کے گھاٹ اتار دے گا۔

اس کا اثر دان ہوزن پر بہت زیادہ ہوا۔ اس کی باقی ماندہ ہڈیوں پر گوشت سکڑ گیا بشرطیکہ ایسا ہونا ممکن ہو۔ بہرحال اس کا چہرہ شکستہ گیا اور وہ ایک دم سے بوڑھا اور نڈھال نظر آنے لگا۔ اور وہ جیسے سب سے بیزار ہوگیا۔

وہ کچھ کہے بغیر اٹھا اور گھوم کر توشہ خانے میں چلا گیا۔ جب ناشیتا کو وہیں

بیٹھا چھوڑ کر گوشہ خانے میں داخل ہوا تو دانی ہوزن کے ایک ہاتھ میں وہسکی کی بوتل اور دوسرے میں جام تھا اور جب اس نے بوتل جام پر جھکائی تو میں نے دیکھا کہ اس کے ہاتھ کانپ رہے تھے ۔ وہ ایک ہی سانس میں جام خالی کر گیا اور دوسرا بھر کر بولا ۔

"لعنت ہے کوخ ۔ اب کیا کیا جائے ؟"

"میں خود حیران ہوں"

دفعتہ اس کی آنکھیں چمکنے لگیں ۔ یہ غالباً پہلے جام کا اثر تھا۔

"ہم جائیں گے ۔ تم ، میں اور وہ انڈین ناشتیا ۔ وہ یقیناً ہمارے ساتھ آئے گا اور ہم تینوں اس شیطان سے نپٹ لیں گے ۔ اب صرف پانچ آدمی رہ گئے ہیں اس کے ساتھ"

"ہم اس کے قریب تک نہ پہنچ پائیں گے" میں نے کہا "ہماری بندوق کا صرف ایک دھماکا اور وہ سب کو قتل کر دے گا"

وہ غصے سے پھنکار کر میری طرف گھوم گیا۔

"یہ تم نے اتنے یقین سے کیسے کہہ دیا؟ تم نے صورت حال کا جائزہ ہی نہیں لیا کوخ ! یہ دھند اور بارش ہماری معاون ثابت ہوگی"

یہ محض طفل تسلی تھی اور یہ ہم دونوں جانتے تھے۔

"آؤ ۔ صدر دروازے تک چل کر دیکھیں کہ صورت حال کیا ہے ۔"

اس نے اپنا جنجرا اتارا ، ہیٹ پہنی اور ہم گرجا عبور کر کے دروازے پر پہنچے اور جب میں نے یہ دروازہ کھولا تو بت بن گیا۔

برکا جبر کسی بھی دبلے زیادہ تیزی سے پھیل جاتی ہے ۔ گانڈ کا ایک ایک آدمی اس وقت گرجا سے باہر بارش میں کھڑا ہوا تھا ۔ ان سب کے بشرے ،

سے پتھر کو پگھلا دینے والی مایوسی عیاں تھی اور وہ سب کے سب خاموش تھے۔ اس بھیانک معاملے کو ان لوگوں نے زندگی کی ایک اٹل حقیقت کے طور پر قبول کر لیا تھا۔

ایک لمحے تک گمدو دان ہوزن کی طرف اور دان ہوزن ان کی طرف دیکھتا رہا اور پھر ایک عجیب بات ہوئی جو اپنے طور پر بے حد پیاری ہونے کے باوجود بے حد سنسنی خیز تھی۔

سب سے آگے ایک بڑھیا اور ایک نوجوان لڑکی کھڑی ہوئی تھی۔ لڑکی نے اپنی بغل میں ایک لمبوتری گٹھری سی دبا رکھی تھی، اس کا بلاؤز پھٹا ہوا اور بارش کے پانی سے بھیگ کر اس کے سینے سے یوں چپک گیا تھا کہ اس کی چھاتیوں کے ابھار صاف نظر آ رہے تھے۔ مجھے یہ سب کچھ اچھی طرح سے یاد ہے۔ اس لڑکی کی آنکھوں میں غم کے بادل تھے۔ بڑھیا نے اس لڑکی کو ہماری طرف دھکیل دیا۔

لڑکی نے گٹھری دان ہوزن کی طرف بڑھا دی۔ موخرالذکر نے فوراً گٹھری قبول کر لی۔

"قادر! لڑکی نے کہا مرنے والوں کے لیے موم بتیاں ہیں۔

اور دان ہوزن کے سامنے گھٹنوں کے بل جھک گئی اور پھر سب لوگ جھک گئے۔ عجب اثر انگیز منظر تھا۔ یہ بہت سے لوگ، قطار اندر قطار گھٹنوں کے بل جھکے ہوئے تھے اور بارش ہو رہی تھی اور دان ہوزن ایک ہاتھ میں گٹھری پکڑے لڑکی کی طرف دیکھ رہا تھا۔

دان ہوزن نے جھک کر لڑکی کو اٹھایا اور جب وہ بولا تو اس کی آواز بے حد مدھم اور گمبھیر تھی اور اس کے ہونٹوں پر ملکوتی تبسم تھا۔

"بیٹی ! اندر آؤ، باہر بارش ہے۔ تم سب اندر آجاؤ"

جیسے میں وہاں موجود تھا ہی نہیں، جیسے وہ مجھے یکسر بھول گیا تھا۔ وہ مجھ سے کچھ کہے بغیر، میری طرف دیکھے بغیر پلٹ کر گرجا میں داخل ہو گیا۔ میں ایک طرف ہٹ گیا اور ناشیتا، جو دیوار کا سہارا لئے کھڑا تھا، میرے قریب آگیا۔ جو لوگ وہاں موجود تھے ان میں سے زیادہ تر لوگوں نے کئی برسوں سے کسی بھی گرجا میں قدم تک نہ رکھا تھا۔ اس کے باوجود وہ بڑی خاموشی سے، بڑے احترام سے اور بڑی ترتیب سے گرجا میں داخل ہوئے۔ عورتوں نے گرجا میں داخل ہوتے وقت اپنے سر ڈھک لئے۔

ناشیتا نے کہا، وہاں اندر جا کر یہ لوگ کیا کریں گے۔ کسی معجزے کے لئے دعا؟"

"شاید"

اس نے نفی میں سر ہلایا۔

"مجھے ایسی باتوں میں یقین نہیں ہے اور تامس دی لا پلیٹا کو بھی نہیں ہے"

خود میرے بھی خیالات یہی تھے۔ چنانچہ میں سیڑھیاں اتر کر صحن میں آگیا۔ ناشیتا میرے ساتھ تھا اور پھر ہم دونوں بستی کے پھاٹک کی طرف چل دیئے۔

بارش ایسی موسلا دھار تھی کہ نظر پچاس۔ ساٹھ گز سے آگے نہ دیکھ سکتی تھی بستی والوں نے پھاٹک بند کر دیا تھا اور ایسی مضبوطی سے کہ اسے کھولنا آسان نہ تھا۔ چنانچہ میں فصیل پر چڑھ گیا کہ وہاں سے دیکھوں کیا نظر آتا ہے۔ کچھ نظر نہ آیا۔

میرے فصیل پر پہونچنے کے کچھ دیر بعد ناشتیا اوپر آیا۔ وہ ایک پرانے کمبل کا

کوٹ اور بڑے بڑے بٹنوں کی ہیٹ لئے ہوئے تھے۔ حالانکہ میں پوری طرح سے بھیگ چکا تھا تاہم میں نے یہ دونوں چیزیں پہن لیں اور سامنے پھیلے ہوئے ویرانے کی طرف دیکھنے لگا۔

"ناشتیا! میں نے پوچھا" ہم کچھ نہیں کر سکتے؟"

اس نے نفی میں سر ہلایا۔

"نہیں سینور۔ اس شیطان کو اگر شک بھی ہو گیا کہ ہم اس کے خلاف کچھ کرنے والے ہیں تو وہ سب کو قتل کر دے گا"۔

میں نے ان کو رپیا نیوالی بستی والوں کے متعلق، جنہیں تامس پکڑ لے گیا تھا، سوچنے اور انھیں چشمے کے دوسری طرف ویرانے کا سامنا کرتے ہوئے تصور کرنے کی کوشش کی لیکن کامیاب نہ ہوا حتیٰ کہ جب میں نے صرف وکٹوریہ کے متعلق سوچنا چاہا تو اس کے متعلق بھی سوچ نہ سکا۔ میں سردی محسوس کر رہا تھا اور برساتی کمبل کے نیچے میرا جسم اوپر سے نیچے تک بھیگ رہا تھا اور میرے پستول کا خول، جو میرے بغل کے نیچے لٹک رہا تھا، مجھے تکلیف دے رہا تھا۔

یہ سب کچھ حیرت انگیز حد تک ایک خواب معلوم ہو رہا تھا۔ جیسے جو کچھ ہو رہا ہے وہ حقیقت میں ہو ہی نہ سکتا تھا، جیسے ایک دم سے میری آنکھ کھل جائے گی۔ لیکن اگر ایسا ہوا تو بیدار ہونے کے بعد میں کیا دیکھوں گا؟ یہ تو خدا ہی بہتر جانتا ہے۔

"تو پھر کچھ نہیں کیا جا سکتا" میں نے کہا "یہی کہنا چاہتے ہو نا تم؟"

"وہ سب پادری کی مرضی ہے ناسینور"

میں وہاں سے ہٹ گیا کیونکہ قریب ہی ایک شخص مشین گن لئے پہرہ دے رہا تھا۔ ناشتیا میرے پیچھے پیچھے ہی آ گیا۔

"ناشتیا!" میں نے پہرے دار کی حدِ سماعت سے باہر نکل کر کہا "وہ

پادری بنا ہوا ہے اور یہ تم بھی جانتے ہو"۔

"اس سے کیا فرق پڑ جاتا ہے سینور۔ تامس تو اسی کو قبضے میں کرنا چاہتا ہے۔ پھر وہ پادری ہو یا کوئی اور۔ اور یہ تو کبھی ہو گا نہیں کہ میں خاموش بیٹھا رہوں اور میری آقا زادی ماری جائے"۔

باہر کی طرف سے اور دھند اور بارش میں سے بندوق کا ایک دھماکا سنائی دیا اور ہماری طرف کے پہرے داروں نے ایکدم سے خوفزدہ ہو کر اندھا دھند مشین گن چلانی شروع کر دی۔ ناشیتا نے اس کا بازو پکڑ کر اسے روک دیا ہم لوگ۔ م سادھے سننے لگے۔

"دلچرادو الو" ایک آواز نے چیخ کر کہا۔ "گولیاں نہ چلاؤ"۔

ہم لوگ منتظر رہے۔ ایک شخص دھند میں سے نکل آیا۔ یہ بستی والوں میں کا ایک آدمی تھا یعنی ان میں سے ایک جنہیں تامس پکڑ لے گیا تھا۔ اس کے ہاتھ آگے کی طرف بندھے ہوئے تھے اور اس کی گردن میں رسہ پڑا ہوا تھا۔ رسے کا دوسرا سرا ایک سوار کے ہاتھ میں تھا اور یہ سوار ڈول جوراڈو تھا۔

"سینور کورخ" جوراڈو نے چیخ کر کہا۔ "ڈان تامس پادری صاحب کو سلام کہتے ہیں اور کہتے ہیں کہ مہلت ٹھیک ساڑھے بارہ بجے پوری ہو جاتی ہے۔ اس سے محض یہ دکھانا مقصود ہے کہ ہم واقعی سودا کرنا چاہتے ہیں"۔

اور جوراڈو نے رسہ چھوڑ دیا۔ گاؤں والا غریب اس خلاف توقع آزادی سے خوش ہو کر ٹھوکر بھی کھاتا بستی کے پھاٹک کی طرف بھاگنے لگا۔ ابھی وہ چند قدم ہی آگے بڑھا تھا کہ جوراڈو نے یکے بعد دیگرے دو گولیاں اس کی پیٹھ میں پیوست کر دیں اور خود چشم زدن میں دھند میں گھس کر نظروں سے اوجھل ہو گیا۔

جب میں گرجا کی طرف جا رہا تھا تو لوگ گرجا کی طرف سے واپس آ رہے تھے۔ میں اندر پہنچا تو دیکھا کہ کچھ لوگ اب بھی بنچوں پر خاموشی سے بیٹھے ہوئے تھے۔ میں "چہ کنم" کے عالم میں آگے بڑھ کر کھڑا ہو گیا تو مارنیو اپنے دونوں ہاتھوں سے اپنی ہیٹ پکڑے پہلو کے کمرے ہی سے نکل کر میرے قریب آیا۔

"فادر دان ہوزن کہاں ہیں؟" میں نے کہا۔

"اس کمرے میں ہیں سینور۔ لوگوں کے اعترافات سُن رہے ہیں۔ برسوں کے بعد ہم لوگوں کو اعترافِ گناہ کرنے اور اپنے گناہ بخشوانے کا موقع ملا ہے۔"

میں اس کے سامنے سے ہٹ کر آگے بڑھا، قربان گاہ کے قریب نیچے کا بنا ہوا چھوٹے سے پہلو کے کمرے کے دروازے میں ٹھٹھک گیا۔ سینٹ مارٹن دی پورس کا بت ایک طاق میں رکھا ہوا تھا، اس کے عین نیچے دان ہوزن ایک بنچ پر بیٹھا ہوا تھا اور دان ہوزن کے سامنے ایک عورت اپنے گھٹنوں پر گر رہی تھی۔

دان ہوزن نے عورت سے کچھ کہا اور جلدی سے اٹھ کر میری طرف آیا۔ اس نے ایک بار پھر اپنے چغے پر سایہ پہن لیا تھا، شانوں پر سرخ تکونا رومال پڑا ہوا تھا اور حالیہ واقعہ کے بعد اس کا سکون حیرت انگیز اور قابلِ رشک تھا۔ اس نے بے حد نیچی آواز میں پوچھا۔

"بہت ضروری کام ہے کوغ؟ ورنہ تم جانو اس وقت میں بے حد مصروف ہوں"

میں نے اس کا بازو پکڑا، اسے تقریباً گھسیٹتا ہوا گرجا کے انتہائی سرے پر لے آیا اور جو کچھ ہوا تھا اس کی تفصیلات نیچی آواز میں بیان کر دیں۔

وہ خاموشی سے سنتا رہا اور جب میں خاموش ہوا تو اپنی جیب سے گھڑی نکا

نکال کر اس میں وقت دیکھنے کے بعد بولا ۔
" مطلب یہ کہ اب ہمارے پاس صرف ایک گھنٹہ اور پندرہ منٹ باقی رہ گئے ہیں ۔"
" چنانچہ ایک ایک لمحہ قیمتی ہے اور اسے اس ۔ اس ۔ احمقانہ ناٹک میں ضائع کرنا حماقت ہے ۔"
" ان بیچاروں کے ضمیر انھیں مدت سے ڈس رہے ہیں ۔ اس ناٹک سے اگر انھیں سکون مل جاتا ہے تو اس میں کیا برائی ہے ؟"
" تھوڑا سکون ؟" میں نے اس کے شانے پر سے سرخ رومال اٹھا لیا جانتے ہو کس بات کی علامت ہے اور یہ کہ تم کیا کر رہے ہو ؟"
" اس معاملے میں اگر کچھ گناہ ہے تو میرے سر ہے ان لوگوں کے سر نہیں ۔"
وہ اداسی سے مسکرایا ۔
" اور یہ میں اس شخص سے کہہ رہا ہوں جو خدا کے وجود کا قائل ہی نہیں کورغ ! گناہوں کا بوجھ خود تمہیں پیسے ڈال رہا ہے ۔"
" تو جاؤ جہنم میں ۔" میں نے کہا اور رومال اس کے شانوں پر پھینک دیا ۔
" میں شاید جہنم میں ہی جاؤں گا کورغ ۔" وہ تلخی سے ہنسا ۔ لمحہ بھر کے لئے وہ پھر میرا ناداں ہوزن بن چکا تھا ۔" اس خیال سے تمہیں قدرے خوشی ہوگی ؟"
" یہ ۔ یہ ۔ ۔ یہ معاملہ ہمارے معاہدے میں شامل نہ تھا ۔" میں نے کہا ۔" اور ہمارا یہ ۔ یہ ۔ کیا کہتے ہیں ؟ ۔ پادری پن اب حد سے تجاوز کر گیا ہے اس کے باوجود اگر حالات مختلف ہوتے تو تمہارا یہ نیا روپ بھی بہر حال قابلِ قبول ہوتا کیونکہ پادری بہرحال پادری ہی ہوتا ہے پھر چاہے اس نے کچھ ہی کیوں نہ کیا ہو اور کیسا ہی کیوں نہ رہا ہو ۔"

"بالکل" اس نے سنجیدگی سے سر ہلایا۔

اور میں اس کی صورت تکنے لگا کیونکہ اس کے اس ایک لفظ میں جو معانی اور جو اشارہ تھا، جو یقین تھا وہ میرے دل میں برمے کی طرح اتر گیا مجھے احساس ہوا اور شدت سے ہوا کہ دان ہوزن وہ نہ رہا تھا جو وہ تھا میرا یہ خیال غلط تھا کہ دان ہوزن دو مختلف شخصیتوں کا مالک تھا اب وہ کوئی اور تھا۔ بالکل بدلا ہوا انسان۔

اس نے اپنا ایک ہاتھ اٹھا کر میرے شانے پر رکھا تو میں سچ مچ سہم کر پیچھے ہٹ گیا، اس نے کچھ کہنا چاہا تو میں ایک دم سے پلٹ کر باہر بھاگ آیا۔ اور باہر بارش ہو رہی تھی۔

جب میں ہوٹل کے بار میں پہنچا تو مارنیو کاؤنٹر کے پیچھے بالکل میکانکی انداز میں جام صاف کر رہا اور خالی خالی نظروں سے کہیں خلا میں گھور رہا تھا۔ مجھے دیکھ کر وہ سنبھلا اور وہسکی کی ایک بوتل اور جام میرے سامنے رکھ دیا۔

"مقدس باپ سے ملے سینور؟" اس نے جام بھرتے ہوئے کہا "بے حد عمدہ آدمی ہیں۔ ایسا آدمی صدیوں میں پیدا ہوتا ہے۔"

"سچ کہتے ہو" میں نے کہا اور ایک ہی گھونٹ میں جام خالی کر گیا۔

"فادر دان ہوزن وہ شخص ہے جو معجزے کر سکتا ہے۔ یہ مبالغہ نہیں حقیقت ہے سینور۔"

"اپنا اپنا نقطہ نظر ہے مارنیو" میں نے کہا "تمہارے خیال میں یہ غمالوں کو بچانے کے لئے تمہارا یہ بے حد عمدہ آدمی اپنے تھیلے میں سے کون سا معجزہ نکالے گا؟"

"سینوور؟" مارینو میری صورت تکنے لگا۔ اس کے بشرے سے الجھن عیاں تھی
"ہاں ___ کیا کرے گا وہ؟" میں نے کہا۔ "مرجانے دے گا انھیں یا آخر کار قربانی
دے گا؟ اس سے تو تمھیں بھی انکار نہ ہو گا مارینو کہ یہ سوال جتنا زیادہ اہم ہے
اتنا ہی دلچسپ بھی ہے۔"

مارینو کی آنکھیں خوف سے پھٹ گئیں۔

"نہیں سینیور نہیں ___ یہ ___ یہ ___ تو ہم سوچ بھی نہیں سکتے۔"

اور وہ میرے سامنے سے گھبرا کر یوں ہٹ گیا جیسے میں شیطان تھا جو
اسے ورغلانے آیا تھا۔ وہ دیوانوں کی طرح باہر بھاگ گیا۔

اس کے بعد جو مکمل خاموشی چھا گئی اس میں میں نے اپنے پیچھے سیدان ہوزن
کی آواز سنی۔

"کوزخ! تم نے اس غریب کو خوف زدہ کر دیا۔"

"تمھارے اس غریب کا خیال ہے کہ تمھاری صورت میں مسیح نے دوسرا
جنم لیا ہے۔"

لمحہ بھر کے لئے اس کے لہجے میں وہی غصہ جس سے میں واقف تھا،
گرجتا رہا۔

"لعنت ہے کوزخ لیکن یہ تو صاف ظاہر ہے کہ جیزوئٹ فرقے نے تمھاری
پرورش کی ہے۔"

میں نے اپنا ہاتھ بلند کر دیا۔

"اچھا بابا۔ مان لیا۔"

"ٹھیک ہے۔ اب میری بات سنو۔ میرا وقت زیادہ دور نہیں ہے چنانچہ پتہ
نہیں مجھے مناسب معلوم ہوا کہ تم سے سمجھوتہ کر لوں اور تمھیں چند باتیں بتا دوں"

اس نے جیب سے ایک سگار نکال کر سلگایا اور قریبی تپائی پر بیٹھ گیا۔

"پہلی بات تو یہ کہ میرا نام دان ہوزن نہیں ہے۔" "تو پھر میرا نام کیا ہے؟"

"کچھ بھی ہو اس کی نہ تو اب مجھے ضرورت ہے اور نہ کسی اور کو۔ میں بتا چکا ہوں کہ پورے چار سال تک میں نے پادریوں کے دارالعلوم میں تعلیم حاصل کی ہے۔ چار سال تک وہاں رہا ہوں اور پھر وہاں سے بھاگ نکلا ہوں۔"

"اور یہ دوسرا جھوٹ تھا؟"

"نہیں بلکہ یہ حقیقت ہے۔" اس کے لہجے میں اس کی وہی پرانی لتاشت تھی۔ "اگر میں پانچ سال، یعنی مزید ایک سال وہاں رہ جاتا تو میری تعلیم مکمل ہو جاتی اور میں آخر کار پادری بن جاتا۔"

میں اپنے جام میں جھانکنے لگا تاکہ اس نے جو کچھ کہا ہے اس کی اہمیت اور خصوصیت سے واقف ہونے کا وقت مجھے مل جائے۔

"بڑی مضحکہ خیز بات ہے۔" اس نے کہا۔ "لیکن اب جب آن واقعات پر غور کرتا ہوں تو احساس ہوتا ہے کہ مجھے پادری بننا پسند ہی نہ تھا۔ یہ میرا میدان تھا ہی نہیں۔ بہرحال تو جب میں دارالعلوم سے بھاگ آیا ہوں تو وہ لڑکی میرے لئے اس فرار کا بہانہ بن گئی تھی جس سے مجھے، میرے خیال میں، محبت تھی۔ تب سے لے کر اب تک وہ لڑکی ایک ایسی عمدہ کھونٹی بنی ہوئی ہے جس پر میں اپنی اس حرکت، یعنی فرار کا الزام ہلکے دل سے ٹانگتا رہا ہوں۔"

میں اپنی بوتل اور جام اٹھا کر قریبی میز پر بیٹھ گیا۔

"اس عورت پر پہلا پتھر وہ پھینکے جس نے خود کبھی کوئی گناہ نہ کیا ہو" ہے ہیں

۱؎ حضرت عیسیٰ نے یہ الفاظ اس مجمع کو مخاطب کر کے کہے تھے جو ایک زانیہ کو سنگسار کرنے والا تھا۔

مترجم

نے کہا۔ معافی چاہتا ہوں دان ہوزن ۔ خود اپنی زندگی کے پیشِ نظر۔ پہلا پتھر تو دور کی بات ہے میں تم پر آخری پتھر بھی نہیں پھینک سکتا ۔ مجھے سرے سے اس کا حق ہی نہیں ۔"

"کونخ ! تمھیں کبھی اپنے گھر جانے کا خیال آیا ہے؟ کبھی سوچا ہے اس کے متعلق ؟"

"آئرلینڈ جانے کے متعلق ؟" میں نے شانے اچکائے" وہ لوگ مجھے دیکھتے ہی گولی مار دیں گے ۔"

" یہ تو میں نہیں جانتا لیکن یہ ضرور جانتا ہوں کہ تمھارے وطن کی خانہ جنگی جلد یا بدیر ختم تو ہوگی ہی ۔ آپس میں وہ کسی قسم کا معاہدہ کر لیں گے یا پھر عام معافی کا اعلان ہو جائے گا ۔ یہی ہوتا آیا ہے اور یہی ہوگا ۔ اس لئے پھر تم واپس یونیورسٹی میں داخلہ لے کر اپنی ڈاکٹری کی تعلیم پوری کر سکتے ہو ۔

" جھوٹا خواب" میں نے کہا " جو کبھی پورا نہ ہوگا ۔"

" آ ۔۔۔ ہاں ۔۔۔ سوال وکٹوریہ کا ہے" اس نے سر ہلایا" اور تمھارا خیال غلط نہیں ہے ۔ وہ اس اجنبی ماحول اور اجنبی ملک میں اپنی جڑیں مضبوط نہ کر سکے گی ۔ وہاں کی تہذیب اور تمدن تک اس کے لئے نیا اور پرایا ہوگا ۔"

" اگر اسے وہاں کا مناسب اور جدید لباس پہنا دیا جائے تو کوئی اس میں اور کیری کی نصف سے زیادہ لڑکیوں میں تمیز نہ کر سکے گا ۔" میں نے کہا ۔ " میرا مطلب کچھ اور تھا ۔ ایک دفعہ خود تم نے کہا تھا کہ موت میری سرشت میں داخل ہے اور یہ تم نے غلط نہ کہا تھا ۔ میں اس اندھیرے راستے پر اتنا آگے بڑھ گیا ہوں کہ اب واپس لوٹنا ممکن نظر نہیں آتا ۔"

" میں تم سے متفق نہیں ہوں کونخ" اس نے کہا " آدمی جو کچھ اور جیسا

کچھ ہوتا ہے اور بنتا ہے اس کی ذمہ داری اس پر، صرف اس پر عائد ہوتی ہے۔ اس کے بعد بھی اپنے آپ کو بدلنا، نئے سرے سے نئی زندگی شروع کرنا بھی خود اس کے ہاتھ میں یا اس کے اختیار میں ہوتا ہے اور وہ جب چاہے اپنے آپ کو فوری طور پر بدل سکتا ہے اگر تمہیں میری باتیں کبھی یاد آئیں تو اس وقت میں نے جو کچھ کہا ہے اسے ضرور یاد کر لینا اور یاد رکھنا؛

اس نے ہاتھ بڑھا کر میری بوتل اور میرا ہی جام اٹھا لیا۔

"اس سفر کے نام" اس نے جام بھر کر اور اپنے حلق میں انڈیلنے کے بعد کہا۔

"کیا مطلب ہے؟"

"تم کسی بھی قسم کے کیتھولک کیوں نہ ہو یہ تم بھی جانتے ہو اور میں بھی جانتا ہوں کہ ایک دفعہ پادری بن جانے کے بعد آدمی ہمیشہ پادری ہی رہتا ہے۔ یہ ممکن ہے کہ میں نے ہر کام غلط کیا ہو لیکن اس سے کوئی فرق نہیں پڑ جاتا۔ فرار بہر حال نہ تو اب ممکن ہے اور نہ پہلے کبھی تھا"

وہ اٹھا اور دروازے کی طرف بڑھا۔

"تمہارا مطلب ہے تم وہاں جا رہے ہو؟" میں نے پوچھا۔

"اس کے علاوہ اور کوئی راستہ نہیں ہے" اس نے کہا۔ "اور نہ کبھی تھا۔ کچھ یہ بات نہیں ہے کہ میں اپنے گناہوں سے توبہ کر کے دفعتہً مقدس اور اللہ والا بن گیا ہوں"

"تو پھر کیا بات ہے؟"

"بے جا غرور اور احمقانہ خود پسندی" اس نے کہا۔ "یہ لوگ مجھ پر یقین رکھتے تھے، اس سے بڑھ کر یہ کہ مجھ پر انہیں اعتقاد و اعتبار ہے اور میں ان کے

اس تصور کو ٹھیس پہنچانا نہیں چاہتا۔ کم سے کم اب نہیں۔"

اس نے دروازہ کھولا تو میں نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔

"لیکن کسی نے تمھیں جانے کو نہیں کہا ۔۔۔ کسی نے تمھیں اس کے متعلق طعنہ نہیں دیا۔"

"اور یہ میرے تابوت میں آخری کیل ہے دوست۔"

اس نے اپنا ہاتھ چھڑایا اور دروازہ کھول کر باہر، سیڑھیوں پہ آگیا سڑک پر لوگوں کی ایک بار پھر بھیڑ لگ گئی تھی بالکل ایسی ہی جیسی گرجا کے باہر لگی تھی۔ لوگ منتظر تھے اور لوگ جانتے تھے، انھیں معلوم تھا کہ کیا ہونے والا تھا اور بات ان کے چہروں سے ظاہر تھی۔

وان ہوزن سیڑھیاں اترنے لگا اور لوگ گردو در گردہ گھٹنوں پہ گرتے چلے گئے اور وہ انھیں دعائیں دیتا بستی کے پھاٹک کی طرف بڑھتا گیا۔ میں اس کے پیچھے تھا۔

ماریو ہاتھ میں ہیٹ پکڑے بند پھاٹک سے پیٹھ لگائے کھڑا تھا۔

"میرے اچھے دوست! دروازہ کھول دو" وان ہوزن نے کہا۔

ماریو گھٹنوں کے بل جھک گیا۔ وہ بچوں کی طرح رو رہا تھا۔

وان ہوزن میری طرف گھوم گیا اور آج پہلی اور آخری دفعہ مجھے اپنے عیسائی نام سے مخاطب کیا۔

"ابھیٹ! یہ دو ہاتھوں کا کام ہے بشرطیکہ تمھارے ہاتھ اس قابل ہوں"

"مجھے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے یہ سب کچھ پہلے بھی ہو چکا ہے اور غالباً یہی وجہ تھی کہ میں اسے محسوس کر رہا تھا۔ جسے عرف عام میں ہونی کہتے ہیں میں نے آگے بڑھ کر روک اٹھائی اور پھاٹک کھولے بغیر سلاخیں اٹھا دیں

فوراً ہی میں نے دان ہوزن کے ہاتھ کا دباؤ اپنے شانے پر محسوس کیا۔

"جب میں بنا ہوا پادری تھا تو اس وقت میں نے تم سے کہا کہ تمہارے لئے دعا کروں گا" اس نے کہا "اب میں تم سے یہی درخواست کر رہا ہوں میرے لئے دعا کرنا، اس وقت مجھے سب سے زیادہ، کسی کی بھی دعاؤں سے زیادہ تمہاری دعاؤں کی ضرورت ہے"

میری زبان گنگ تھی، میرے حلق میں پھندا سا پڑ گیا تھا اور آنسوؤں کے طوفان کو روکنے کے لئے میں نے اپنے دانت بھینچ لئے تھے۔

میں نے پھاٹک کھول دیا، وہ باہر نکل کر ایک آدھ قدم آگے بڑھا اور برستی ہوئی بارش میں آگے دیکھا۔ وہاں کچھ نہ تھا، کوئی چیز حرکت نہ کر رہی تھی۔ اس نے گھوم کر ایک بار پھر میری طرف دیکھا۔

"کوخ! آج تک میں نے تمہارے ساتھ کوئی بھلائی نہیں کی، تمہیں کچھ نہیں دیا لیکن اب ایک چیز دے رہا ہوں، اسے قبول کر۔ تم نے اپنے بھائی کو قتل نہیں کیا، یہ زندگی تھی اور وہ واہیات لوگ تھے جو خون خرابہ کر رہے تھے اور ان دونوں نے ہی تمہارے بھائی کی جان لی ہے۔ قصور تمہارا نہیں ہے یہ احساس اپنے دل سے اکھاڑ پھینکو کوخ اور نئے سرے اپنی زندگی شروع کرو۔ تاس کے پیچھے اپنا وقت برباد نہ کرنا، اس پر لعنت بھیجو، اس کے دن گنے جا چکے۔ پھاٹک بند کر دو کوخ، خدا تمہارا حافظ و ناصر ہو"

وہ پلٹ کر دھند میں اور بارش میں چل دیا۔ اور اس کے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے میں نے پھاٹک بند کر دیا۔

ٹھیک بیس منٹ بعد ہر غالوں نے پھاٹک پر دستک دی اور پھاٹک کھولا گیا تو وہ صورت سیلاب اندر بہہ آئے۔ ان میں سے اکثر اب بھی پریشان اور سہمے ہوئے تھے۔

وکٹورر یہ ان لوگوں میں نہ تھی۔

ابتدا میں تو مجھے یقین نہ آیا کہ ایسا ہو سکتا ہے چنانچہ میں اس بھیڑ میں ادھر ادھر دوڑ دوڑ کر اسے تلاش کرتا رہا اور گلے ملتے ہوئے لوگوں کو ایک دوسرے سے الگ کرتا اور دیوانہ وار انھیں ادھر ادھر دھکیلتا رہا۔

آخر کار میں ناشتیا کے سامنے پہنچ گیا اور اس کی آنکھوں میں لپکتے ہوئے شعلوں نے میرے شک کو یقین میں تبدیل کر دیا۔

"وہ ان میں نہیں ہے سینور" وہ بولا "اس شیطان نے اپنا وعدہ پورا نہیں کیا" میں گھوم گیا۔ قریب ہی ایک مزدور کان کا کھڑا ہوا تھا۔ اس نے کہا۔ "سینور کورخ! ڈان تاماس نے آپ کے لئے ایک پیغام بھیجا ہے اس نے زور دیا۔۔۔"

"بکو۔۔۔ کیا کہا ہے اس نے کہا" میں چیخا۔

"اس نے کہا ہے کہ تمھاری یاد تازہ رکھنے کے لیے وہ اس چیز کو اپنے پاس ہی رکھ رہا ہے جو تمہیں سب سے زیادہ عزیز ہے۔ اور اس نے مجھ سے کہا کہ اسے امید ہے کہ تم رات بھر اسی کے متعلق سوچنے پر اکتفا کرو گے۔"

میں بت بنا اس مزدور کی صورت تکتا رہا۔ میرا دماغ ماؤف سا ہو گیا تھا اور پورا جسم سُن تھا۔

فصیل کے باہر سے جو راٹو کی آواز سنائی دی۔

"سینور کورخ!"

میں پھاٹک کی طرف بھاگا۔ ناشینا میرے ساتھ تھا۔ میں نے جھانک کر باہر، بارش میں دیکھا۔

"ڈان تامس تمہارے دوست کو تمہارے پاس بھیج رہا ہے۔ تمہارا دوست بڑا کٹر عیسائی بنا ہوا تھا چنانچہ اسے ایک عیسائی کی طرح ہی مارنا اس کی آرزو پوری کرنا ہے۔"

بندوق کا ایک صرف ایک دھماکا سنائی دیا اور ایک گھوڑا بھاگتا ہوا آسمان سے زمین تک نظر آتی ہوئی بارش کی چادر میں سے نکل آیا۔ گھوڑا بے حد گھبرایا ہوا تھا اور پھاٹک کے عین سامنے ادھر ادھر بھاگ رہا تھا۔

گھوڑے کی پشت پر ایک صلیب کھڑی تھی جو کسی درخت کے ٹہنے کاٹ کر بنائی گئی تھی اور اس صلیب سے اور زین سے ڈان ہوفورن کو باندھ کر سیدھا بٹھا دیا گیا تھا۔ اس کے سینے سے خون بہہ کر اس کے چغے کو سرخ کر رہا تھا۔

میں نے لپک کر گھوڑے کی لگام پکڑ لی۔ اسے روکا اور سر اٹھا کر ڈان ہوفورن کی طرف دیکھا وہ زندہ تھا۔ اس نے مجھ سے کچھ کہنے کی کوشش کی، کسی اور سے نہیں صرف مجھ سے۔ اس نے اپنی ختم ہوتی ہوئی حیات کو سمیٹ کر مجھ سے کچھ کہنا چاہا لیکن فوراً ہی اس کی پتلیاں بے نور ہو کر اوپر چڑھ گئیں اور اس کا سر ایک طرف ڈھلک گیا۔

جوراڈو۔ سے گھوڑے کی ٹاپوں کی آواز ابھی ڈوبی نہ تھی کہ ناشینا بگولے کی طرح پھاٹک سے باہر آیا، اس گھوڑے پر سوار ہوا جو پاس ہی کھڑا تھا اور جوراڈو کے تعاقب میں روانہ ہو گیا۔

میرا دماغ کام نہ کر رہا تھا اور اب مجھے جیسے نہ تو کسی چیز سے دلچسپی تھی اور نہ ہی کسی کی پروا۔ میرا دل جیسے مردہ ہو چکا تھا اور میں اس گھوڑے کی لگام پکڑے

کھڑا تھا جس پر وان ہوزن کا بے جان جسم بیٹھا ہوا تھا۔
لوگ کھسکتے ہوئے پھاٹک میں سے باہر نکل آئے۔ وہ حیرت انگیز طور پر خاموش تھے۔ وہ لوگ خاموش اور مودب کھڑے رہے اور مارنیو نے اپنے چاقو سے وان ہوزن کے بندھن کاٹ دیئے اور بہت سے ہاتھوں نے فوراً بڑھ کر عزت و احترام سے تھام لیا۔ اور اسے زمین پر سے اتار لیا۔
مارنیو میری طرف گھوم گیا۔ اور اب وہ رو نہ رہا تھا البتہ اس کی آنکھوں میں گہری اداسی تھی۔
"یہ زندہ رہ سکتے تھے سینور" اس نے کہا۔ "لیکن انھوں نے مرنا پسند کیا اور وہ بھی کس کے لئے؟ ہم لوگوں کے لیئے —— ہم گنہگاروں کے لئے۔ حیرت انگیز بات ہے نا؟ ایک ولی ہم لوگوں میں آیا لیکن افسوس ہم اسے پہچان نہ سکے۔

پندرھواں باب

اب میں سوائے اس کے اور کچھ نہ کر سکتا تھا کہ ناشتیا کی واپسی کا انتظار کروں کیونکہ گھوڑا لے کر ناشتیا کے پیچھے روانہ ہونا فضول تھا۔ یعنی اس سے کوئی فائدہ نہ ہو سکتا تھا۔
میں نے اپنے کمرے میں پہنچ کر کپڑے اتارے، غسل کیا اور پھر خشک کپڑے پہن لئے کوٹ کی دونوں جیبوں میں پوائنٹ فارٹی فائیو کے کارتوسوں کا ایک ایک پیکٹ رکھا اور نیچے اتر کر بار میں آ گیا۔ میں نے کاؤنٹر کے پیچھے جا کر وہسکی کی بوتل نکالی اور اس کی چسکیاں لے لے کر اپنا پستول صاف کرنے لگا۔
چند منٹوں بعد ہی مارنیو آ گیا۔ اس نے بڑے احترام سے ہیٹ اتار کر کہا۔

"سینور! گرجا میں بہت سی چیزیں ہیں جو نادروان ہوزن کی ہیں۔ ہم نہیں جانتے کہ ان کا کیا کیا جائے، آپ ان کے دوست تھے......"

"اچھا" میں نے کہا۔ "میں تمھارے ساتھ گرجا میں چل رہا ہوں۔"

میں نے کمبل کا کوٹ اور ہیٹ پہن لی کیونکہ پانی اب بھی چھاجوں برس رہا تھا۔ ہم ہوٹل سے باہر آکر گرجا کی طرف چل دیئے۔ راستے میں دو تین چھکڑے ہمارے قریب سے نکل کر مخالف سمت میں چلے گئے۔ ان چھکڑوں میں ٹامس کے ساتھیوں کی لاشیں تھیں۔

"یہ لوگ خدا کے بغیر زندہ تھے اور ہم انھیں اسی طرح دفن کریں گے۔" مارنیو نے کہا "ایک ہی کھڈ میں ان سب کو دبا دیں گے۔"

"اور سینورتیا دی لا ایلیشا کو بھی؟" میں نے پوچھا۔

مارنیو کے دل کو دھکا سا لگا۔

"سینور" اس نے کہا "انھیں تو ہم پوری رسومات سے دفن کریں گے۔ ان کے والد کا بھی تو ہمیں خیال کرنا ہے۔ خدا ہی بہتر جانتا ہے کہ بیٹی کی موت کی خبر سُن کر اس غریب بڈھے کی کیا حالت ہو جائے گی۔"

جب ہم صحن میں پہنچے تو مارنیو کے آدمی مردہ گھوڑوں سے چھٹکارا پا رہے تھے کہ گھوڑوں کی لاشوں کو یہاں سے گھسیٹ لے جائیں۔ موسلا دھار بارش نے خون دھو دیا تھا اور اس خون خرابے کے بعد ایک بار پھر یہاں زندگی کی چہل پہل شروع ہو گئی تھی۔

گرجا میں نمایاں تبدیلی نظر آرہی تھی۔ بنچوں کو ایک طرف ہٹا دیا گیا تھا لیکن دو بنچوں پر ایک بے ڈھنگا تابوت رکھا ہوا تھا۔ تابوت کا ڈھکن کھلا نہ تھا۔

"ڈونا شیلا سینور" مارنیو نے تابوت کی طرف اشارہ کیا۔ مناسب یہی معلوم ہوا

کہ انہیں ڈھک دیا جائے۔ ان کے چہرے پر گولی لگی ہے ۔ آپ میرا مطلب سمجھ گئے ہوں گے۔

میں سمجھ گیا۔ مارنیو نے شیلا کا تابوت کھلا نہ رکھ کر عقلمندی کا ثبوت دیا تھا میں آگے بڑھ گیا۔ گرجا کا انتہائی سرا بے شمار موم بتیوں کی وجہ سے بقعۂ نور بنا ہوا تھا جب میں نے پہلے پہل میکسیکو میں قدم رکھا تھا تو اس وقت میں نے کنواری مریم کا جلوس دیکھا تھا ویرکروز میں اس جلوس میں ننھیں مریم کا جو مجسمہ لے کر خاموشی اور احترام سے چل رہی تھیں وہ بے حد حسین تھا لیکن اس کے سینے میں ایک چاقو پیوست تھا اور یہ چاقو علامت تھا میکسیکو کی فطرت کا۔ ان کی موت سے محبت کا۔

دان ہوزن ایک لمبی سی میز پہ پادریوں کے مکمل ترین لباس میں لیٹا ہوا تھا حتیٰ کہ اسے سنہری عبا بھی پہنا دی گئی تھی۔ اس کے دونوں ہاتھوں میں صلیب پھنسی ہوئی تھی، اس کے سرہانے اور پائینتی موم بتیاں جل رہی تھیں اور ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے وہ ابھی آنکھیں کھول کر مجھ سے بات کرے گا۔

"گاؤں میں اتنا بڑا تابوت نہیں ہے کہ فادر اس میں لیٹ سکیں" مارنیو نے سرگوشی میں کہا۔ چنانچہ گاؤں کا بڑھئی اس وقت ان کے لئے تابوت بنا رہا ہے"

موم بتیوں کی بو ناقابلِ برداشت تھی اور یہاں میرے لئے کچھ نہ تھا میں الوداع کہہ چکا تھا۔ میں توشہ خانے میں پہنچا۔ مارنیو میرے ساتھ تھا۔ اس نے جن چیزوں کا ذکر کیا تھا وہ دراصل دان ہوزن کی نہ تھیں یہ اس صندوق میں سے نکالی گئی تھیں جو اس کے پادری کا تھا جو ہوریٹا میں مارا گیا تھا۔ اس کے باوجود میں یہ بات مارنیو سے نہ کہہ سکا۔

"انہیں حفاظت سے کسی جگہ رکھ دو۔ میں نے کہا۔" نئے پادری صاحب کے کام آئیں گی۔"

"نئے پادری صاحب ؟ سینور ؟"

"وہ لوگ کسی کو بھیج دیں گے خصوصاً اب کیونکہ اب یہاں کے حالات بدل گئے ہیں۔"

"اور ڈان تاماس ؟"

"وہ ختم ہو چکا ہے۔"

گرجا میں اب میرے لئے کوئی کام نہ رہ گیا تھا اور پھر یہاں میرے دل پر عجیب اداسی طاری ہو گئی تھی۔ چنانچہ میں توشہ خانے سے نکل کر سیدھا دروازے کی طرف چلا اور باہر نکل آیا۔ مارٹینو میرے ساتھ تھا۔

جب ہم ہوٹل کے قریب پہنچے ہیں تو پھاٹک پر کے سنتری نے ہوائی فائر کرکے اور چیخ کر ہمیں خبردار کیا کہ ایک گھوڑ سوار آ رہا تھا۔

میں دوڑ کر پھاٹک سے باہر آیا۔ مارٹینو میرے ساتھ تھا اور تاماس کے مردہ ساتھیوں کی بندوقچوں سے لیس چند آدمی ہماری مدد کو دوڑے آئے تھے۔

ناشیتا دھند میں سے نکل آیا۔

وہ اپنے گھوڑے کے پیچھے کسی کو گھسیٹتا لا رہا تھا۔ یہ جو راؤنڈ تھا، اس کے ہاتھ بندھے ہوئے تھے، گلے میں رسہ بندھا ہوا تھا اور وہ لڑکھڑا رہا تھا۔ بالکل اس گائیں والے کی طرح جسے کچھ دیر پہلے اس نے، جو راؤنڈ نے ہمارے سامنے گولی مار دی تھی۔

"یہ مردار تیز نہیں دوڑ سکتا۔" ناشیتا نے کہا۔

"دوسرے کہاں ہیں ؟"

چلے گئے۔ پادری کو یہاں پہنچانے کے لئے اس سور کو پیچھے چھوڑ گئے تھے۔ بارش کی وجہ سے قدموں کا سراغ پانا مشکل ہے۔"

جورباڈو کا چہرہ اب بھی بگڑا ہوا تھا۔ اس کی ایک آنکھ سوج کر بند ہو چکی تھی اور دوسری آنکھ سے جہنمی نفرت ٹپک رہی تھی۔

"ٹھیک ہے کوزغ" اس نے کہا۔ "میں تو تمہارے ہاتھ آ گیا لیکن تمہاری معشوقہ ڈان تا اس کے قبضے میں ہے اور جب خود ڈان اور اس کے ساتھی اس لونڈیاں سے بار بار اپنی آرزو۔۔۔۔۔"

پھر ایک تھپڑ نے اس کا منہ پھیر دیا۔

"بکو مت" میں نے کہا۔ "کہاں گئے ہیں وہ لوگ؟"

اس نے میرے منہ پر تھوک دیا۔ میں نے کمبل کے کوٹ کے دامن سے اپنا چہرہ پونچھا اور پھر ایک ہی گھونسے میں جورباڈو کو چت گرا دیا۔

"سینور! میں اس کی زبان کھلوا سکتا ہوں" ناشتیا نے کہا۔

"کتنی دیر میں؟"

"جتنی دیر میں ایک عورت آگ جلائے۔"

"بس تو اگلوائیے اس حرامی سے۔ جتنی جلد اس کی زبان کھل جائے اتنا ہی اچھا ہے۔"

اور یہ ترکیب کامیاب رہی۔ جورباڈو میں کچھ نہ تھا سوائے وحشیانہ طاقت اور جہالت کے۔ ایک دفعہ پہلے وہ میرے دونوں ہاتھ توڑ چکا تھا۔ اب وہ خود ٹوٹ گیا۔

ناشتیا نے اپنے گھوڑے کو ایڑ لگائی۔ جورباڈو کے گلے میں پڑا ہوا رسہ تن گیا۔ ناشتیا اسے سنگلاخ اور ناہموار زمین پر گھسیٹنے لگا تو جوربا۔۔۔

ایک دم سے چیخ پڑا۔

"نہیں۔ نہیں — انڈین طریقے سے نہیں"

"جو اس نے ماکوری لوگوں کے متعلق جو باتیں کہی تھیں وہ مجھے یاد آگئیں چنانچہ جورالڈو کے خوف پر مجھے ذرا حیرت نہ ہوئی۔ میں نے کہا:۔

"میں صرف ایک دفعہ پوچھوں گا۔ تاسو دی پلپٹا کے ساتھ کتنے آدمی ہیں؟"

"پانچ۔"

"کہاں گئے ہیں یہ لوگ؟"

"پونٹیا۔"

میں نے استنیا کی طرف دیکھا۔ اس نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

"میں واقف ہوں اس جگہ سے" اس نے کہا۔ "اینجل گھاٹی کے دوسری طرف اور یہاں سے کوئی پچیس میل دور ہے۔ برسوں سے وہاں کوئی نہیں رہتا۔"

میں نے جورالڈو کی پسلیوں میں ٹھوکر مار کر پوچھا۔

"سچ کہتا ہے یہ؟"

جورالڈو نے سر ہلا کر کہا:۔

"ماضی میں بھی ڈان تاسو نے اکثر دفعہ پونٹیا کو پناہ گاہ بنایا ہے وہاں سے وہ پہاڑوں کی طرف آدمی بھیج کر کمک منگوا سکتا ہے۔"

جورالڈو کی بات سے فریب کی بو نہ آئی چنانچہ میں نے اسے اٹھا کر اینیو اور اس کے ساتھیوں کی طرف دھکیل دیا۔

"اسے ماکویوں کے لئے رہنے دو" میں نے کہا۔ "وہ اس سے انصاف کریں گے۔"

وہ مجھے گالیاں دینے لگا تو اینیو نے اس کے گال پر تھپڑ رسید کر دیا۔

دو آدمیوں نے آگے بڑھ کر رستہ پکڑ لیا اور پھر وہ سب کے سب اسے گھسیٹتے ہوئے بستی میں لے چلے۔

ناشتیا گھوڑے پر سے اتر آیا اور ہم دونوں ان لوگوں کے پیچھے پیچھے چلے

"یہ پوشیا" میں نے کہا "کس قسم کا مقام ہے یہ ؟"

گھاٹی کے کنارے پر ایک ٹوٹا پھوٹا گھر سا ہے۔ اور تین چار سڑکیں ہیں انقلاب کے زمانے یہ سرکاری قلعہ تھا۔ گھمسان کی لڑائی ہوئی تھی وہاں کے زیادہ تر باشندے مارے گئے تھے اور جو چند زندہ رہے وہ کہیں چلے گئے"

ہم گھوم کر ہوٹل کے پچھواڑے پہنچے جہاں چھوٹے سے صحن میں میں نے مرسیڈیس کار پارک کی تھی۔ میں نے وہ نقشہ نکالا جو انجیلا نے دیا تھا اور اسے ڈرائیور کی سیٹ پر بچھا دیا۔

"وہاں پہنچنے میں ہمیں کتنا وقت لگ جائے گا؟ میں نے پوچھا۔

"پانچ یا چھ گھنٹے سینور" ناشتیا نے کہا "کچھ کم یا کچھ زیادہ وقت بھی لگ سکتا ہے۔ اس کا انحصار گھوڑوں پر ہے۔ یہ انجیل گھاٹی بیس میل چوڑی ہے ریگزار ہے، پانی کہیں نہیں ملتا۔ چنانچہ یہ وہ جگہ ہے جہاں حد سے زیادہ احتیاط کی ضرورت ہے"

"تمہارے خیال میں وہ لوگ کتنی دیر پہلے روانہ ہوئے ہیں ؟"

"ایک گھنٹہ ——— یا شاید ڈیڑھ گھنٹہ"

"اس سے پہلے کہ وہ پوشیا پہنچ جائیں ہم انھیں پکڑ سکتے ہیں ؟"

"شاید ——— بشرطیکہ ہم اپنے ساتھ زائد گھوڑے لے لیں لیکن ......"

"لیکن کیا ؟"

"ہمیں دیکھتے ہی وہ شیطان آقا زادی کو ختم کر دے گا"

میں نے ایک بار پھر نقشہ دیکھا۔ خصوصاً انجیل گھاٹی کے درمیانی حصوں کا مطالعہ کیا تو اس مسئلے کا حل آسان معلوم ہوا۔

"لیکن اگر ہم ان لوگوں سے پہلے وہاں پہنچ جائیں تو؟" میں نے کہا "ہم اگر وہاں ان کا انتظار کریں تب؟"

ناشیتا نے بھویں اچکائیں۔

"سینور! لیکن یہ کیسے ممکن ہے؟"

میں نے کار کے اسٹیرنگ وھیل پر تھپکی دے کر کہا۔

"اس میں سب کچھ ممکن ہے۔"

اور آج پہلی دفعہ میں نے ناشیتا کو مسکراتے دیکھا۔

"الوداع" بڑی جذباتی قسم کی تھی۔ مارنیو چاہتا تھا کہ میں نہ جاؤں۔ کسی نے ایک آدمی کو ڈوڈنا کو بلانے کے لئے ہوآنکنا کی طرف دوڑا دیا تھا چنانچہ وہ یہ ضد کرتا تھا کہ میں کم سے کم ڈوڈنا کی آمد کا انتظار کروں۔ لیکن میں اپنی بات پر اڑا ہوا تھا۔ مجھے بہرحال وکٹوریہ کو بچانا تھا۔ اور ایک ایک لمحہ قیمتی تھا۔ وقت گذر جانے کے بعد کچھ نہ ہو سکتا تھا۔

جب میں مرسیڈیز میں سوار ہو رہا تھا تو مارنیو نے میرے ساتھ اظہار تشکر کیا۔ مینی مجھ سے بغلگیر ہوا، میری پیٹھ تھپتھپائی اور میرے سر پر ہاتھ پھیرا اس کی آنکھوں میں آنسو تھے کیونکہ اسے یقین تھا کہ میں اپنی موت کی طرف جا رہا ہوں چنانچہ زندہ واپس نہ آؤں گا۔ اس کے باوجود، یہ بات دلچسپی سے خالی نہیں کہ کسی ایک نے بھی یہ نہ کہا کہ میں تمہارے ساتھ چلتا ہوں چنانچہ

مارتھو کا یہ کہنا کہ "جاؤ۔ خدا تمھاری حفاظت کرے" کچھ سطحی سا معلوم ہوا۔

ماجوڈا پیچھے چھوٹ گیا تو میں نے اطمینان کا سانس لیا۔ چند در چند وجوہات کی بنا پر میں اس منحوس گاؤں سے رخصت ہو کر یک گونہ مسرت حاصل کر رہا تھا اور میں جانتا تھا کہ اب میں کبھی اس بستی میں نہ آؤں گا اور سچ تو یہ ہے کہ میں دوبارہ وہاں جانا بھی نہ چاہتا تھا۔

آخری جھڑپ میں اور واقعات کے آخر میں ڈلن ہوزن نے، خواہ وہ کیسا ہی اور کچھ بھی کیوں نہ رہا ہو، ان لوگوں کے لئے جان دی جو خود آپ اپنی مدد کے لئے تیار نہ تھے۔ ان کے اس سلوک یا اس بزدلی کی بہت سی وجوہات تلاش کی جا سکتی تھیں۔ مثلاً ان کی زندگی کا خالی پن، ان کے مصائب جن کا سلسلہ سالہا سال سے جاری تھا اور ان کا بودا پن ان سب باتوں نے انھیں وہ بنا دیا تھا جو وہ تھے اس کے باوجود اس سے تو انکار کیا ہی نہ جا سکتا تھا کہ وہ آپ اپنی مدد نہ کرتے تھے اور کسی دوسرے کی مدد کرنے کے لئے انگلی تک نہ ہلاتے تھے۔

میرے دل میں ناقابل بیان تلخی اتر گئی تھی۔ میں ان لوگوں سے تنگ آ گیا تھا جسے وہ لوگ "ملک" کہتے تھے۔ چنانچہ غصہ مجھ پر طاری ہو گیا اور اس کے اندھے پن میں کار اس رفتار سے بھگائی جو اس علاقے اور اس صورت حال میں خطرناک تھی۔

بارش کا زور ختم ہو گیا۔ گاڑی دھند لکی ہو کر چھٹ گئی اور پھر راستہ اتر کر اس وادی میں اتر گیا جس میں یہاں وہاں کیکٹس اور صحرائی جھاڑیاں اُگی ہوئی تھیں اس سے گزر کر ہم ایک سخت زمین والے میدان میں آ گئے۔

میں نے کار روک دی۔ ناشیتا نے کار سے نکل کر زمین کا معائنہ کیا، ادھر ادھر دیکھا اور جلدی سے واپس آکر کہا:۔

"میرا خیال غلط نہ تھا۔ وہ لوگ اسی طرف سے گزرے ہیں۔ نشانات صاف ہیں۔"

نقشے میں یہ قدیم راستہ صاف بتایا گیا تھا۔ جو سیدھا سیدھا چلا گیا تھا، قریب ترین راستہ تھا اور پہاڑ کی ڈھلان پر دور کوئی بیس میل دور یا اس سے بھی کم فاصلے پر ہماری منزل تھی یعنی پونمبا۔

ظاہر ہوا کہ ان لوگوں سے پہلے پونمبا پہنچنے کی میری تجویز نہ صرف مناسب بلکہ کامیاب بھی ثابت ہو سکتی تھی۔

ناشیتا کار میں بیٹھ گیا اور میں کار کو مشرق کی سمت کوئی پانچ میل تک بھگاتا چلا گیا ہماری کار ریگزار کے کنارے جا رہی تھی اور پھر اسے جنوب کی طرف گھما کر سخت زمین پر لے آیا اور ہماری رفتار پچیس میل فی گھنٹہ تھی۔

ایک گھنٹے بعد ہی ہم وادی عبور کر کے دوسری طرف پہاڑیوں کے دامن پہنچ چکے تھے۔ میں نے کار مغرب کی طرف گھمائی اور چند میل کی تیز رفتاری کے بعد اس طرف کے راستے پر تھے جو ایک تنگ درے میں سے گزر رہا اور اس کے دونوں طرف دو بلند چٹانیں کھڑی تھیں جس طرح کہ ہمارے نقشے میں نشان دہی کی گئی تھی۔

اب ہم ڈھلان چڑھ رہے تھے۔ راستہ ناہموار تھا چنانچہ مجھے رفتار

کم کرنی پڑی۔ راستہ پراسرار لگتا۔ اتار تقریباً عمودی تھا۔ اور پھر ہم چٹانوں اور بڑے بڑے پتھروں کے جھنڈ کا طواف کر کے دوسری طرف پہنچے تو سامنے ایک گھاٹی کے سرے پر پونیا تھا۔

توقع کے خلاف پونیا بڑا وسیع وعریض ثابت ہوا۔ گرجا کی زبردست عمارت کے پیش نظر پونیا کسی زمانے میں کافی بڑا، آباد اور اہم شہر رہا ہوگا۔ گرجا چپٹی چھت کا تھا، پتھر کا بنا ہوا تھا اور اس کا گھنٹہ مینار جگہ جگہ سے ٹوٹ گیا تھا اور اس میں کھڑکی دراڑیں تھیں۔ یہ نقصان اس مینار کو یقیناً توپ کے گولوں نے پہنچایا تھا۔

رہی دوسری عمارتیں تو ان میں سے زیادہ تر کھنڈر بن چکی تھیں چھتیں غائب تھیں اور دیواریں جگہ جگہ سے گر رہی تھیں۔ اور یہ سب باتیں اس حقیقت کی طرف اشارہ کر رہی تھیں کہ کسی زمانے میں یہاں گھمسان کا رن پڑا ہوگا۔
میں آہستہ آہستہ اس ویران شہر کی شاہراہ پر کار ڈرائیو کرتا رہا ناستیا اپنی بندوق لئے تیار بیٹھا تھا لیکن ہمارے استقبال کے لئے یہاں کوئی نہ تھا سوائے پہاڑی گرگٹوں اور گھنٹہ مینار کی چوٹی پر بیٹھے ہوئے گدھوں کے جو ہماری طرف حیرت، دلچسپی اور لالچ سے دیکھ رہے تھے۔

شہر کے ویران چوک میں اور خشک پڑے ہوئے فوارے کے قریب میں نے کار روک لی۔

میں نے ساتھ لائے ہوئے تمام لوٹوں میں سے ایک نکال کر ہونٹوں سے لگایا، چند گھونٹوں نے ہی میرے حلق میں گھسی ہوئی ریت اور دھول دھو دی کا تھا میں نے تمام لٹ ناستیا کی طرف بڑھا دیا۔ گھنٹہ مینار پر بیٹھے ہوئے گدھوں میں سے دو تین اپنے بڑے بڑے بازو پھیلا کر اڑے اور اپنی بھیانک

آوازیں ایک دوسرے کو پکارنے لگے۔ سورج ڈھل گیا۔

میں کانپ گیا۔

"بہت خوفناک مقام ہے۔ یہ سینور۔ بہت سے لوگ مارے گئے ہیں یہاں"

ناشیتا نے کہا۔

میں نے سر ہلایا۔

"ہم راستے پر ان کا انتظار کرتے ہیں تاکہ دیکھ سکیں کہ کون آرہا ہے" میں نے کہا۔

شہر کے کنارے پر ایک مکان ایسا مل گیا جس کی ایک دیوار ڈھے گئی تھی۔ یہ کھنڈر مرسیڈیز کے لئے ایک بہترین پناہ گاہ ثابت ہوسکتی تھی۔ کار اس میں پوری پوری داخل ہوسکتی تھی۔ چنانچہ کار میں اس کھنڈر میں لے آیا اور اسے وہاں چھوڑ کر ہم شہر سے باہر جاتے ہوئے راستے پر چل پڑے اور اس جگہ پہنچ گئے جہاں وہ پتھروں اور چٹانوں کے جھنڈ کے دوسری طرف نظروں سے اوجھل ہوگیا تھا۔

ہم دونوں اس جھنڈ کی چوٹی پر چڑھ گئے۔

ریگزار کا منظر دلکش تھا۔ ناشیتا نے ارد گرد کی جھاڑیوں پر اپنی بندوق کا دستہ برسایا کہ سانپ ہوں تو بھاگ جائیں۔

اور پھر ہم بیٹھ کر انتظار کرنے لگے۔

میرے پاس مشین گن تھی اور ناشیتا کے پاس اس کی ماؤزر لیکن یہ تو صاف ظاہر تھا کہ وکٹوریہ کو نقصان پہنچائے بغیر دشمن پر حملہ کرنا ممکن نہ تھا۔ یہ سب سے بڑی رکاوٹ تھی کیونکہ مجھے وکٹوریہ ہی کو بچانا تھا۔ مطلب یہ کہ مجھے اتفاقات اور قسمت پر کچھ زیادہ ہی اعتبار کرنا تھا اور یہ میں نے کبھی کیا نہ تھا اور نہ اب

کرسکتا تھا۔

میں اپنی ہیٹ کو تکیہ بنا کر لیٹ گیا اور سگریٹ پھونکنے لگا اور سوچنے لگا کہ وکٹوریہ اس وقت کس حال میں ہوگی اور کیا سوچ رہی ہوگی۔ تاہم اسے یہ تو یقین ہوگا کہ ہم تعاقب کریں گے۔ اسے بچانے بہرحال آئیں گے۔

اور تامس؟ اس کے متعلق کچھ کہنا مشکل تھا۔ یہ وہ شخص تھا جس نے بہت کچھ برداشت کیا تھا اور جسے عجیب وغریب اور سینکڑوں قسم کے مختلف واقعات نے گھڑ کر پختہ کردیا تھا۔ کئی برس کی قید، معزولی، ذلت اور اس مقصد میں ناکامی جو اس کا ایمان تھا اور پھر بے دردانہ خون خرابے بہت سی جانیں لی تھیں اس نے۔

بہت سے لوگوں کے ساتھ بھی ایسے ہی واقعات ہوئے تھے لیکن وہ سنبھل گئے تھے۔ لیکن تامس خونخوار بن گیا تھا۔ اپنے سامنے کسی کی حیثیت نہ سمجھتا تھا۔ وہ بپھرا ہوا اور زخمی شیر تھا، چنانچہ یہ وہ آدمی تھا جس سے ڈرتے رہنے میں ہی عقلمندی تھی۔

شاید مجھے جھپکی آگئی تھی اور ناشیتا کو بھی مناسب معلوم ہوا کہ مجھے کچھ دیر سو لینے دے۔ جب مجھے جھنجوڑ کر جگایا تو شام کا پچھلا پہر تھا، وادی میں سرخی بکھر گئی تھی اور سورج گھومتے ہوئے نارنجی گولے میں تبدیل ہوچکا تھا۔

بند ہوا اور خاموش فضا میں گھوڑوں کی ٹاپیں صاف سنائی دے رہی تھیں۔ میں نے احتیاط سے جھک کر اور جھاڑی کے پیچھے سے جھانک کر دیکھا وہ لوگ آہستہ آہستہ آرہے تھے۔ راستے کے دھول کی تہہ ان سب پر چڑھی

ہوئی تھی اور وہ سب کے سب، انسان اور جانور بھی، تھکے ہوئے معلوم ہوتے تھے۔

اور یہاں قسمت ایک بار پھر ہمارے ساتھ کھیل کھیل گئی کیونکہ تامس اور وکٹوریہ ایک ہی گھوڑے پر سوار تھے۔ وکٹوریہ تامس کی بانہوں میں تھی۔ کیونکہ اس نے لگام پکڑ رکھی تھی۔ چنانچہ اس حالت میں، جب کہ وکٹوریہ تامس کے لئے باقاعدہ ڈھال بنی ہوئی تھی، کچھ کرنا حماقت تھی۔

ہم لوگ جہاں تھے وہیں رہے اور ان لوگوں کو شہر میں داخل ہو کر چوک کی طرف بڑھتے دیکھتے رہے۔

"ناشتیا!" میں نے کہا۔ "اگر میں انہیں گھیر اؤں اور کچھ دوں تو یقیناً تامس صرف ایک آدمی کو وکٹوریہ کے پاس چھوڑے گا اور تم آسانی سے اس ایک آدمی سے نپٹ لوگے۔"

"یہ تم کس طرح سے کرو گے سینور؟"

میں نے اسے بتایا۔ وہ بولا۔

"جانتے ہو سینور کہ اس طرح تم خود اپنی موت کو دعوت دے رہے ہو؟"

"شاید۔ ہو سکتا ہے کہ اب میرے لئے دنیا میں کچھ نہ رہ گیا ہو۔ میں نے شانے اچکائے۔ وقت آئے تو وکٹوریہ کو خطرے سے دور ہٹا دینا۔ یہی میں چاہتا ہوں۔ اپنی تمام تر توجہ وکٹوریہ کی طرف مبذول کر دو اور مجھے بھول جاؤ۔ بھول جاؤ کہ میں موجود ہوں۔ میرا کیسا ہی حال کیوں نہ ہو، کچھ ہی کیوں نہ ہو جائے، تمہیں صرف وکٹوریہ کو بچانا ہے۔ سمجھ گئے؟"

اور میں جھاڑیوں کی اوٹ لیتا نیچے اترنے لگا۔ میں ایک عجیب طرح کا سکون محسوس کر رہا تھا۔ غالباً اسے ہی رضا برضا ہونا کہتے ہیں۔ میں وہی کروں گا جو مجھے کرنا تھا اور اگر یہ میری زندگی کا خاتمہ تھا تو یونہی

سہی - میں بہت جی لیا اور بہت دنیا دیکھ لی -

ناشتیا کی مدد سے میں نے کار پیچھے دھکیل کر کھنڈر سے باہر نکالی" دروازہ کھول کر اسٹیرنگ وھیل کے پیچھے بیٹھ گیا اور مشین گن اپنے قریب رکھ لی - کار اسٹارٹ کی تو انجن کی گرج نے اس ویران مقام کو جیسے پھاڑ کر رکھ دیا -
اور پھر میں نے اسے اس سڑک پر بھگا دیا جو چوک کی طرف جاتی تھی -
تامس دی لا پلیٹا اپنا ایک ہاتھ دکٹوریہ کے بازو پر رکھے گرجا کی طرف جا رہا تھا - اس کے آدمی گھوڑوں کی لگامیں پکڑے اس کے پیچھے پیدل آ رہے تھے -
میں نے بریک دبایا اور اسے لوگوں کے سامنے روک لیا - تامس دی لا پلیٹا نے مجھے پہچان لیا اور اس کا منہ حیرت سے کھل گیا بس میں یہی چاہتا بھی تھا کہ وہ مجھے پہچان لے - چنانچہ اب میں کار کو ایورس میں لے کر واپس تنگ سڑک پر لے آیا -
ان لوگوں نے گولیاں چلانی شروع کر دی تھیں ونڈ اسکرین کے کانچ کی کرچیاں اڑ گئیں - میں نے غوطہ مار کر قصداً کار کو یوں ڈگمگا دیا کہ وہ راستے سے ہٹ کر ایک دیوار سے ٹکرا گئی اور دیوار ڈھے گئی -
اس طرح رفتار قدرے کم ہو گئی اور یہی میں چاہتا بھی تھا - اب وہ شکاری کتے چیختے چلاتے اور سر جھکائے اندھا دھند گولیاں چلا رہے تھے اور ان کی گولیاں مرسیڈیز کے پہلوؤں پر لگ رہی تھیں -
اور پھر میں شہر سے باہر میدان میں تھا -
میں اسے ڈگمگانے کے لئے اسٹیرنگ وھیل دائیں بائیں گھما رہا تھا اور

پھر بیتنا اسے راستے سے ہٹا کر کنارے پر لے آیا۔

ڈھلان پر سے کار بجلی کی سی تیزی سے اتر رہی۔ میں نے مشین سنبھالی اور دروازہ کھول کر باہر کود پڑا۔ کار جھاڑیوں کو روندتی اور پتھروں سے ٹکراتی نیچے اترنے لگی اور پھر وہ لڑھک گئی۔ اس نے دو تین بازیاں لگائیں اور پھر جھاڑیوں کے ایک جھنڈ میں پہنچ کر رک گئی۔ اس کے اگلے پہیے اوپر اٹھے تھے اور چھت ڈھلان پر لگی ہوئی تھی۔

میں جھاڑی میں زمین سے چھپکلی کی طرح چپکا لیٹا ہوا تھا۔ میرے ہاتھ میں مشین گن تیار تھی اور میں منتظر تھا۔

چند ثانیوں بعد ہی تامس دی لا پلیٹا اور اس کے آدمی ڈھلان کی چوٹی پر نمودار ہوئے۔ ایک آدمی نے وکٹوریہ کو پکڑ رکھا تھا۔

چند ثانیوں تک وہ وہیں ٹھہر کر اوندھی پڑی ہوئی کار کی طرف دیکھتے رہے، پھر تامس نے کچھ کہا اور پھر چار آدمیوں کو اپنے ساتھ لے کر اور اس شخص کو، جو وکٹوریہ کو پکڑے ہوئے تھا، وہیں چھوڑ کر ڈھلان اترنے لگا۔

دفعتہ ناشتینا جیسے بھوت کی طرح ہوا میں سے نکل آیا۔ اس نے پتہ نہیں کیا کیا۔ بہرحال جو کچھ کیا بڑی مہارت سے کیا کیونکہ وہ شخص، جو وکٹوریہ کو پکڑے ہوئے تھا، اُف تک کیے بغیر ڈھیر ہو گیا۔ اس کے ساتھیوں کو اور تامس کو پتہ تک نہ چلا کہ کیا ہو گیا تھا۔

ناشتینا نے وکٹوریہ کو پیچھے گھسیٹ لیا تھا۔ اب وہ دونوں میری نظروں سے اوجھل تھے

مجھے بس اسی کا انتظار تھا ۔ جھاڑیوں میں سرسراہٹ ہوئی اور ٹہنیاں ٹوٹنے کے چٹپاخے سنائی دیئے ۔ تامس اور اس کے آدمی تقریباً میرے سر پر آچکے تھے اور اب عمل کا وقت تھا ۔ مجھے جو کچھ کرنا تھا ابھی اور اسی وقت کرنا تھا ورنہ نتیجہ معلوم ۔

وہ لوگ سامنے کے ایک چھوٹے سے میدان میں آگئے ۔ وہ بکھرے ہوئے تھے اور چونکہ ڈھلان پر تھے اس لئے سنبھل سنبھل کر، تقریباً لڑکھڑا کر چل رہے تھے ۔

میں ایک دم سے اٹھ کھڑا ہوا اور اندھا دھند مشین گن چلانے لگا ۔ ارادہ یہ تھا کہ ایک ہی وقت میں ان پانچوں کو گرا دوں گا ۔ تامس کے دو ساتھی تو فوراً ہی ڈھے گئے لیکن سپر مشین گن کا میگزین ڈرم پھنس گیا ۔

اور یہ تامس تھا جس نے جوابی فیر کیا ۔ اس نے ڈستے ہوئے سانپ کی سی پھرتی سے پستول گھسیٹ کر گولی چلا دی ۔ گولی میرے دائیں شانے کے عین نیچے اور سینے سے ذرا اوپر لگی ۔ میں الٹ کر جھاڑی میں چت گرا ۔

گرتے ہی میں نے اپنا پستول گھسیٹ لیا اور جلدی جلدی دو گولیاں چلا دیں کہ دشمن ان سے بچنے کی کوشش میں ٹکا رہے ۔ اور میں اپنے اس مقصد میں کامیاب ہو گیا ۔ ایک منٹ ۔ صرف ایک منٹ اور ایک منٹ اور میں جھاڑی کے پیچھے سے رینگ کر نیچے لڑھک گیا ۔

اور اب میں ایک گھنے جھنڈ میں تھا اور یہاں مجھے اپنے زخم کا معائنہ کرنے کا وقت مل گیا ۔ گولی چونکہ بہت قریب سے چلائی گئی تھی اس لئے وہ سینے میں سے داخل ہو کر دائیں شانے کی ہڈی کے عین نیچے سے، آر پار، نکل گئی تھی ۔ گولی نے نکل کر جو سوراخ بنا دیا تھا وہ میری توقع کے خلاف بہت چھوٹا

تھا۔ چنانچہ معلوم ہوا کہ تامس کی پستول پوائنٹ تھرٹی ایٹ کیلیبر کا تھا۔

میں نے اپنے ہاتھ کی ہتھیلی پہ تھوک دیا۔ تھوک صاف تھا۔ یعنی اس میں خون نہ تھا۔ یہ بڑی اطمینان بخش بات تھی لیکن میرے سر پر جھاڑیوں میں کی سرسراہٹ ذہنی اطمینان بخش نہ تھی۔

میں جلدی سے گھٹنوں میں سے نکل کر آہستہ آہستہ ڈھلان چڑھنے لگا۔ اب میں دائیں طرف ہٹ کر تیز چلا جا رہا تھا۔ اسی طرح میں واپس راستے پر پہنچ جاتا تھا۔

کسی نے مجھے دیکھ لیا۔ ایک اور پھر دو مرکی چیخ پھر سنائی دی اور پھر وہ بھونا شروع کرنے لگے۔

آخری کوشش، دلیرانہ اور کوشش اور میں رینگ کر ڈھلان کی چوٹی اور راستے کے کنارے پر پہنچ گیا تھا۔ میرے پھیپھڑے ہوا کی طلب میں پھٹے جا رہے تھے اور تامس کا ایک ساتھی بائیں طرف سے ریلوے انجن کی طرح میری طرف دھنسا آ رہا تھا۔

میں نے اس کی طرف پستول کا رخ کر کے اندھا دھند دو گولیاں چلا دیں کیونکہ نشانہ لینے کا نہ تو وقت تھا اور نہ ہی اس کے علاوہ کوئی چارہ رہ گیا تھا۔

میرا پیر پھسلا، میں سنبھل نہ سکا اور لڑکھڑا کر چوٹی پر سے سر کے بل گرا زخم میں ایسی ٹیس لگی کہ میرے منہ سے بے اختیار چیخ نکل گئی۔

وہ شخص بھاگا آ رہا تھا۔ اس نے گولی نہ چلائی۔ غالباً وہ میرے قریب آنا یا مجھے زندہ پکڑنا چاہتا تھا۔ اور یہی بات اس کی موت کا باعث بنی۔ میں نے گولی چلائی جو اس کا دل چیر گئی۔ وہ ہوا میں اچھلا اور پھر ڈھے گیا۔

اب میرے پستول میں صرف ایک راؤنڈ باقی رہ گیا تھا اور گولیاں بھرنے

کا وقت نہ تھا ۔ تامس دی لا پلیٹا اور اس کے چھپے ہوئے ساتھی جھنڈ میں سے نمودار ہوئے ، میں پلٹا اور اپنی جان لے کر ویران شہر کی طرف بھاگا ۔

ان لوگوں نے مسلسل گولیاں چلائیں ۔ لیکن میری دیوانہ وار دوڑ، جھاڑیوں اور پتھروں کے اوٹ اور پھر ان لوگوں کی ڈھلان پر چڑھنے میں احتیاط ، چنانچہ کسی کا نشانہ ٹھیک نہ تھا

میں سر جھکائے اندھا دھند بھاگتا رہا ۔ اس امید میں کہ گرجا تک پہونچ جاؤں گا اور اسی امید میں کہ میری ہدایت کے باوجود ناستیا میری مدد کو آجائے گا

میں خشک فوارے تک پہنچ چکا تھا کہ ایک بار پھر مجھے گولی لگی ۔ اس دفعہ دائیں ٹانگ میں ۔ یہ صرف ایک خراش تھی لیکن مجھے گرا دینے کے لئے کافی تھی ۔

جب میں لوٹ گیا تو دیکھا کہ تامس کا ساتھی میرے عین سامنے اور ذرا فاصلے پر تھا ۔ وہ نوجوان تھا ، مضبوط تھا ، جسمانی قوت سے پُر تھا اور ہرن کی طرح دوڑ رہا تھا ۔ ایک ایک لمحہ قیمتی تھا ۔ میں نے پستول اٹھایا ، نالی اس کے پیٹ کی طرف کی اور لبلبی دبا دی ۔ اور جب وہ گزر رہا تھا تو میں اٹھ کر لنگڑاتا ہوا گرجا کے دروازے کی طرف بھاگ رہا تھا ۔

وہ کسی ایسے خوفناک اور خونخوار بلا کی طرح تھا جیسے آپ خواب میں دیکھتے ہیں ، جو آپ کا پیچھا کرتی ہے اور جس سے آپ بچ نہیں سکتے ۔

میں گرجا کے دروازے تک پہنچ گیا ۔ ایک گولی سوں سے آئی اور دروازے کی لکڑی کی کرچیں لے گئی ۔

میں نے سر گھما کر پیچھے دیکھا۔ وہ خشک فوارے کے قریب سے گزر کر گرجا کی طرف بڑھ چکا تھا، وہ بڑی تیزی سے بھاگ رہا تھا اور اس کے دونوں ہاتھوں میں ایک ایک پستول تھا۔

میں دروازے میں سے گزر کر اندر آ گیا۔ یہاں نیم تاریکی اور لمبا ٹھنڈک تھی۔ ظاہر ہے کہ میں ایک سیکنڈ کے لئے بھی رکنے کی جرأت نہ کر سکتا تھا۔ میں لنگڑاتا ہوا آگے بڑھ گیا اور کارتوس کے لئے اپنی جیب ٹٹولتا رہا۔ کارتوس میں نے بڑے بے ڈھنگے پن سے پستول کے چیمبر میں ڈال لئے بقیہ میری مٹھی میں سے نکل کر فرش پر بکھر لئے کیونکہ میرا دایاں شانہ اور پورا بازو یوں جل رہا تھا جیسے اس میں جہنم کی آگ دوڑ رہی ہو اور انگلیاں تقریباً مفلوج ہو چکی تھیں۔

تامس نہ صرف گرجا میں آ چکا تھا بلکہ گولیاں بھی چلا رہا تھا لیکن چونکہ وہ باہر سے دفعتہ اندھیرے میں آیا تھا اس لئے فی الحال اس کی نظر کام نہ کر رہی تھی۔

اور تب ہم نے بڑی زبردست حماقت کا ثبوت دیا۔ یعنی گھوم کر جواب میں گولی چلا دی اور اس طرح اس پر ظاہر کر دیا کہ میں کس طرف تھا۔ اور جب اس نے اس طرف گولی چلائی تو میں آگے بڑھ کر اور بھی اندھیرے میں آ گیا۔

میں ٹھوکر کھا کر سیڑھیوں پر گرتا، اٹھا اور دیوانہ وار سیڑھیاں چڑھنے لگا۔ وہ ذرا اوپر چڑھ کر چکر کھا گئیں۔ میں گھنٹہ مینار کے پیٹے میں تھا اور روشنی ایک بڑے سے سوراخ میں سے در آئی۔

میں چھت پر پہونچ کر صورت حال کا جائزہ لینے کے لئے رک گیا یہاں

سے فرار کی کوئی راہ نہ تھی ۔ پیچھے سے ایک گولی آئی اور سنسناتی ہوئی آسمان کی طرف پرواز کر گئی ۔

میں نے پستول جھکا کر نیچے اندھیرے میں گولی چلائی ۔ دوسری دفعہ لبلبی دبائی اور صرف کھٹ کی آواز ہوئی اور بس ۔

اب میرا خاتمہ تھا اور یہ میں جانتا تھا ۔ سنتھا ہیسٹ کونغ آخر کار موت کی دہلیز پر پہنچ گیا تھا کیونکہ وہ سوچے سمجھے بغیر گھنٹہ مینار کی سیڑھیاں چڑھ گیا تھا ۔

میں پلٹ کر لڑکھڑاتا ہوا آگے بڑھا ۔ لیکن میں کہاں جا سکتا تھا ۔ میں چھت کے کنارے پر پہنچ گیا اور کنارا ننگا تھا ۔ یعنی یہاں دیوار نہ تھی ۔ صرف میں نیچے گر کر ایک طرف تو گہری گھاٹی میں یا پھر دوسری طرف چوک میں گر کر جان بحق ہو سکتا تھا ۔

اس طرف سے مایوس ہو کر جب میں پلٹا ہوں تو تامس مجھ سے صرف دس گز دور کھڑا ہوا تھا ۔ اس کا سینہ اٹھ اور گر رہا تھا ، چہرہ زرد تھا اور اس کے صرف ایک ہاتھ میں پستول تھا ۔

اور اب تامس دی لا پلیپا دنیا کی سب سے بڑی غلطی کر بیٹھا ۔ بجائے اس کے کہ وہ مجھے فوراً گولی مار دیتا اس نے مجھ سے گفتگو شروع کر دی ۔

کس نے بھیجا ہے تمھیں کونغ ؟ " اس نے پوچھا ۔

اس کا اس سوال کا جواب میں نے نہیں ملکہ بندوق کے ایک دھماکے نے دیا ۔ مینار پر اور دیران مکانات کی چھتوں پر بیٹھے ہوئے گدھ دھماکے کی آواز سے خوفزدہ ہو کر اڑے اور اندھیری ہوتی ہوئی فضا میں چکر

کاٹنے لگی۔

ناسس دی لاپلیٹا بڑے زور سے چیخ کر لٹو کی طرح گھوم گیا اور پستول اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر نیچے چوک میں جا پڑا۔

میں نے نیچے نظر کی۔

خندک نوارے کے قریب ناشتیا دھواں اگلتی بندوق لئے کھڑا تھا اور دکٹوریہ اس کے قریب دبکی ہوئی تھی۔

اس نے میرا نام لے کر مجھے پکارا اور اس کی آواز گدھوں کی چیخوں سے گلو بلند ہوگئی۔

جب میں گھوما ہوں تو تاسس زخمی شیر کی طرح میری طرف لپکا۔ اس کے منہ سے خون بہہ رہا تھا اور میرا حلق دبوچنے کے لئے اس نے اپنے دونوں ہاتھ آگے بڑھا رکھے تھے۔

وہ توپ کے گولے کی طرح آیا۔ میں ایک قدم دائیں طرف ہٹ گیا۔

تاسس میرے قریب سے نکلا چلا گیا اور وہ مینار کی چوٹی پر سے گرا۔ چوک کی طرف۔

جب میں نے نیچے دیکھا تو تاسس دی لاپلیٹا چوک کے پتھروں پر اوندھے منہ پڑا ہوا تھا اور ناشتیا اس پر جھکا ہوا تھا۔

ناشتیا اٹھا، اس نے سر اٹھا کر میری طرف دیکھا اور پھر پلٹ کر دکٹوریہ کے پیچھے چل دیا جو گرجا کے دروازے کی طرف بھاگی آرہی تھی۔

گدھ ایک بار پھر مینار پر بیٹھنے لگے تھے۔ آسمان کا رنگ تانبے کی طرح ہو رہا تھا اور سورج پہاڑیوں کے پیچھے ڈوب رہا تھا۔

میں ناقابلِ برداشت تھکن محسوس کر رہا تھا۔ میرے بائیں ہاتھ میں

پستول تھا جو مجھے خاصہ بوجھل معلوم ہو رہا تھا۔ میں نے اپنا ہاتھ گھمایا کر خالی پستول مینار پر سے دور، پھینک دوں یہ عقلمندی نہ تھی۔ کم سے کم مشہور چیپ دستی پستول بار اہیٹ کو رخ کے لئے یہ عقلمندانہ بات نہ تھی۔ خصوصاً اس لئے کہ یہ بہت خطرناک جگہ تھی اور رات کا اندھیرا اتر رہا تھا۔

میں بیٹھ گیا۔ جیب میں سے مٹھی بھر کارتوس نکالے، چھت پر ڈال لئے اور آہستہ آہستہ، بڑی مشکل سے اور دانت بھینچ کر، کیونکہ میرا زخمی شانہ تکلیف دے رہا تھا، پستول میں گولیاں بھرنے لگا۔

ختم شد

مظہر الحق علوی

کے اڈونچرس ہیبت ناک حیرت ناک ناول

- آدم خور — ولسن میک آرتھر 9/-
- بھیڑیا — گال اند 9/-
- جوش محبت — سی، ایف، ارمنڈ 6/-
- تیغ زن کامل — الکزنڈر ڈوما 10/-
- خوابوں شکاری — رائیڈر ہیگرڈ 10/-
- دختر شب — " " 9/-
- ڈراکیولا — بروم اسٹوکر 9/-
- ڈراکولا کی واپسی — جان برک 5/-
- رات کا کالا کفن — انگس ہال 8/-
- سونا سمندر — ڈینس وہیٹلی 8/-
- سایہ شیطان — " 10/-
- شہر خموشاں — رائیڈر ہیگرڈ 9/-
- ظل ہما — الکزنڈر ڈوما 15/-
- آواز کے جنگل — برکلے ماتھر 8/-
- گنج سلیمان — رائیڈر ہیگرڈ 3/50
- گردش ایام — ڈینس وہیٹلی 8/-
- لالہ صحرا — رائیڈر ہیگرڈ 3/50
- ندائے روح — " 9/-
- نیل کی ساحرہ — 4/50
- مقدس پھول — رائیڈر ہیگرڈ 1/-
- زہر آب — ایلن ولیمس 1/-
- کوارٹرمین کے کارنامے — 4/50
- دیو استبداد — ڈکرٹنگ 6/-
- گناہ آدم — جیمس ہیڈلے چیز 6/-
- ابابیل — رائیڈر ہیگرڈ 10/-
- سورج کا لہو — زبیرا مستھو 12/-
- عالم اسفل — ہر برٹ کانن ڈائل 5/-
- جرم و سزا — " " 19/-



ڈاکٹر حامد حسن، ممتاز علی کیانی، عقیل قریشی
محمد سجاد بھٹی، سیف الملوک عباسی، یاسر حسنین
محمد نعمان، ساگر زمان، ناصر محمود بلوچ